ابوہریرہ

از افادات

حضرت حجۃ الاسلام آقا عبد الحسین شرف الدین موسوی دام ظلہ العالی

ابو ہریرہ

ابو ہریرہ نے پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کیں اور حدیثوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگا دیے، اور اُن سے صحاح ستہ اور تمام سنن و مسانید اہلسنت نے روایتیں کیں بے حد حساب!! اس بہتات کو دیکھتے ہوئے ضروری ہوا کہ ان احادیث کے مصدر و مرکز خود ابو ہریرہ کی ذات و صفات پر روشنی ڈالی جائے کیونکہ اُن کی حدیثیں ہماری دینی و شعوری زندگی سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں اور اُن سے چشم پوشی کریں تو یہ دین و عقل سے غفلت اور کورانہ تقلید کے مرادف ہوگی۔

ابو ہریرہ کی حدیثوں کی یہ بہتات اصول دین و فروع دین دونوں ہی کو چھائے ہوئے ہے اسی وجہ سے مذاہب اربعہ والے یعنی حنفی و شافعی و حنبلی و مالکی اور ان کے متکلمین اشاعرہ وغیرہ بیشتر احکام الٰہی و شرائع دینی میں ابو ہریرہ کی حدیثوں کے محتاج اور اُن کے سامنے نظر و فکر کے ہتھیار ڈالے نظر آتے ہیں، اس لیے ہم پر فرض ہوا کہ ہم ابو ہریرہ کا جائزہ لیں اور اُن کی حدیثوں کی کمیت و کیفیت سے بحث کریں تاکہ اُن کی روایت کردہ حدیثوں سے جو احکام الٰہی مستنبط ہوتے ہیں اُن کی حقیقت اُجاگر ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

ابوہریرہ کا نام ونسب

ابوہریرہ بہت معمولی حیثیت اور گمنام نام ونسب کے آدمی ہیں۔ ان کے اور ان کے باپ کے نام کے متعلق اسلام سے پیشتر اور زمانۂ اسلام دونوں عہدوں[1] میں لوگوں نے بیشمار مختلف باتیں کہی ہیں، اصل نام کیا تھا یہ آج تک طے نہ ہوسکا یہ اپنی کنیت کے ساتھ پہچانے جاتے اور قبیلہ دوس سے نسبت رکھتے ہیں۔

دوس یمن کا ایک خاندان ہے جو دوس بن عدنان بن عبداللہ بن زہران بن کعب بن حارث بن کعب بن مالک بن نضر بن ازد بن غوث کی نسل سے ہے۔

ان کے باپ کے متعلق بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کا نام عمیر[2] تھا اور وہ عامر

۱؎ علامہ ابن عبدالبر نے اپنی استیعاب میں بسلسلہ حالات ابی ہریرہ بعینہ یہی لفظیں لکھی ہیں، استیعاب کے علاوہ دیگر کتابیں اصابہ، اسد الغابہ، طبقات ابن سعد وغیرہ سبھی میں ان کی معمولی حیثیت اور ذلیل نسب کا تذکرہ ہے ۲؎ یہ قول محمد بن ہشام بن سائب کلبی کا ہے جیسے بسلسلہ تذکرہ ابی ہریرہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں نقل کیا ہے ابو احمد دمیاطی نے بھی اس کی تائید کی ہے دیکھو اصابہ حالات ابوہریرہ۔

بن عبد ذی الشری بن طریف بن غیاث بن ابی صعب بن ہنیہ بن سعد بن ثعلبہ

بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس کے بیٹے تھے۔

ان کی ماں امیمہ[۱] بنت صفیح بن حارث بن شابی بن ابی صعب بن ہنیہ بن سعد

بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس ہیں۔

ابوہریرہ کنیت ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ اُن کے ایک ھِرّہ (بلّی) تھی جسے

یہ بہت چاہتے[۲] تھے اسی وجہ سے اُن کی کنیت ابوہریرہ رکھ دی گئی، غالباً اپنی بلّی

پر حد سے زیادہ فریفتہ ہی ہونے کی وجہ سے انھوں نے پیغمبرؐ کی طرف منسوب کرکے

یہ حدیث روایت کی ہے کہ

---

[۱] طبقات بن سعد جلد ۴ قسم ثانی ص ۵۲ [۲] علامہ ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب "معارف"

میں بسلسلہ حالات ابی ہریرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ کہا کرتے تھے کہ میری کنیت "ابوہریرہ"

ایک چھوٹی بلّی کی وجہ سے پڑی جس سے میں کھیلا کرتا تھا۔ اور ابن سعد نے انھیں ابوہریرہ سے

منسوب کرکے ان کا قول اپنے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور میری ایک

چھوٹی سی بلی تھی جب رات آتی تو میں اسے درخت پر رکھ دیا کرتا اور جب صبح ہوتی تو وہاں سے

اُتار لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، اس پر لوگوں نے میری کنیت ابوہریرہ رکھ دی۔ جس جس نے

ابوہریرہ کے حالات لکھے ہیں سبھی نے کنیت کی یہی وجہ بیان کی ہے، مسلمان ہونے کے بعد

بھی بلی کے ساتھ ان کا یہی شغف رہا، یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے بھی انھیں اسی حال میں دیکھا

کہ یہ اپنی آستین میں اپنی بلی چھپائے ہوئے ہیں جیسا کہ علامہ فیروز آبادی نے اپنی لغت

قاموس میں لفظ ہرہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

ان[1] امراءۃ دخلت النار فی ہرۃ ربطتھا فلم تطعمھا ولم تدعھا تاکل من خشاش الارض -

ایک عورت محض اس وجہ سے جہنم میں ڈالی گئی کہ اس نے ایک بلی کی گردن میں رسّی باندھ دی نہ اسے کھانے کو دیا نہ اسے آزاد چھوڑا کہ وہ زمین پر پڑی ہوئی چیزوں سے پیٹ بھر سکے -

جناب عائشہ کو جب ان کی اس حدیث کی خبر ملی تو انھوں نے سختی کے ساتھ اس حدیث کی تردید کی جیساکہ آپ آگے چل کر اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے -

۲

ابو ہریرہ کی نشو ونما، اسلام لانا اور صحبت پیغمبر

یمن ہی میں پیدا ہوے اور یمن ہی میں پلے بڑھے یہاں تک کہ تیس[2] برس تک کی عمر ہو گئی، بالکل کافر اور زمانہ جاہلیت کا ایک نمونہ، نہ دماغ میں علمی روشنی تھی نہ کچھ نیک و بد کی تمیز، ایسے مفلس و قلاش جیسے زمانے نے بالکل گمنام رکھا ہو، اور ایسے یتیم جیسے فقر و ناداری نے ذلیل و خوار بنا رکھا ہو، کبھی کسی کی خدمت کرتے

---

[1] امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۴۹ کتاب بدء الخلق میں اور امام احمد نے مسند جلد ۲ ص ۲۶۱ میں درج کیا ہے [2] خود ابو ہریرہ کا قول اصابہ وغیرہ میں ایک حدیث کے ضمن میں موجود ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر جب خیبر میں تشریف فرما تھے تو میں حاضر خدمت ہوا اور اس وقت میرا سن ۳۰ برس سے زائد تھا

کبھی کسی کی چاکری، پیٹ بھر کھانے سے غرض تھی جو دے اور کام لے لے۔[1]
ننگے پیر، برہنہ جسم، ہر ذلت پر راضی اور ہر حال میں مطمئن۔

لیکن جب خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی رسالت کو مدینہ منورہ میں فروغ دیا اور جنگ بدر و احد، خیبر و خندق کے بعد ہر طرف اسلام کا علم لہرانے لگا تو اب اس نادار و محتاج انسان کے لیے آستانۂ نبوت کی جبہ سائی کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی باقی نہ رہا۔ فتح خیبر کے بعد انھوں نے وطن کو خیرباد کہا اور اسلام لاکر حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے یہ باتفاق مورخین ۷ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

رہ گئی ان کی صحابیت اور صحبتِ پیغمبرؐ میں ان کی باریابی تو خود ابوہریرہ نے ایک حدیث میں جسے امام بخاری نے صحیح بخاری[2] میں روایت کیا ہے صراحت کی ہے کہ صرف تین برس تک رہی۔

---

[1] ابوہریرہ اپنے حالات میں بیان کیا کرتے (جیسا کہ طبقات، ابن سعد اصابہ اور حلیۃ الاولیا میں بسلسلہ حالات ابوہریرہ مذکور ہے) میں ابن عفان اور دختر غزوان کی خدمت کیا کرتا تھا پیٹ بھر کھانے کے عوض، جب وہ دونوں سوار ہو کر جاتے تو میں اونٹ ہنکاتا اور جب وہ گھر میں رہتے تو اُن کی خدمت بجا لاتا اس کے متعلق ابوہریرہ کی بہت سی باتیں ہیں جن کو ہم اُن کے مواقع پر ذکر کریں گے [2] صحیح بخاری جز ثانی ص۱۸۲ باب علامات النبوۃ، اصابہ ابن حجر عسقلانی، طبقات ابن سعد حالات ابوہریرہ۔

۳

ابو ہریرہ عہدِ پیغمبرؐ میں

ابو ہریرہ اسلام لانے کے بعد مساکین صفّہ[1] میں داخل ہو گئے، اہل صفہ جیساکہ علامہ ابوالفدا اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں "مفلس و نادار مسلمان تھے جن کے نہ کوئی گھر تھا نہ قوم و قبیلہ، عہدِ پیغمبرؐ میں وہ لوگ مسجد نبوی میں شب کو سوتے اور دن میں رہتے مسجد کا سائبان ان کا جائے قیام تھا اسی کی طرف وہ منسوب ہو گئے۔ جب پیغمبرؐ شب کو کھانا نوش فرماتے تو اُن میں سے کچھ لوگوں کو اپنے کھانے میں شریک کر لیتے اور باقی دیگر اصحاب کے پاس بٹ جاتے تاکہ اُن کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں، ان اہل صفہ کے مشہور لوگوں میں ابوہریرہ تھے۔[2] (تاریخ ابوالفداء)

یہ ابوہریرہ جیسا کہ ابونعیم اصبہانی نے حلیۃ الاولیا[3] میں صراحت کی ہے صفہ کے رہنے والوں میں مشہور تر تھے جو پیغمبرؐ کی زندگی تک صفہ ہی میں رہے وہاں سے ہٹے ہی نہیں۔ خود ابوہریرہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں وکنت امرأً مسکینا من مساکین الصفۃ "میں فقراء صفہ میں سے ایک نادار و فقیر شخص تھا"[4]

---

[1] علامہ ابن کثیر اپنی لغت نہایۃ میں لکھتے ہیں کہ اہل صفہ سے مراد فقراء مہاجرین ہیں جن کے پاس رہنے کا کوئی مکان نہیں تھا وہ مسجد نبوی کے سائبان میں رہتے تھے [2] تاریخ ابوالفداء پیغمبرؐ کے آخر زندگی کے حالات جہاں اصحاب پیغمبرؐ کا ذکر کیا ہے [3] حلیۃ الاولیاء جلد اول ص۳۷۶ [4] صحیح بخاری جزء ثانی ص۱ کتاب البیوع

ایک اور موقع پر کہا:-

رایت سبعین من[1] اصحاب[2] الصفة ما منهم رجل علیه رداء وانما علیه اما ازار واما کساء ربطوه فی اعناقهم فمنها ما یبلغ نصف الساقین ومنها ما یبلغ الکعبین فیجمعه بیده کراهیة ان تری عورته۔

میں نے اصحاب صفہ میں سے ستّر اشخاص کو دیکھا کہ کسی کے جسم پر ردا نہ تھی ہر ایک کے بدن پر لنگ تھی یا چادر جسے گردن سے باندھے رہتے بعض کی لنگ یا چادریں آدھی پنڈلی تک ہوتیں بعض کی ٹخنے تک۔ اور وہ اپنے ہاتھوں سے پکڑے رہتا تاکہ شرمگاہ نہ کھل جائے۔

صحیح بخاری کی ایک طولانی حدیث[3] میں ابوہریرہ سے روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں وان اباھریرة کان یلزم رسول اللہ بشبع بطنه ابوہریرہ صرف پیٹ بھر کھانے کے لیے پیغمبرؐ سے چپکے رہتے تھے۔

اسی صحیح بخاری میں ابن مسیب اور ابوسلمہ کے طریق سے ابوہریرہ سے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص [illegible] کتاب الصلوٰۃ باب نوم الرجال فی المسجد [2] ستّر اصحاب صفہ جن کا ابوہریرہ نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے جنگ بئر معونہ میں سب کے سب درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اس وقت ابوہریرہ اسلام بھی نہ لائے تھے اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انھوں نے کیسے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے ستّر اصحاب صفہ کو دیکھا۔ یہ حدیث ان کی اسی حدیث جیسی ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ میں رقیہ دختر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے ہاتھ میں کنگھی تھی" حالانکہ رقیہ ابوہریرہ کے آنے کے مدتوں پہلے انتقال کر چکی تھیں۔ ایک دو نہیں ایسے بہت سے نوادر آپ کو ان کی حدیثوں میں نظر آئیں گے جن کا آگے چل کر ہم تذکرہ کریں گے [3] صحیح بخاری ج ۱ [illegible] کتاب العلم، حلیۃ الاولیا وغیرہ

روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں وکنت الزم رسول اللہ علی مل بطنی[1]
میں ہر وقت پیغمبر کی خدمت میں موجود رہتا تھا پیٹ بھر کھانے کے عوض۔

دوسری جگہ اسی صحیح بخاری میں ابو ہریرہ کی ایک اور روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ "میں اصحاب صفہ سے تھا[2] ایک دن روزہ رکھا، شام ہو گئی، اس دن پیٹ میں کچھ تکلیف بھی تھی میں رفع حاجت کے لیے گیا، واپس آیا تو کھانا کھایا جا چکا تھا۔ قریش کے مالدار افراد اہل صفہ کو کچھ کھانا بھیج دیا کرتے تھے، میں نے کہا میں کس کے پاس جاؤں۔ لوگوں نے کہا عمر ابن خطاب کے پاس جاؤ۔ میں ان کے پاس پہنچا وہ نماز پڑھ کر تسبیح میں مشغول تھے، میں رکا رہا جب وہ جانے لگے تو میں قریب گیا، کہا اقرئنی (اس لفظ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مجھے کچھ پڑھ کر سنائیے، دوسرے یہ کہ میری ضیافت کیجئے، میرا مطلب یہ تھا کہ کھانا کھلائیے) انھوں نے سورہ آل عمران کی چند آیتیں پڑھ کر سنا دیں جب وہ دروازے پر پہنچے تو گھر میں چلے گئے اور مجھے دروازے پر چھوڑ دیا، بہت دیر ہو گئی، میں نے جی میں کہا، کپڑے اتارتے ہوں گے کپڑے اتار کر پھر میرے لیے کھانا بھجوائیں گے مگر گھنٹوں ہو گئے اندر سے کوئی آتا نظر نہ آیا۔ جب کافی تاخیر ہو گئی تو میں واپس پلٹا، راستہ میں پیغمبر مل گئے میں آپ کے ساتھ چلا یہاں تک کہ در دولت پر پہنچا، آپ نے ایک حبشی کنیز[3] کو پکارا اور فرمایا وہ پیالہ لے آنا وہ ایک پیالہ لے کر آئی جس میں کسی کھانے کی چکنائی لگی ہوئی تھی میرا خیال ہے کہ جو کا ستو اس میں تھا جو کھایا جا چکا تھا کنارے کنارے ذرا ذرا

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱ کتاب البیوع [2] حلیۃ الاولیا جلد ا ص ۳۷۶ [3] ہم نے نہ تو کسی کتاب میں دیکھا نہ کسی سے سنا کہ پیغمبر کے گھر میں کوئی حبشی کنیز بھی تھی

لگا ہوا تھا بہت ہی کم، میں نے اسی کو کھایا اور اس سے میرا پیٹ بھر گیا۔
ابوہریرہ اکثر اپنے متعلق کہا کرتے "خدائے وحدہٗ لاشریک کی سوگند، میں بھوک کے مارے زمین پر پڑا رہتا، اپنے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا، ایک دن میں مسجد کے راستہ میں بیٹھ گیا جس راستہ سے ہو کر لوگ مسجد سے نکلا کرتے کہ ابوبکر گذرے۔ میں نے قرآن مجید کی ایک آیت کے معنی اُن سے پوچھے، مطلب یہ تھا کہ وہ مجھے کھانے کو پوچھیں مگر انھوں نے نہیں پوچھا اپنی راہ چلے گئے، پھر عمر گذرے اُن سے بھی میں نے قرآن مجید کی آیت کا مطلب دریافت کیا اس مرتبہ بھی میری غرض یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ لے چلیں اور کھانا کھلائیں وہ بھی اپنی راہ گئے اور کھانے کی دعوت نہ دی، پھر پیغمبرِ خدا تشریف لائے آپ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرائے

---

۵ اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح بخاری کے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ علامات نبوت میں سے شمار کیا جاتا ہے، اگر یہ حدیث اور ابوہریرہ کا یہ بیان صحیح ہے تو سمجھ میں نہیں آتا پھر اس واقعہ کی دوسرے ہزاروں اصحاب نے کیوں نہیں روایت کی، کم سے کم وہی صحابہ اس واقعہ کو بیان کرتے جو دودھ میں ابوہریرہ کے حصہ دار بنے، یہ بھی قابل غور ہے کہ اس موقع پر پیغمبر کو معجزہ ظاہر فرمانے کی ضرورت کیا تھی؟ کیونکہ اس قسم کے محیر العقول خارق عادات افعال شدید ضرورت پیش آنے ہی پر عمل میں لائے جاتے ہیں، آیات الٰہی اور معجزات انبیاء پر ہم پورا پورا ایمان رکھتے ہیں پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ ابوہریرہ نے یہ حدیث جو بیان کی وہ محض جاہل اور ان پڑھ عوام میں اپنی شان جتانے کے لیے اور اس وقت بیان کی جب بڑے بڑے صحابہ انتقال کر چکے تھے کوئی ایسا رہ نہیں گیا تھا جس کے جھٹلانے کا خوف ہوتا ابوہریرہ کو۔

اور میرے دل میں اور چہرے پر جو بات نمایاں تھی پہچان گئے، آپ نے فرمایا ابوہریرہؓ!
میں نے عرض کی حاضر ہوں یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلو، میں
ساتھ ہو گیا، آپ گھر میں آئے اور مجھے اندر بلایا، میں اندر گیا۔ ہم لوگوں نے
دیکھا کہ ایک پیالہ میں دودھ ہے آں حضرتؐ نے دریافت کیا یہ دودھ کہاں سے
آیا، بتایا گیا کہ فلاں شخص نے تحفۃً آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا
ابوہریرہ جاؤ اور اہل صفہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اہل صفہ اسلام کے مہمان
تھے نہ کوئی گھر بار تھا نہ عزیز و اقارب، جب پیغمبرؐ کے پاس کوئی صدقہ کی چیز
آتی تو آپ اُن کے پاس بھیج دیا کرتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے اور جب کوئی
تحفہ و ہدیہ آتا تو خود بھی نوش فرماتے اور اہل صفہ کو بھی شریک کر لیتے۔ ابوہریرہ
کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کا یہ ارشاد مجھے بہت ناگوار گذرا جی میں کہا کہ اہل صفہ کے لیے
یہ دودھ کیا کام دے گا، میں زیادہ حقدار ہوں کہ اسے پی کر بھوک کی اذیت دور
کروں۔ اہل صفہ جب آئیں گے تو پیغمبرؐ حکم دیں گے کہ میں یہ پیالہ انھیں دوں
ایک ایک کے پاس پیالہ لے جانا پڑے گا اس میں سے بچے گا کیا جو میں پیوں گا۔
مگر پیغمبرؐ کی بات ماننے کے علاوہ چارہ کار ہی کیا تھا میں ان لوگوں کو جا کر بلا لایا
اُن لوگوں نے حاضر ہو کر اجازت چاہی پیغمبرؐ نے اجازت دی وہ سب آ کر اپنی
اپنی جگہ بیٹھ گئے، پیغمبرؐ نے فرمایا ابوہریرہ یہ پیالہ ان لوگوں کو دو۔ میں نے
پیالہ ہاتھ میں لے کر ایک کو بڑھایا اس نے پیٹ بھر کے پیا پھر پیالہ مجھے پلٹا دیا
میں نے دوسرے کو بڑھایا اس نے بھی جی بھر کے پیا اور سیراب ہو گیا اسی طرح
یکے بعد دیگرے ہر ایک کو میں پیالہ دیتا گیا اور وہ پیٹ بھر کے پینے کے بعد

مجھے واپس دیتا گیا، جتنے تھے سب نے پیا اور سبھی سیراب ہوئے پھر آں حضرتؐ نے وہ پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا اور مجھے دیکھ کر مسکرائے ارشاد فرمایا ابوہریرہ بس ہم تم باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کی جی ہاں! آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا بیٹھو اور پیو، میں نے بیٹھ کر پیا۔ آپ نے فرمایا اور پیو، میں نے اور پیا۔ اسی طرح آپ فرماتے گئے اور پیو اور میں اور پیتا گیا یہاں تک کہ میں نے عرض کی اب نہیں یا رسول اللہ اب پیٹ میں گنجائش نہیں رہی۔ آپ نے فرمایا اچھا مجھے پیالہ دکھاؤ، میں نے پیالہ آپ کے ہاتھوں میں دے دیا، آپ حمد و ثنائے الٰہی بجالائے اور بسم اللہ کہہ کر بقیہ دودھ نوش فرمالیا۔

اور صحیح بخاری میں ابوہریرہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے، ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں [1] منبر اور حجرہ عائشہ کے بیچوں بیچ غش میں پڑا رہتا لوگ آتے اور میری گردن پر پیر رکھ دیتے اور میں بالکل دیوانہ دکھائی دیتا حالانکہ میں دیوانہ نہیں تھا۔ بھوک بدحواس بنائے رہتی۔

جناب جعفر طیار نادار مسلمانوں پر بے حد مہربان تھے برابر اُن کے ساتھ احسان و خیر و خیرات کرتے رہتے اکثر ابوہریرہ کو کھانا کھلایا کرتے جس کی وجہ سے ابوہریرہ جناب جعفر طیار کے بے حد گرویدہ تھے اور انھیں پیغمبرؐ کے بعد ہر ایک سے افضل قرار دیتے (جیسا کہ اصابہ میں بسلسلہ حالات جعفر طیار مذکور ہے) امام بخاری نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے ابوہریرہ نے کہا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۴ ص ۱۷۵ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

"لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ پیغمبرؐ کی بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں، میرا حال یہ تھا کہ پیغمبرؐ سے ہر وقت چپکا رہتا صرف شکم سیری کے لیے یہاں تک کہ میں نہ خمیر کھاتا نہ حریر (ریشم) پہنتا نہ غلام و کنیز میری خدمت کرتے، میں بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا، میں لوگوں سے آیت کی قرأت کا سوال کرتا غرض یہ رہتی کہ وہ اپنے ساتھ مجھے لے جائیں اور کھانا کھلائیں، اور مساکین و فقرا کے لیے سب سے بہتر و نیک دل انسان جعفر بن ابی طالب تھے وہ ہمیں اپنے گھر لے کر آتے جو کچھ گھر میں ہوتا وہ ہمیں کھلاتے[1]۔

بغوی نے بطریق مقبری روایت کی ہے (جیسا کہ اصابہ میں بسلسلہ حالات جعفر مذکور ہے کہ جعفر ابن ابی طالب فقراء و مساکین کو بے حد محبوب رکھتے وہ ان کی خدمت کرتے اور فقرا جعفر کی خدمت بجالاتے دونوں ایک دوسرے سے گھل مل کر بات چیت کرتے اسی وجہ سے پیغمبر خداؐ نے جناب جعفر کی کنیت رکھدی تھی ابوالمساکین[2]۔

ترمذی و نسائی نے بسند صحیح ابو ہریرہ سے روایت کی ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے بعد کسی بھی شخص نے نہ تو نعلین پہنی نہ ناقہ پر سوار ہوا، نہ زمین پر چلا جو جعفر سے افضل ہو[3] یعنی پیغمبر کے بعد جعفر طیار سے بہتر و افضل کوئی نہ ہوا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۹۷ باب مناقب جعفر و حلیۃ الاولیا ج ۱ ص۱۱۷ حالات جعفر

[2] علامہ ابن عبدربہ قرطبی نے عقد الفرید جلد ۱ میں ابو ہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ "میں ایک مرتبہ جناب جعفر کے ساتھ چلا اور میں بہت بھوکا تھا جب وہ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو مڑے اور مجھ پر ان کی نظر پڑی مجھ سے کہا آؤ، میں گھر میں داخل ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴ پر)

غرضکہ صفہ مسجد کا سائبان برابر ابو ہریرہ کا گھر بنا رہا، رات دن اسی میں
رہا کرتے اس کے سوا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے اس دارِ فانی سے
کوچ کیا اور پیغمبرؐ کے جیتے جی تک ابو ہریرہ نے پیٹ بھرنے کی کوئی راہ ہی نہ نکالی
سوا اس کے کہ راستہ میں بیٹھ جاتے اور لوگوں کو اپنی گرسنگی کی طرف متوجہ کرتے: نہ
کسی اہم معاملہ میں ان کا نام ملتا ہے نہ کسی جنگ یا صلح میں اُن کا ذکر آتا ہے
البتہ مورخین نے اتنا ضرور ذکر کیا ہے کہ جنگ موتہ میں بھاگ نکلے تھے [۱]
ابو ہریرہ نے البتہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے جب علیؑ کو سورہ برائت لے کر
مکہ بھیجا تھا تو یہ بھی علی کے ساتھ تھے اور انھوں نے بروز حج ندا دی تھی یہاں تک
کہ اُن کی آواز بیٹھ گئی تھی، تبلیغ سورہ برائت کے متعلق ابو ہریرہ کی دو متناقض
حدیثیں ہیں دونوں کی دونوں پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں جیسا کہ آپ آگے چل کر
ملاحظہ فرمائیں گے۔ ابو ہریرہ نے اس کا بھی ایک طولانی حدیث [۲] میں دعویٰ کیا ہے
کہ پیغمبرؐ نے انھیں زکوٰۃ رمضان محفوظ رکھنے پر مامور کیا تھا جسے ہم عنقریب اباطیل
وجہلات کے سلسلہ میں ذکر کریں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) جناب جعفر نے کچھ دیر سوچا مگر انھیں گھر میں کوئی چیز نظر نہ آئی سوا گھی کی
ایک کُپّی کے انھوں نے اُسے اُتارا اور ہمارے سامنے اسے چاک کر دیا ہم لوگ گھی چاٹنے لگے اور
جعفر یہ شعر پڑھنے لگے ؎

ما کلف اللہ نفسا فوق طاقتھا   ولا تجود ید الا بما تجد

(خداوند عالم نے کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی اور کوئی ہاتھ وہی چیز بخش سکتا ہے
جو وہ پائے) [۳] ابو نعیم نے بھی حلیۃ الاولیا جلد ۱ ص ۱۱۷ بسلسلہ حالات جعفر اس حدیث کی
روایت کی ہے۔

[۱] مستدرک ج ۳ ص ۴۲ [۲] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۹ کتاب الوکالت

۴

ابوہریرہ، زمانۂ ابوبکر و عمر میں

ہم نے حضرت ابوبکر و عمر دونوں کے حالات تاریخ میں دیکھے اور کافی تلاش و جستجو کی مگر اُن کے زمانے میں بھی ابوہریرہ کی کوئی خاص بات لائق ذکر نہیں ملی۔ سوا اس کے کہ حضرت عمر نے ابوہریرہ کو ۲۱ھ میں بحرین کا حاکم[1] بنا کر بھیجا اور ۲۳ھ میں معزول کر کے اُن کی جگہ عثمان[2] بن ابی العاص ثقفی کو حاکم بنایا اور صرف معزول ہی نہیں کیا بلکہ اُن سے دس ہزار درہم یا دینار بھی چھین لیے اور بیت المال میں داخل کر دیے جس کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ ابوہریرہ نے اس کو مال خدا سے چرایا ہے۔ یہ مشہور واقعہ ہے اور ہر تاریخ و سیرۃ میں اس کا تذکرہ ہے عقد الفرید جلد اول کی عبارت یہاں ذکر کر دینی کافی ہوگی، علامہ ابن عبد ربہ حالات عمر میں لکھتے ہیں "پھر انھوں نے ابوہریرہ کو بلایا اور اُن سے کہا تم جانتے ہو کہ میں نے تمھیں بحرین کا حاکم بنایا جبکہ تمھارے پیروں میں جوتیاں بھی نہیں تھیں اور اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ایک ہزار دینار اور ۶۰۰ دینار کے گھوڑے خریدے ہیں۔ ابوہریرہ نے کہا ہمارے پاس چند گھوڑے تھے جن کی نسل بڑھی

---

[1] پیغمبر نے علاء ابن حضرمی کو بحرین کا حاکم بنا کر بھیجا تھا پیغمبر کے انتقال کے بعد ابوبکر و عمر نے بھی انھیں برقرار رکھا ۲۱ھ میں اُن کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ پر حضرت عمر نے ابوہریرہ کو مقرر کیا[2] تاریخ کامل وغیرہ واقعات ۲۳ھ

کچھ عطیے وصول ہوئے حضرت عمر نے فرمایا میں نے تمھارا حساب کر لیا ہے اتنے دن تم نے کام کیا اتنی تمھاری تنخواہ ہوئی ہے یہ دس ہزار تم نے فاضل لے لیے ہیں اس کو فوراً ادا کرو۔ ابوہریرہ نے کہا یہ ہمارا ذاتی مال ہے آپ نہیں لے سکتے۔ عمر نے کہا خدا کی قسم میں لے کے رہوں گا اور تمھاری پیٹھ بھی دکھاؤں گا پھر درّہ لے کر کھڑے ہو گئے اور اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا پھر کہا ابھی لاؤ۔ ابوہریرہ نے کہا اسے سمجھ لیجیے کہ خدا کے پاس ہے۔ عمر نے کہا یہ تو میں جب سمجھتا جب تم حلال ذریعہ سے حاصل کرتے اور خوشی خوشی حاضر کر دیتے، کیا تم بحرین کے آخری سرے سے اسی لیے آئے ہو کہ لوگوں سے خراج وصول کر کے اپنا گھر بھر لو نہ اللہ کو دو نہ مسلمانوں کو؟ تمھاری ماں امیمہ نے گدھے چرانے ہی کے لیے جنا ہے[۱]

ابن عبدربہ لکھتے ہیں کہ ابوہریرہ کی حدیث میں ہے جب مجھے عمر نے بحرین کی حکومت سے معزول کیا تو انھوں نے مجھ سے کہا "اے خدا اور کتاب خدا کے دشمن تم نے خدا کا مال چرایا ہے"۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں نہ خدا کا دشمن ہوں نہ کتاب خدا کا میں تو آپ کے دشمنوں کا دشمن ہوں میں نے خدا کا مال نہیں چرایا۔ حضرت عمر نے پوچھا پھر تمھارے پاس دس ہزار کہاں سے جمع ہو گئے؟ میں نے کہا کچھ گھوڑے میرے تھے جن کی نسل بڑھی، کچھ عطیے وصول ہوئے، کچھ ترکہ ملا۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ عمر نے میرا کوئی عذر نہیں سنا اور دسوں ہزار مجھ سے چھین لیے، دوسرا

---

[۱] حضرت عمر کے اصلی لفظیں یہ ہیں ما رجعت بك اميمة الا لرعية الحمر۔ رعی جمع گوبر اور فضلہ کو کہتے ہیں۔ حضرت عمر کا یہ فقرہ بدترین گالی ہے مطلب یہ ہے کہ تمھاری ماں اس پاخانہ کے مقام سے نہیں جنا ہے۔

نماز صبح سے فراغت کے بعد میں نے حضرت عمر کی خدمت میں جاکر اپنی خطاؤں پر معافی مانگی۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۴ پر بھی جہاں حضرت عمر کے کچھ حالات ذکر کیے ہیں اور ابن سعد نے طبقات جلد ۴ قسم ۲ صفحہ ۹ پر بسلسلہ حالات ابی ہریرہ بطریق محمد ابن سیرین ابو ہریرہ سے روایت کی ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے کہا اے دشمن خدا! دکتاب خدا کیا تم نے خدا کے مال میں چوری کی ہے؟ ابن حجر عسقلانی نے بھی اصابہ میں اس واقعہ کو حالات ابی ہریرہ میں ذکر کیا ہے مگر ابو ہریرہ کی جنبہ داری میں لفظیں گول مول لکھی ہیں اور جس بات پر تمام اہل علم متفق ہیں، اس کی مخالفت کی ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ ابو ہریرہ کی حمایت سے خلافت مآب عمر بن خطاب مورد الزام ٹھہرتے ہیں کہ انھوں نے کوڑوں سے لہولہان کردیا، سارا مال چھین لیا اور معزول بھی کردیا۔ اگر ابو ہریرہ نے غبن نہیں کیا تھا تو خلافت مآب نے ناحق ہی ان پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے۔

۵

ابو ہریرہ عہد عثمان میں

عہد عثمان میں ابو ہریرہ نے اولاد ابی العاص بلکہ تمام بنی امیہ کی دل سے ہوا خواہی کی، مروان کی ہمنشینی اختیار کی، آل ابو معیط کے مقرب خاص بنے، اب اُن کی شان و شوکت کا کیا ٹھکانا تھا، خصوصاً عثمان کے محاصرہ کے بعد تو ان کی مقبولیت اور بڑھ گئی، جب حضرت عثمان اپنے گھر میں محصور ہوئے تو یہ بھی اُن کے ساتھ تھے اس وجہ سے اُن کے دن ہی پلٹ گئے ذلت سے نکل کر بام عزت پر پہنچ گئے۔ جب مسلمانوں نے حضرت عثمان کا گھر گھیر لیا تو انھوں نے دیکھا کہ موقع غنیمت ہے یہ بھی اُن سے چپکے رہے

آل ابوالعاص اور دیگر بنی امیہ کی نگاہوں میں ابو ہریرہ کا عثمان کے ساتھ ساتھ محصور ہونا پڑا، غیر معمولی ایثار نظر آیا اور اس کے نتائج بڑے دور رس نکلے، اس کے صلہ میں بنی امیہ نے انھیں بڑی عزت بخشی خوب پروپیگنڈے کیے، کل تک جو قعر گمنامی میں پڑا ہوا تھا اب ہر اموی کی زبان پر اس کی مدح وثنا کے قصیدے تھے۔

اور قصہ یہ تھا کہ حضرت عثمان نے اپنے طرفداروں کو جنگ سے شدید ممانعت کر دی تھی ہر ایک کو تاکید تھی کہ ضبط سے کام لے، صرف اس لیے کہ اسی میں ان کا تحفظ تھا وہ جانتے تھے کہ اگر جنگ ہو گی تو ہلاکت کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ ہو گا، انھوں نے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان بچانے کے لیے جنگ سے ممانعت کر رکھی تھی، اور ابو ہریرہ جانتے تھے کہ طالبان انتقام صرف عثمان اور مروان کے خواہاں ہیں اوروں سے انھیں سروکار نہیں لہذا اس طرف عثمان کی ممانعت کہ تلوار نہ کھینچے ادھر طالبان انتقام کو صرف عثمان اور مروان سے غرض، اس سے بہتر موقع کیا تھا، رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی، موقع بہترین تھا اس سے فائدہ اٹھانا کفران نعمت تھا، ابو ہریرہ کی یہ چال چل گئی، پوری پوری کامیابی نصیب ہوئی، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی امیہ اور ان کے ہوا خواہ، ابو ہریرہ ہی کے ہو رہے، ابو ہریرہ ان کے پیر اور وہ ابو ہریرہ کے مرید۔

مریدوں نے پیر کی حدیثیں پھیلانے، ہر موقع پر ان کی بیان کردہ حدیثیں پیش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور پیر بھی ایسے نکلے کہ جیسی مریدوں کی خواہش ہوتی ویسی ہی حدیث رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے بیان کر دی۔

منجملہ ان احادیث کے جو انھوں نے اپنے ہوا خواہ بنی امیہ کی خواہش کے مطابق پیغمبر کی طرف منسوب کر کے روایت کیں چند حدیثیں بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

ان لکل نبی خلیلاً[۱] من امتہ وان خلیلی عثمان۔

ہر نبی کے لیے اس کی امت میں سے ایک خلیل (دوست) ہوا کیا اور میرے خلیل عثمان ہیں۔

سمعت رسول اللہ یقول عثمان حیی تستحیی[۲] منہ الملائکۃ۔

میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا کہ عثمان وہ حیا دار ہیں جن سے ملائکہ بھی شرماتے ہیں۔

لکل نبی رفیق فی الجنۃ[۳] ورفیقی فیہا عثمان۔

ہر نبی کے لیے جنت میں ایک رفیق ہوگا اور میرے رفیق جنت میں عثمان ہیں۔

اتانی جبرئیل فقال لی ان اللہ یامرک ان تزوج عثمان ام کلثوم علی مثل صداق رقیۃ[۴]۔

جبرئیل نے آکر کہا کہ خداوند عالم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ام کلثوم کا عقد عثمان سے اتنے ہی مہر پر کر دیں جتنا مہر رقیہ کا تھا۔

دخلت علی رقیۃ بنت رسول اللہ امرأۃ عثمان وبیدہا مشط فقالت خرج رسول اللہ من عندی آنفا رجلت شعرہ

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں رقیہ دختر پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا اُن کے ہاتھ میں کنگھی تھی رقیہ نے کہا ابھی ابھی پیغمبر میرے پاس سے تشریف لے گئے ہیں میں نے آپ کے بالوں میں

---

[۱] تمام اہل علم اس حدیث کے غلط و جعل ہونے پر متفق ہیں لیکن ابو ہریرہ کے طرفداروں نے اس کی ساری ذمہ داری اسحاق بن نجیح ملطی کے سر ڈال دی ہے جس نے ابو ہریرہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسلسلہ حالات اسحاق اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس کے باطل ہونے کی بھی صراحت کی ہے [۲] ابن کثیر کی بدایہ و نہایہ جلد ۷، ص ۲۰۳ [۳] یہ حدیث بھی بالاتفاق باطل ہے، دیکھو میزان الاعتدال علامہ ذہبی [۴] ابن مندہ نے نیز علامہ ابن حجر نے اصابہ میں اس حدیث کو غرائب میں شمار کیا ہے۔

فقال لی کیف تجد بن اباعبد اللہ (عثمان) قلت بخیر قال اکرمیہ فانہ من اشبہ اصحابی بی خلقا۔[1]	کنگھی کی ہے پیغمبرؐ نے مجھ سے دریافت کیا تم اپنے شوہر عثمان کو کیسا پاتی ہو میں نے جواب دیا اچھا ہی پاتی ہوں آپ نے فرمایا دیکھو عثمان کی عزت میں کمی نہ کرنا کہ یہ تمام اصحاب میں میرے عادات و خصائل میں مجھ سے مشابہ تر ہیں۔

---

[1] اسی وجہ سے امام حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۹۹ پر بسلسلہ فضائل عثمان ابوہریرہ سے روایت کرنے اس حدیث کو لکھا ہے، واجب تو یہ تھا کہ اسے فضائل علی میں ذکر کیا جاتا کیونکہ صرف علی ہی کے متعلق اس مضمون کی بے شمار حدیثیں پیغمبرؐ کی ملتی ہیں اور کسی کے متعلق نہیں پیغمبر کی حدیث ہے تکون بین الناس فرقۃ و اختلاف فیکون ھذا و اصحابہ علی الحق لوگوں میں اختلاف و افتراق واقع ہوگا اس وقت یہ اور ان کے اصحاب حق پر ہوا کریں گے، یہ کہہ کر آپ نے علی کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس حدیث کو طبرانی نے کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے، کنز العمال جلد ۶ میں بھی موجود ہے، نیز ارشاد پیغمبرؐ ہے ستکون بعدی فتنۃ فالزموا فیھا علی ابن ابی طالب فانہ اول من اٰمن بی و اول من یصافحنی یوم القیامۃ وھو الصدیق الاکبر وھو فاروق ھذہ الامۃ، عنقریب میرے بعد فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا اس فتنہ میں علی کا دامن پکڑے رہنا کیونکہ وہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے اور بروز قیامت سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے، یہی صدیق اکبر ہیں اور یہی اس امت کے فاروق ہیں ۔ اس حدیث کو ابو احمد اور ابن مندہ وغیرہ نے ابولیلی غفاری سے روایت کیا ہے۔ ابن عبد البر نے استیعاب میں اور ابن حجر نے اصابہ میں بسلسلہ حالات ابولیلی اس حدیث کو بھی درج کیا ہے نیز پیغمبرؐ کی یہ حدیث ہے یا عمار ان رایت علیا قد سلک وادیا وسلک الناس وادیا غیرہ فاسلک مع علی ودع الناس انہ لن یدلک علی ردی ولن یخرجک من الھدی۔ اے عمار اگر تم علی کو دیکھنا کہ اور راستہ پر جا رہے ہیں اور لوگ دوسرے راستہ پر تو تم علی کے ساتھ چلنا اور لوگوں کو چھوڑ دینا کہ علی تمھیں ہرگز ہلاکت کی راہ پر نہ لے چلیں گے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰)

ہرگز ہدایت سے باہر کریں گے، اس حدیث کو دیلمی نے عمار و ابوایوب ہر دو صحابی پیغمبر سے روایت کی ہے۔ کنز العمال جلد ۶ میں بھی موجود ہے۔ نیز پیغمبرؐ کا ارشاد ہے یا ابارافع سیکون بعدی قوم یقاتلون علیاً حق علی اللہ جہادھم اے ابورافع میرے بعد عنقریب ایک جماعت ظہور میں آئے گی جو علی سے جنگ کرے گی خدا پر فرض ہے کہ اُن لوگوں سے لڑے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں اس کی روایت کی ہے کنز العمال جلد ۶ میں بھی موجود ہے۔ اسی جیسی بیشمار احادیث پیغمبرؐ ہیں سب کو ذکر کرنے کی گنجائش نہیں۔ ایک حدیث اس اور ذکر کر دینا کافی ہوگا۔ ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ فاستشرف لھا القوم وفیھم ابوبکر و عمر فقال ابوبکر انا ھو قال لا قال عمر انا ھو قال لا ولکنہ خاصف النعل۔ تم میں ایک شخص ہے جو تاویل قرآن پر اسی طرح جنگ کرے گا جس طرح میں نے تنزیل قرآن کی بابت جنگ کی، اس پر لوگوں نے گردنیں اونچی کر کر کے دیکھنا شروع کیا انھیں میں ابوبکر بھی تھے عمر بھی، ابوبکر نے کہا وہ میں ہوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ عمر نے کہا میں ہوں یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ جوتیاں ٹانکنے والا ہے۔ حضرتؐ نے اپنی جوتیاں ٹانکنے کے لیے علیؑ کو دی تھیں اور وہ ٹانک رہے تھے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک ج ۳ صـ ۱۲۲ پر درج کیا ہے اور مسلم و بخاری کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے ذکر رکھا ہے۔ امام احمد نے مسند جلد ۳ صـ ۳۳ و صـ ۸۲ پر درج کیا ہے۔ ابونعیم نے حلیۃ الاولیا جلد ۱ صـ ۶۷ پر نقل کیا ہے۔ ابویعلی نے اپنی سنن میں سعید بن منصور نے اپنے سنن میں روایت کی ہے۔ کنز العمال جلد ۶ میں بھی موجود ہے، ناکثین و مارقین وقاسطین سے جنگ کرنے کے متعلق پیغمبرؐ کی بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں نیز پیغمبرؐ کا ارشاد کہ "میرے بعد فتنے اُٹھ کھڑے ہوں گے" حد تواتر تک پہنچا ہوا ہے اور معجزات و علامات نبوت میں سے ہے۔ یہ سب حدیثیں صریحاً علی کی پیروی واجب بتاتی ہیں لہذا ابوہریرہ کی حدیث جسے امام حاکم نے روایت کیا ہے وہ بھی منجملہ انھیں احادیث کے ہے اور درحقیقت امیرالمومنینؑ ہی کے متعلق ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کے علاوہ کسی کو بھی امیر کہا ہی نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ پر)

ابوہریرہ اکثر پیغمبرؐ کی حدیثوں میں ادل بدل بھی کر دیا کرتے کہیں کی کہیں چپکا دیتے چنانچہ پیغمبرؐ کی مسلم الثبوت صحیح ترین ایک حدیث ہے ستکون (بعدی) فتنة و اختلاف میرے بعد بڑا فتنہ اور بکھیڑا ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا تو ایسے موقع پر ہمیں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا علیکم بالامیر و اصحابه تم پہ امیر المومنین اور ان کے اصحاب کے ساتھ رہنا۔

لیکن ابوہریرہ نے آل ابی العاص، آل ابی معیط و آل ابی سفیان کی خوشنودی و تقرب کی خاطر بنی امیہ کی چاپلوسی میں اس حدیث کو ان سے یوں بیان کیا کہ "پیغمبرؐ نے اس موقع پر عثمان کی طرف اشارہ فرمایا کہ عثمان اور ان کے اصحاب کا دامن پکڑے رہنا"

ابوہریرہ کے اس احسان کو بنی امیہ نے برابر یاد رکھا جیسا کہ آپ آٹھویں فصل میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱)

اور علی کا نام ہو گیا تھا لفظ امیر، اس باب میں پیغمبرؐ کی صرف یہ حدیث کافی ہوگی پیغمبرؐ نے انس سے کہا تھا اول من یدخل علیك من هذا الباب امیر المومنین و سید الوصیین اس دروازے سے پہلا جو شخص آئے گا وہ امیر المومنین اور سید الوصیین ہوگا۔ ابونعیم اصبہانی نے اس حدیث کو حلیۃ الاولیا جلد اول میں بذیل ذکر امیر المومنین درج کیا ہے۔ پیغمبر خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ علی کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں جیسا کہ بطریق ائمہ طاہرینؑ ثابت ہے زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ۱۲

۶

ابوہریرہ عہدِ امیرالمومنینؑ میں

عہد امیرالمومنینؑ میں ابوہریرہ گوشۂ گمنامی و پردۂ خفا میں رہے، قریب تھا کہ اپنے پہلے حال پر پلٹ جائیں، مفلس و قلاش، ناقابل اعتنا، اہل دولت کے زلہ خوار و خدمت گذار جیسا کہ اسلام لانے سے پیشتر تھے، امیرالمومنینؑ کی نصرت سے کنارہ کشی کی اور آپ کے علم کے سایہ میں نہیں آئے بلکہ ان کا دلی میلان اور ساری ہمدردی و بہی خواہی دشمنان امیرالمومنینؑ کے لیے مخصوص تھی، معاویہ علیؑ سے برسرپیکار رہتے اور کوئی جائز وجہ علیؑ سے جنگ کرنے کی تھی نہیں یہ گرید ہر مسلمان کے دماغ میں تھی کہ آخر معاویہ علیؑ سے برسر جنگ کیوں ہیں، لہذا انھوں نے خون عثمان کے انتقام کا ڈھونگ رچایا کہ میں تو صرف عثمان کے خون کا بدلہ چاہتا ہوں، علیؑ قاتلان عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ میں انھیں عثمان کے بدلے میں قتل کر ڈالوں۔ اسی سلسلہ سے معاویہ نے ابوہریرہ اور نعمان بن بشیر کو کہ یہ دونوں معاویہ کے پاس شام میں تھے امیرالمومنینؑ کے پاس بھیجا کہ جا کر مطالبہ کریں کہ حضرت علیؑ قاتلین عثمان کو معاویہ کے حوالے کر دیں، چال یہ تھی کہ علی ایسا کریں گے نہیں، یہ دونوں جائیں گے علی انکار کریں گے، یہ علی کو برا کہتے ہوئے اور مجھے علی سے برسرپیکار ہونے میں حق پر قرار دیتے ہوئے واپس آئیں گے اور شام والوں کے سامنے علی کے خلاف دو مستند گواہ ہوں گے، شام والے جب پیغمبرؐ کے دو بوڑھے صحابیوں کو علیؑ کا مخالف پائیں گے تو میری جنگ کو جائز سمجھیں گے۔ معاویہ نے ابوہریرہ اور نعمان بن بشیر سے کہا کہ تم دونوں علی کے پاس جا کر انھیں خدا کی قسم دے کر کہو کہ وہ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالے کر دیں کہ

ابوہریرہ
وہی انھیں پناہ دیے ہوئے ہیں پھر ہم میں اُن میں کوئی جنگ نہ ہوگی، اگر علی انکار
کریں تو تم دونوں گواہ رہنا اور لوگوں کے سامنے اس کی گواہی دینا۔ یہ دونوں آکر
آپ کے پاس پہنچے، ابوہریرہ نے کہا "اے ابوالحسن خداوند عالم نے آپ کو اسلام
میں مخصوص فضل و شرف عنایت فرمایا ہے، آپ حضرت محمد مصطفیٰ کے بھائی ہیں،
معاویہ نے ہمیں آپ کے پاس ایک ایسے معاملہ کے لیے بھیجا ہے کہ اگر وہ طے
ہو جائے تو یہ جنگ رک جائے گی اور آپس میں صلح ہو جائے گی وہ معاملہ یہ ہے کہ آپ
عثمان کے قاتلوں کو معاویہ کے حوالے کر دیں تاکہ وہ عثمان کے عوض انھیں قتل کر ڈالیں
اور خداوند عالم آپ کو اور انھیں ایک کر دے اور صلح ہو جائے یہ امت فتنہ و پراگندگی
سے محفوظ رہے"۔ ابوہریرہ کے بعد نعمان نے بھی اسی قسم کی گفتگو کی، امیرالمومنینؑ نے
فرمایا اس مسئلے میں گفتگو رہنے دو! تم بتاؤ اے نعمان، کیا تم اپنی قوم یعنی انصار میں
سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ نعمان نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا تو تمھاری
پوری قوم نے میری اطاعت کی ہے شاذ و نادر تین چار شخصوں نے گریز کیا ہوگا کیا
تم بھی انھیں تین چار آدمیوں میں سے ہو؟ نعمان نے کہا "خدا حضور کا بھلا کرے
میں تو اس لیے آیا ہوں کہ آپ ہی کی خدمت میں رہوں اور آپ سے جدا نہ ہوں،
معاویہ نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ اُن کا یہ پیغام آپ کے پاس پہنچا دوں اور میری
تمنا تھی کہ آپ کی خدمت میں باریابی کا موقع ملے اور یہ لالچ بھی کہ آپ میں اور معاویہ
میں صلح ہو جائے لیکن اگر آپ کی رائے اس کے خلاف ہے تو میں آپ کا تابعدار
ہوں اور آپ ہی کی خدمت میں رہوں گا"۔

مورخین لکھتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ نے ابوہریرہ سے ایک لفظ تک نہ کہا
آپ اُن سے مخاطب ہی نہیں ہوئے وہ شام کو واپس گئے اور معاویہ کو جا کر سارا
حال سُنایا اور معاویہ نے انھیں حکم دیا کہ لوگوں کو یہ واقعہ بتائیں، ابوہریرہ نے

خواہش کے مطابق لوگوں کے سامنے یہ واقعہ دُہرایا اور معاویہ کو خوش
معاویہ کی خواہش کے مطابق لوگوں کے سامنے یہ واقعہ دہرایا اور معاویہ کو خوش کرنے کے سارے جتن کیے، نعمان کچھ دنوں تک تو حضرتؑ کے پاس رہا پھر بھاگ کر شام معاویہ کے پاس چلا گیا۔[1]

جب امیر المومنینؑ اور معاویہ کے درمیان جنگ نے شدت پکڑی تو ابو ہریرہ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ دل ہاتھوں سے جاتا رہا پیر سنبھلتے نہ تھے ابتداء جنگ میں انھیں یقین کامل تھا کہ فتح علی ہی کی ہوگی تو یہ گوشہ نشین ہوگئے اور پوشیدہ طریقے سے لوگوں کو حدیثیں سُنا سُنا کر امیر المومنینؑ کی نصرت سے روکتے۔ منجملہ ان حدیثوں کے ایک دن انھوں نے یہ حدیث بیان کی سمعت رسول اللہ یقول ستکون فتن القاعد فیھا خیر من القائم والقائم خیر من الماشی والماشی خیر من الساعی ومن وجد ملجأ او معاذا فلیعذ بہ۔ میں نے پیغمبر خدا کو

---

[1] ابراہیم بن ہلال ثقفی نے اپنی کتاب غارات میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ اور اس سے علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۲۱۳ میں نقل کیا امیر المومنین ابو ہریرہ کو خاطر میں نہ لائے نہ اُن کی کسی بات کا جواب دیا وہ اسی وجہ سے کہ آپ نے انھیں مُنہ لگانے کے قابل نہیں سمجھا، آپ بخوبی جانتے تھے کہ ابو ہریرہ معاویہ کے ہاتھوں بک چکے ہیں اُن سے کچھ کہنا سُننا بیکار ہے، معاویہ نے نعمان و ابو ہریرہ کو قاتلین عثمان کا مطالبہ کرنے کے لیے حضرت کے پاس جو بھیجا تو اس میں جو چال معاویہ نے چلی تھی وہ حضرت سے مخفی نہ رہ سکی، اسی لیے آپ نے ہاں یا نہیں کوئی جواب نہیں دیا بلکہ بات ہی دوسری چھیڑ دی، آپ کے اس طریقہ کار سے جو تدبر و سیاسی دور بینی نمایاں ہوتی ہے وہ کسی بافہم پر پوشیدہ نہیں ہے[2] امام احمد نے مسند جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ پر ابو ہریرہ کے احادیث کے سلسلہ میں یہ حدیث درج کی ہے، اس حدیث کا لغو و باطل ہونا اظہر من الشمس ہے کیونکہ ارشاد الٰہی ہے فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ باغی جماعت سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک کہ وہ اپنی بغاوت سے باز نہ آجائے۔

ارشاد فرماتے تھے کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے جس میں بیٹھا شخص کھڑے سے بہتر ہوگا اور کھڑا چلتے ہوئے سے اور چلتا ہوا دوڑتے ہوئے شخص سے بہتر ہوگا پس اگر کسی شخص کو پناہ مل سکے تو وہ پناہ گیر ہو جائے۔

یہی روش ابوہریرہ کی مدتوں رہی یہاں تک کہ خوارج نے امیر المومنینؑ کے خلاف بغاوت کردی اور خود عراق کے اندر جہاں امیر المومنینؑ کی حکومت تھی مسلمانوں میں پھوٹ پڑگئی۔ ادھر معاویہ کی طاقت بڑھتی جارہی تھی شام پر تسلط تھا ہی محمد ابن ابی بکر جو امیر المومنینؑ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے معاویہ نے کید و مکر سے انھیں زہر دے کر مار ڈالا اور اس طرح مصر پر بھی تسلط حاصل کرلیا۔ امیر المومنینؑ کے حدود مملکت میں لوٹ مار کا بازار گرم کردیا تین ہزار فوج کے ساتھ بسر بن ارطاۃ کو یمن و حجاز کی تاراجی کے لیے بھیجا جس نے ایک قیامت برپا کردی، بندگان خدا کے خون کی ندیاں بہادیں، گاؤں کے گاؤں پھونک ڈالے، عورتوں کی آبرو لوٹ لی مسلمانوں کے لڑکے لڑکیوں کو غلام و کنیز بنا ڈالا ظلم و ستم کے وہ پہاڑ ڈھائے کہ چنگیز و ہلاکو بھی شرم سے سر جھکالیں، اور اس طرح حجاز و یمن کو تہس نہس کرنے کے بعد بسر نے حجاز و یمن کے تمام مسلمانوں سے معاویہ کی بیعت لی [۱]۔

اس وقت ابوہریرہ نے اپنے نخل تمنا کو بارور ہوتے دیکھا، آپے میں نہ رہ سکے، دل کا چور ظاہر ہوگیا، مدتوں سے سینہ میں جس راز (بغض علی) کو چھپائے ہوئے تھے اسے بسر بن ارطاۃ پر ظاہر کیا۔ بسر نے ابوہریرہ کو بڑے کام کا آدمی پایا، محبت معاویہ

---

[۱] بسر کے مظالم کی خونچکاں داستان مفصل دیکھنی ہو تو ملاحظہ فرمائیے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱ ص۱۱۶ تا ص۱۲۱ نیز تاریخ طبری و تاریخ کامل وغیرہ، معاویہ کی یہ بداعمالیاں اسی طرح واضح ہیں جس طرح کربلا کا المیہ اور واقعہ حرہ یزید کی بداعمالیوں کے واضح ثبوت ہیں۔

بھرپور ابوہریرہ کے ذریعہ معاویہ کے لیے زمین ہموار کرنے ، لوگوں سے بیعت لینے میں بڑی مدد ملی اور اس کے صلہ میں بُسر واپسی کے وقت ابوہریرہ کو مدینہ کا حاکم مقرر کر گیا[1] اور لوگوں کو تاکید کی کہ ان کی اطاعت میں کمی نہ کریں ۔

کئی مہینہ ابوہریرہ نے حکومت کے مزے لوٹے اور مدینہ میں امامت کرتے اور شان افسری دکھاتے رہے یہاں تک کہ امیر المومنینؑ کی طرف سے دو ہزار سوار لے کر جاریہ بن قدامہ سعدی مدینہ پہنچے ۔ ابوہریرہ بھاگ نکلے ، جاریہ افسوس کرتے تھے کہ ابوہریرہ ملے نہیں ورنہ ان کی کبھی جان بخشی نہیں کرتا[2]

جاریہ ابھی حجاز ہی میں تھے کہ کوفہ میں امیر المومنینؑ کی شہادت کی خبر ملی ، انھوں نے تمام اہل مدینہ سے امام حسنؑ کی بیعت لی اور کوفہ پلٹ آئے ، جاریہ کے واپس جانے پر ابوہریرہ روپوشی سے باہر نکلے ۔ چھ مہینے کے بعد جب معاویہ کی حکومت ہوگئی تو پھر ابوہریرہ کے دن ہی پھر گئے ۔

ابوہریرہ عہد معاویہ میں

معاویہ کا زمانہ ابوہریرہ کے لیے بہار کا زمانہ تھا ، ساری تمنائیں بر آئیں اور شان و شوکت کے سارے خواب پورے ہوئے اسی وجہ سے بے شمار حدیثوں میں معاویہ کی خواہشیں مدنظر رہیں اور انھوں نے معاویہ کے فضائل میں عجیب و غریب حدیثیں لوگوں سے بیان کیں ، معاویہ کے زمانے میں جیسی جیسی ضرورت و مصلحت

---

[1] کتاب الغارات اور شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۰
[2] تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۵۳ ۱۲

مقتضی ہوتی گئی اور سیاسی چالبازیاں بنی ہاشم کو ستانے میں سوجھتی گئیں اسی حساب سے کثرت سے حدیثیں گڑھی جانے لگیں اور پیغمبرؐ پر خوب خوب تہمتیں باندھی گئیں جیسا کہ پیغمبرؐ پہلے ہی پیشین گوئی فرما گئے تھے۔ نت نئی عجیب و غریب باتیں تراشی گئیں اور ابوہریرہ اس معاملہ میں سب سے پیش پیش اور سب سے بڑھ کر تھے۔ چنانچہ انھوں نے لوگوں سے فضائل میں بکثرت غلط و مہمل حدیثیں بیان کیں چند حدیثیں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں۔

ابن عساکر، ابن عدی، محمد بن عائذ، محمد بن عبد سمرقندی، محمد بن مبارک صوری، خطیب بغدادی وغیرہ تمام محدثین نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے:

(۱) قال سمعت رسول الله یقول ان الله ائتمن علی وحیه ثلاثا انا وجبریل ومعاویه.	ابوہریرہ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سنا کہ خداوند عالم نے اپنی وحی پر تین فردوں کو امین بنایا ایک میں دوسرے جبرئیل تیسرے معاویہ۔

خطیب نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے

(۲) قال ناول النبی معاویة سهما فقال خذ هذا السهم حتی تاتانی به فی الجنة	پیغمبرؐ نے معاویہ کو ایک تیر دیا اور کہا اس تیر کو بہ احتیاط رکھنا یہاں تک کہ اس کے ساتھ تم مجھ سے جنت میں ملو۔

ابوالعباس ولید بن احمد زوزنی نے اپنی کتاب شجرۃ العقل میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

(۳) قال سمعت رسول الله یقول ان لابی بکر قبة من درة بیضاء فیها اربعة ابواب تخترقها	میں نے پیغمبرؐ کو کہتے سنا کہ ابوبکر کے لیے سپید موتیوں کا ایک گنبد ہوگا جس میں چار دروازے ہوں گے رحمت کے جھونکے اس میں چل رہے ہوں

رياح الرحمة ظاهرها عفرالله وباطنها رضوان الله كلما اشتاق الى الله انفتح له مصراع ينظر منه الى الله عزوجل

جس کا ظاہر خدا کا عفو اور جس کا باطن خدا کی خوشنودی ہوگی ابوبکر جب خدا کے دید کے مشتاق ہوں گے ایک پٹ کھل جائے گا اور وہ اس پٹ سے خدا کا دیدار کریں گے۔

ابن حبان بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۴) قال لما قدم رسول الله من الغار يريد المدينة اخذ ابوبكر بغرزته فقال الا ابشرك يااباابكر؟ ان الله يتجلى للخلائق يوم القيامة عامة ويتجلى لك خاصة۔

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ غار سے برآمد ہوئے اور مدینہ کو روانہ ہوئے ابوبکر نے آپ کی نعلین کا تسمہ درست کیا اس پر آں حضرتؐ نے فرمایا ابوبکر میں تمھیں خوشخبری سناؤں خداوند عالم بروز قیامت خلائق کیلئے عمومی حیثیت سے ظاہر ہوگا اور تمھیں مخصوص طریقہ پر اپنا جلوہ دکھائے گا۔

انھیں ابن حبان نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے یہ بھی روایت کی ہے۔

(۵) قال بينا جبرائيل مع النبي اذ مر بهما ابوبكر فقال جبرائيل هذا ابوبكر الصديق قال رسول الله اتعرفه يا جبرئيل قال نعم انه في السماء لاشهر منه في الارض وان الملائكة لتسميه حليم قريش وانه

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جبرئیل پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ادھر سے ابوبکر گذرے، جبرئیل نے انھیں دیکھ کر کہا یہ ابوبکر صدیق ہیں، آں حضرتؐ نے پوچھا تم انھیں پہچانتے ہو جبرئیل نے کہا ہاں خوب پہچانتا ہوں، یہ زمین سے زیادہ آسمان پر مشہور ہیں اور ملائکہ انھیں حلیم قریش کے نام سے پکارتے ہیں یہ آپ کی زندگی میں آپ کے وزیر

وزیرك فی حیاتك وخلیفتك بعد مماتك۔

اور آپ کے مرنے کے بعد آپ کے جانشین ہوں گے۔

خطیب بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۶) قال قال رسول اللہ تباشرت الملائکة یوم ولد ابوبکر الصدیق واطلع اللہ الی جنة عدن فقال وعزتی وجلالی لا ادخلها الا من احب هذا المولود۔

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا جس دن ابوبکر پیدا ہوئے اس دن ملائکہ نے خوشیاں منائیں اور خداوند عالم نے جنت عدن کی طرف نظر کی اور ارشاد فرمایا قسم ہے اپنے عزت وجلال کی میں جنت میں بس اسی کو جانے دوں گا جو اس مولود (ابوبکر) کو دوست رکھے گا۔

ابن عدی بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں:

(۷) قال سمعت رسول اللہ یقول عرج بی الی السماء فما مررت بسماء الا وجدت مکتوبا فیها محمد رسول اللہ وابوبکر الصدیق[1]

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا کہ شب معراج میں آسمان کی طرف لے جایا گیا میں کسی آسمان سے نہیں گذرا مگر ہر ایک میں نے یہ لکھا ہوا دیکھا محمد رسول اللہ ہیں اور ابوبکر صدیق۔

ابوالفرج ابن جوزی بہ سلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۸) قال حدثنی رسول اللہ بان الجنة والنار تفاخرتا فقالت النار للجنة انا اعظم

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ مجھ سے پیغمبر نے یہ حدیث ارشاد فرمائی کہ جنت وجہنم نے آپس میں فخر ومباہات کی جہنم نے جنت سے کہا

---

[1] تاریخ بغداد خطیب بغدادی جلد ۵ صفحہ ۴۴۵

سك قد س الان فی الفراعنة والجبابرة والملوك وابناءهم فاوحی الله الی الجنة ان قولی بل لی الفضل اذ زینینی الله لابی بکر۔

میں تجھ سے بلند مرتبہ ہوں کیونکہ مجھ میں بڑے بڑے فرعون، جابر و سرکش انسان شاہان دنیا اور اُن کی اولاد ہیں اس پر خداوند عالم نے جنت پر وحی فرمائی کہ تو جواب دے دے کہ فضیلت مجھی کو حاصل ہے خداوند عالم نے مجھے ابوبکر کے لیے سنوارا ہے۔

خطیب بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے ناقل ہیں۔

(۹) قال خرج النبی متکئا علی علی ابن ابی طالب فاستقبله ابوبکر و عمر فقال یا علی اتحب هذین الشیخین قال نعم قال احببهما تدخل الجنة۔

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ پیغمبر ایک مرتبہ علی ابن ابی طالب کا سہارا لیے برآمد ہوے سامنے سے ابوبکر و عمر آگئے آپ نے فرمایا اے علی کیا تم ان دونوں بوڑھوں کو دوست رکھتے ہو؟ علی نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں انھیں ضرور دوست رکھنا تاکہ داخل جنت ہو۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور ابن شاہین نے اپنے سنن میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

(۱۰) قال سمعت رسول الله یقول ان فی السماء الدنیا ثمانین الف ملك یستغفرون لمن احب ابا بکر و عمر و فی السماء الثانیة ثمانین الف ملك

میں نے رسول اللہ کو ارشاد فرماتے سنا کہ نچلے آسمان پر ۸۰ ہزار فرشتے ہیں جو دوستداران ابوبکر و عمر کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اس سے اوپر والے آسمان میں ۸۰ ہزار فرشتے ہیں جو اُن لوگوں پر لعنت کیا کرتے ہیں

یلعنون من البغض ابابکر و عمر	جو ابو بکر و عمر سے بغض رکھتے ہیں۔

یہ ساری حدیثیں باتفاق لغو و مہمل ہیں اور جملہ علماء و محدثین بیک زبان انھیں باطل قرار دیتے ہیں اور جن جن لوگوں نے ان حدیثوں کو ذکر کیا ہے انھوں نے ان کے باطل ہونے کی بھی صراحت کی ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب لئالی مصنوعہ میں ان تمام احادیث کو بسلسلہ اسناد و متون احادیث سمیت ذکر کیا ہے، البتہ ان لوگوں نے ابو ہریرہ کی یہ طرفداری کی ہے کہ ابو ہریرہ کے سر سے الزام ہٹا کر ان راویوں کے سر ڈال دیا ہے جنھوں نے ان احادیث کو ابو ہریرہ سے سنا اور ابو ہریرہ سے روایت کی، ابو ہریرہ کو قصوروار قرار دیتے بھی کیونکر اس لیے کہ ان لوگوں کا تو عقیدہ ہے کہ جس نے بھی پیغمبر کی زیارت کر لی وہ عادل ہے اس سے قولاً و فعلاً کوئی غلطی سرزد ہو ہی نہیں سکتی لہذا ابو ہریرہ تو غلط بیان کر نہیں سکتے غلط ان لوگوں نے بیان کیا جنھوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی۔

اسی طرح جتنی حدیثیں ابو ہریرہ سے اس قسم کی مہمل و لغو وارد ہوئی ہیں جن کے معنی و مطلب میں علمائے اہلسنت عاجز ہوے اور کوئی بات بنائے ان نہ بن سکی ان سب میں اسی قسم کی توجیہیں کی گئی ہیں۔

مثلاً ابو ہریرہ کی یہ حدیث:-

سمعت رسول اللہ یقول هذا جبرئیل یخبرنی عن اللہ ما احب ابابکر و عمر الا مومن تقی ولا ابغضهما الا منافق شقی۔[1]	میں نے پیغمبر خدا کو ارشاد فرماتے سنا کہ یہ جبرئیل ہیں جو خداوند عالم کی جانب سے مجھے خبر دیتے ہیں کہ ابو بکر و عمر کو نیکو کار مومن ہی دوست رکھیں گے اور منافق و بدبخت ہی دشمن رکھیں گے۔

[1] یہ حدیث اُن حدیثوں میں شمار کی جاتی ہے جو باتفاق اہل علم غلط و باطل ہیں۔

نیز قال رسول اللہ خلقنی اللہ من نورہ وخلق ابابکر من نوری وخلق عمر من نور ابی بکر و خلق امتی من نور عمر و عمر سراج اہل الجنۃ[1] ۔

ارشاد فرمایا پیغمبرؐ نے کہ خداوند عالم نے مجھے اپنے نور سے خلق کیا اور ابوبکر کو میرے نور سے اور ابوبکر کے نور سے عمر کو پیدا کیا اور عمر کے نور سے میری ساری امت کو پیدا کیا اور عمر جنت والوں کے چراغ ہیں ۔

نیز سمعت رسول اللہ یقول ابوبکر و عمر خیر الاولین والاخرین[2] ۔

میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا کہ عمر و ابوبکر اولین و آخرین سب میں بہتر ہیں ۔

نیز ان النبی کان یقول اصحابی کالنجوم من اقتدی بشی منہا اہتدی[3] ۔

ارشاد فرمایا پیغمبرؐ نے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس نے کسی بات میں بھی ان کی پیروی کی اس نے ہدایت پائی ۔

نیز قال رسول اللہ انزل فی الانجیل نعتی و نعت اصحابی

پیغمبرؐ نے فرمایا انجیل میں ہماری اور ہمارے اصحاب ابوبکر و عمر و عثمان و علی کی مدح میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲) علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسلسلہ حالات ابراہیم بن مالک انصاری اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کے غلط و باطل ہونے کی صراحت کی ہے ۔

[1] یہ حدیث بھی بالاتفاق باطل ہے علامہ ذہبی نے بسلسلہ حالات احمد سمرقندی اس حدیث کو درج کر کے اس کے باطل ہونے کی وضاحت کی ہے [2] یہ حدیث بھی بالاتفاق باطل ہے علامہ ذہبی نے جبرون بن واقد افریقی کے حالات میں اس حدیث کو نقل کر کے اس کے بطلان کی صراحت کی ہے [3] علامہ ذہبی نے جعفر بن عبد الواحد قاضی کے حالات میں میزان الاعتدال کے اندر اس حدیث کو نقل کر کے اس کو لغو و مہمل بتایا ہے ۔

ابی بکر و عمر و عثمان و علی کہا گیا ہے کوزساع اخرج
کوزساع اخرج شطاہ[1] الایہ

اسی طرح کی بہت سی من گھڑت حدیثیں ابوہریرہ کی ہیں بے شمار ان گنت
صحیح بخاری و مسلم تک میں اسی طرز و نوعیت کی بکثرت حدیثیں ہیں جسے آپ
گیارھویں فصل میں ملاحظہ فرمائیں گے

۸

ابوہریرہ پر بنی امیہ کے احسانات

ابوہریرہ پر بنی امیہ کے احسانات کا اندازہ اس وقت بخوبی ہوسکتا ہے کہ
جب ابوہریرہ کے ماضی و مستقبل دونوں کا ساتھ ساتھ جائزہ لیا جائے۔ بنی امیہ
حکومت سے قبل اُن کی کیا حالت تھی اور حکومت کے زمانے میں کیا شان تھی۔ پہلے
ذلیل و خوار، بدن پر چیتھڑے لگائے، کمبل میں جوئیں[2] بھری ہوئیں۔ اور دور اموی
میں عالم یہ کہ بلندیٔ منزلت انتہائی نقطۂ عروج پر، امویین نے انھیں زمین سے
آسمان پر پہنچا دیا، گوشۂ گمنامی سے نکال کر بام شہرت پر لا بٹھایا۔ حریر و ریشم[3] کی ردائیں

---

[1] علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسلسلہ حالات محمد بن موسیٰ بن عطار دمیاطی اس حدیث کو
درج کرکے لغو و مہمل قرار دیا ہے مگر جمہور اہلسنت نے ابوہریرہ کو بچاتے ہوئے راویوں کے سر
الزام رکھ دیا ہے [2] خود ابوہریرہ کی لفظیں ہیں فنزعت غمرۃ علی ظہری فبسطتہ
بینی و بینہ حتی کانی انظر الی القمل یدب علیہا، میں نے اپنی پیٹھ سے
کمبل اُتارا اور اپنے اور رسول کے درمیان بچھا دیا جس پہ جوئیں چل رہی تھیں (حلیۃ الاولیاء)
[3] علامہ ابن سعد نے ابوہریرہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ ریشم کا لباس پہنتے تھے۔

خز و دیباج[1] کے لباس پہنائے۔ رہنے کو محل[2] دیے، اپنے انعام و اکرام سے مالامال کیا نعمتوں کے ہار گردن میں پہنائے، خوب خوب بروپاگنڈے کیے اور فضل و شرف کے ڈھنڈورے پیٹے اور مدینۂ نبوی[3] کا حاکم مقرر کر دیا۔

سرہ بنت غزوان جو عتبہ ابن غزوان[4] ایک امیر کبیر کی بہن تھیں جن کی برابری کا تصور بھی ابوہریرہ کے دماغ میں آنا ممکن نہ تھا جس کا خواب بھی ابوہریرہ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، پیٹ بھر کھانے کے عوض جس کی نوکری کرتے تھے اور ننگے پیر خدمت میں حاضر رہتے تھے بنی امیہ نے ان کی گورنری مدینہ کے زمانہ میں اسی سرہ سے ابوہریرہ کی تزویج کر دی۔

مضارب بن جزء[5] بیان کرتا ہے کہ میں رات میں ایک مرتبہ گھوم رہا تھا کہ دفعۃً ایک شخص کے تکبیر بلند کرنے کی آواز کان میں آئی۔ میں آواز پر چلا دیکھا کہ ابوہریرہ ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا؟ یہ بے وقت تکبیر کیسی؟ ابوہریرہ نے کہا میں خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ میں پہلے سرہ بنت غزوان کا نوکر تھا پیٹ بھر کھانے کے عوض

---

[1] امام بخاری نے صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۴۱ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ابوہریرہ کے پاس تھے اُن کے جسم پر کتان کے دو کپڑے تھے [2] آخر عمر تک اسی قصر میں رہے اور اسی میں مرے، جیسا کہ اصابہ، معارف، طبقات ابن سعد میں بسلسلہ حالات ابوہریرہ مذکور ہے [3] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۴۳۰ معارف میں قتیبہ، شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۹

[4] انھیں عتبہ کو حضرت عمر نے محاذ جنگ کا افسر مقرر کیا تھا اور انھوں نے بصرہ آباد کیا اور اس کے حاکم رہے، بہت سی لڑائیاں فتح کیں، مشہور صحابی اور نامور بہادر ہیں، خلافت عمر میں انتقال کیا، ابوہریرہ نے ان کے مرنے کے بہت دنوں بعد ان کی بہن سے عقد کیا، ابن حجر نے اصابہ میں سرہ کا صحابیہ قسم اول میں ذکر کیا ہے اور ابوہریرہ کا قصہ بھی لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ سرہ نے بعہد پیغمبر ابوہریرہ کو مزدوری پر نوکر رکھا تھا عہد معاویہ میں جبکہ مروان نے اپنی جگہ مدینہ کا حاکم انھیں بنایا تو انھوں نے سرہ سے شادی کر لی [5] اصابہ حالات ابوہریرہ

دن رات خدمت کیا کرتا تھا، سرہ اور اس کے گھر والے جب سفر میں جاتے تو میں پیدل ناقہ کی مہار تھامے چلتا اور جب وہ کہیں ٹھہرتے تو میں اُن کی خدمت بجا لاتا، اور اب میں نے اسے بیوی بنا لیا ہے، آج میں سوار ہو کر چلتا ہوں، جب ٹھہرتا ہوں تو سرہ میری خدمت کرتی ہے۔ ابوہریرہ نے یہ بھی کہا کہ سرہ جب کسی جگہ قیام کرتی تو مجھے حکم دیتی کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہ چلوں گی جب تک تم گھی میں گوندھ کر ستو میرے لیے تیار نہ کرو، اور اب میں جب کہیں ٹھہرتا ہوں تو وہی کام اس سے لیتا ہوں۔[1]

ابوہریرہ جبکہ وہ مدینہ کے حاکم تھے اکثر کہا کرتے، میں یتیم پلا، فقر و فاقہ کے عالم میں ہجرت کی، پہلے میں پیٹ بھر کھانے کے عوض سرہ بنت غزوان کی نوکری کرتا تھا، وہ اور اس کے گھر والے جب کہیں رہتے تو میں خدمت بجا لاتا اور جب کہیں سفر میں جاتے تو شتربانی کرتا، اب خدا نے سرہ کو میری بیوی بنا دیا، خدا کا شکر جس نے دین اسلام کی وجہ سے سب کو ایک دوسرے کے برابر کر دیا اور ابوہریرہ کو امام بنایا۔[2]

ایک مرتبہ کہا۔ میں نے دختر غزوان کی پیٹ بھر کھانے کے عوض نوکری کی وہ مجھے مجبور کرتی تھی کہ میں گھوڑا سوار ہوا کروں اور ننگے پیر رہا کروں، اب جبکہ خدا نے میرے حبالہ زوجیت میں سرہ کو لا ڈالا ہے تو میں بھی انھیں باتوں پر اسے مجبور کرتا ہوں۔[3]

ایک دن ابوہریرہ نے نماز پڑھائی جب سلام سے فارغ ہوئے تو بلند آواز سے کہا الحمد للہ الذی جعل الدین قواما وجعل ابوھریرۃ اماما بعد ان کان اجیرا لابنۃ غزوان علی شبع بطنہ وحمولۃ رحلہ خدا کا شکر کہ اس نے دین کے ذریعہ سب کو برابر کیا اور ابوہریرہ کو امام بنایا!

---

[1] اصابہ [2] طبقات ابن سعد ج ۴ قسم ۲ ص ۵۳ حالات ابوہریرہ [3] طبقات ج ۴ ص ۵۳

اس کے کہ وہ دختر غزوان کا نوکر تھا پیٹ بھر کھانے کے عوض جس کے پیر دن
میں جوتیاں تک نہ تھیں [1]۔

ایک مرتبہ حکومت مدینہ کے دنوں میں منبر رسول پر کھڑے ہو کر کہا خدا کا شکر
جس نے مجھے غذا کھلائی۔ ریشمی لباس پہنایا۔ دختر غزوان سے مجھے بیاہا بعد اس کے
کہ میں پیٹ بھر کھانے کے عوض اس کی نوکری کرتا تھا اس نے مجھ سے خوب
خدمتیں لیں، اب میں بدلہ چکا رہا ہوں [2]

۹

ان احسانات پر ابوہریرہ کی شکر گذاری

بنوامیہ نے اپنے احسانات سے ابوہریرہ کو بندۂ بے دام بنا لیا، ان کے
ہوش وحواس، عقل وخرد خرید لیے، گوش وچشم کے مالک ہو گئے، لہذا جب اور
جیسی ضرورت اُن کی مقتضی ہوئی اسی کے مطابق ابوہریرہ کے لب و زبان نے جنبش
کی، اگر ضرورت اس کی پیش آئی کہ بنوامیہ کے فضائل بیان کیے جائیں تو نت نئی
حدیثیں پیغمبر کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیں جیسا کہ آپ فصل پنجم و ہفتم میں
بطور نمونہ چند حدیثیں ملاحظہ فرما چکے ہیں، اور اگر ضرورت پیش آئی کہ حضرت ابوبکر
و عمر کی شان میں حدیثیں پیش کی جائیں تو ویسی حدیثیں سنا دیں کیونکہ معاویہ اور
بنی امیہ کی سیاسی بازیگری اور شاطرانہ چالیں تو اُسی وقت کامیاب ہو سکتی تھیں
ان کے خیال کے مطابق جبکہ ابوبکر و عمر کو علی سے افضل ثابت کر دکھایا جائے، اور
اس کے لیے ابوہریرہ بے حد کارآمد ذریعہ تھے، انھوں نے ابوبکر و عمر کے فضائل میں

---

[1] حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۳۷۹ [2] حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۳۸۴

نادر سے نادر حدیثیں اختراع کیں جیسا کہ ہم نے چند حدیثیں ساتویں فصل میں درج کی ہیں، اور جو حدیثیں ہم نے ابھی نہیں بیان کیں ان میں مثالاً ایک تو وہ حدیث دیکھنے کے قابل ہے جس میں ابوہریرہ نے بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے سورہ برات کی تبلیغ کے موقع پر ابوبکر کو علیؑ کا حاکم مقرر کیا تھا ۹ہجری میں" دوسرے حضرت عمر کے متعلق ان کی وہ حدیث جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر وہ محدث تھے جن سے ملائکہ گفتگو کیا کرتے تھے[1]

بنی ہاشم کو ستانے اور زچ کرنے کے لیے بنی امیہ کی جو پالیسی تھی اس کا تقاضا تھا کہ ان دونوں حدیثوں کو اچھی طرح پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا جائے اور اشاعت و اعلان میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے، اپنی طاقت وصلاحیت بھر وہ اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے، ان دونوں حدیثوں کا کافی ڈھنڈورا بھی پیٹا گیا یہاں تک کہ صحاح ستہ تک میں یہ دونوں حدیثیں درج ہو گئیں، عنقریب آپ گیارھویں فصل میں اس پر ہمارا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

اور اگر کبھی اموی سیاست ضرورتمند ہوئی تو انھوں نے فضائل امیر المومنینؑ کے توڑ میں حدیثیں ایجاد کیں مثلاً

سمعت رسول الله يقول لم تحبس الشمس او ترد لاحد الا ليوشع بن نون ليالي سار الى بيت المقدس۔	میں نے پیغمبر خدا کو ارشاد فرماتے سنا کہ آفتاب نہ کسی کے لیے ٹھہرا نہ کسی کے لیے پلٹا سوا یوشع بن نون وصی جناب موسیٰ کے کہ جب وہ بیت المقدس کو جا رہے تھے تو صرف اُن کے لیے وہ پلٹا۔

اور جیسے واقعہ دعوت عشیرہ کے متعلق انھوں نے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ پر جب آیت وانذر عشیرتك الاقربين نازل ہوئی تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا

[1] تاریخ خطیب بغدادی جلد ، صـ ۳۵ اور جلد ۹ صـ ۹۹

بامعش قریش الخ اس موقع پر اور جو کچھ ہوا اور پیغمبرؐ نے امیر المومنینؑ کی وصایت وخلافت کے متعلق جو کچھ اعلان کیا وہ سب صاف اڑا گئے۔

اور جیسے ان کی حدیث قال لا یقتسم ورانتی ما ترکت میں جو کچھ اپنے بعد چھوڑوں گا وہ میرے ورثہ آپس میں تقسیم نہ کریں گے۔

اور جیسے ان کی حدیث جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے ارشاد فرمایا کہ آپ لا الہ الا اللہ کہیے مگر انھوں نے قریش کی وجہ سے نہیں کہا اس پر آیت نازل ہوئی انک لا تھدی من احببت۔ اے رسول آپ جسے چاہتے ہیں اس کی ہدایت نہیں کرسکتے خدا ہی جس کی چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

اسی قسم کی بکثرت من گڑھت حدیثیں ہیں جو ابوہریرہ نے محض امیر المومنینؑ اور اہلبیت پیغمبرؐ کی ایذا رسانی، ستانے اور چڑھانے کے لیے لوگوں میں پھیلائیں۔

امام ابوجعفر اسکافی[1] لکھتے ہیں کہ معاویہ نے صحابہ اور تابعین کی ایک اچھی خاصی تعداد کو ہموار کرلیا تھا کہ وہ امیر المومنینؑ کے متعلق رکیک و قبیح حدیثیں روایت کریں جن سے حضرت امیر المنین کی ذات داغدار ہوجائے اور لوگوں کو حضرت سے بیزاری ہو اور اس پر بڑے بڑے صلے اور گرانقدر انعامات وعطایا مقرر کیے تاکہ ہر شخص اس کی طمع میں ایسا ہی کرے چنانچہ بکثرت لوگوں نے معاویہ کی خواہشوں کے مطابق ایسی حدیثیں گڑھیں، جن میں ابوہریرہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور تابعین سے عروہ بن زبیر وغیرہ سب سے پیش پیش تھے۔ یہی علامہ اسکافی لکھتے ہیں کہ جب ابوہریرہ معاویہ کے ہمراہ عراق آئے تو مسجد کوفہ میں پہنچے جب ان کی نظر اس ہجوم پر پڑی جو ان کے استقبال میں اکٹھا ہوا تھا تو وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور اپنی کھوپڑی پر کئی مرتبہ

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۳۵۸

دو ہتڑ مارے[1] اور کہا اے عراق والو، کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ میں (جھوٹی حدیثیں بیان کرکے) خدا و رسول پر تہمت لگاتا ہوں اور اپنے کو جہنم میں جلاؤں گا۔ خدا کی قسم میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ان لکل نبی حرما وان المدینۃ حرمی فمن احدث فیھا حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ہر نبی کی ایک محترم جگہ ہوتی ہے اور میری جائے محترم مدینہ ہے جو شخص اس میں کوئی خرابی واقع کرے گا اس پر خدا و ملائکہ اور تمام بنی نوع انسان کی لعنت ہو، اس کے بعد ابوہریرہ نے کہا اور میں خدا کو شاہد قرار دے کر کہتا ہوں کہ علی نے اس مدینہ میں خرابی واقع کی ہے۔

جب معاویہ کو ابوہریرہ کے اس کارنامہ کی خبر پہنچی تو اپنی داد و دہش، صلہ انعام کی بارشیں ان پر کر ڈالیں اور مدینہ کی حکومت پر فائز کر دیا۔

اور کبھی ایسی حدیثیں گڑھ کر پیش کرتے جن میں بنی امیہ کے اُن منافقین کی حمایت و مدافعت ہوتی جن پر بارہا پیغمبرؐ نام لے لے کے لعنت، اور اُن کی ذلت و رسوائی پر مہر فرما چکے تھے تاکہ دین ان کے نفاق سے محفوظ اور اُمتِ اسلام اُن کی مفسدہ پردازیوں سے بے خطر رہے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۳۵۹[2] سفیان ثوری نے روایت کی ہے کہ ابوہریرہ جب معاویہ کے ساتھ کوفہ آئے، تو وہ ہر شام باب کندہ پر بیٹھا کرتے تھے لوگ بھی ان کے پاس آکر بیٹھتے ایک دن ایک نوجوان کوفہ کا غالباً اصبغ بن نباتہ اُن کے پاس آکر بیٹھا اور اس نے کہا اے ابوہریرہ میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے پیغمبرؐ کو علیؑ کے متعلق یہ ارشاد فرماتے سنا اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ خداوندا تو دوست رکھ اسے جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسے جو علی کو دشمن رکھے، ابوہریرہ نے کہا ہاں، ضرور پیغمبرؐ کا یہ ارشاد ہے۔ اس پر اصبغ نے کہا تو میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ تم نے علی کے دشمن کو دوست رکھا اور اُن کے دوست کو دشمن رکھا، یہ کہا اور اُٹھ کر چلے آئے ۱۲

مگر ابوہریرہ، مروان، معاویہ اور ہوا خواہانِ معاویہ کی چاپلوسی میں حد سے گذر گئے چنانچہ انھوں نے حدیث بیان کی:-

سمعت رسول اللہ یقول اللھم انما محمد بشر یغضب کما یغضب البشر فایما مومن اذیتہ اوسببتہ اوجلدتہ فاجعل ذالک کفارۃ لہ وقربۃ تقربہ بھا الیک یوم القیامۃ۔

میں نے پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سُنا کہ بار الہٰا محمد انسان ہے، جس طرح انسان کو غصہ آتا ہے محمد کو بھی آتا ہے لہذا جس مومن کو میں نے غصہ میں اذیت پہنچائی ہو یا گالی دی ہو یا سزا کی ہو اس مومن کے لیے میرے اس فعل کو کفارہ اور اپنی خوشنودی و تقرب کا ذریعہ قرار دے جس کے ذریعہ بروز قیامت تو اسے اپنے سے قریب کرے۔

مروان اور اولاد مروان نے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی کہ زیادہ سے زیادہ طریقوں سے یہ حدیث شایع ہو، بکثرت سندوں سے اس کی روایت کی جائے، اور ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصحاب صحاح ستہ اور جملہ ارباب سنن و مسانید نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

ابوہریرہ کی منزلت بڑھانے، سب سے بڑا حافظ حدیث قرار دینے، حفظ و ضبط، زہد و ورع میں سب پر فوقیت دینے میں مروان و بنی مروان نے بڑی بڑی تدبیریں کیں جن کا اثر آج تک ظاہر ہو رہا ہے، چنانچہ منجملہ انھیں تدبیروں کے یہ ہے کہ مروان لوگوں سے بیان کیا کرتا کہ میں نے اپنے کاتب کو ایک مرتبہ ایک مخفی جگہ بٹھایا جہاں کوئی اسے دیکھ نہ سکے پھر ابوہریرہ کو بلایا اور ان سے بہت سے سوالات کیے اور ابوہریرہ ہر سوال کے جواب میں پیغمبرؐ کی حدیث بیان کرتے گئے اور میرا کاتب جس کا نام زعزعۃ تھا ہر حدیث کو لکھتا جاتا تھا کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چلا اور اس نے تمام حدیثیں نوٹ کر لیں۔ پھر میں نے ایک پورے سال کا وقفہ

دے کر پھر ایسا ہی کیا، ابو ہریرہ کو بلایا اور وہی سوالات دوبارہ اُن سے کیے اور ابو ہریرہ نے بعینہ وہی جوابات دیے جو وہ ایک سال قبل بیان کر چکے تھے نہ ایک حرف زیادہ کیا نہ کم۔

ابو ہریرہ کی عظمت وجلالت کے لیے مروان نے یہ ہَوا باندھی اور اس سپید جھوٹ کو اس نے اور اس کے کاتب نے شام کے جاہلوں میں خوب شہرت دی اور اس تدبیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہرت ہو بھی گئی یہاں تک کہ امام حاکم بھی مستدرک ج ۳ صفحہ ۵۱۰ میں بسلسلہ حالات ابی ہریرہ اس واقعہ کو درج کر گئے[1]۔

ایک اور زبردست چال مروان نے ابو ہریرہ کی عظمت و جلالت کا سکہ بٹھانے کے لیے یہ چلی کہ جب امام حسنؑ کا انتقال ہوا اور بنی ہاشم آپ کا جنازہ دفن کرنے کے لیے قبر رسولؐ کے پاس لائے اور مروان اپنی جمعیت لے کر مزاحم ہوا تو اس نے ابو ہریرہ کو سکھایا کہ دیکھو جب میں اپنی جمعیت لے کر مزاحمت کے ارادے سے آؤں تو تم میرے مقابل آنا اور علانیہ مجھے بُرا بھلا کہنا۔ عوام الناس کو اس فریب میں مبتلا کرنے کے لیے کہ ابو ہریرہ بھی ابو بکر و عمر جیسے ہیں جو خدا و رسول کے معاملہ میں کسی سے دبنے والے نہیں نہ کسی قوت وسطوت سے مرعوب ہونے والے ہیں چنانچہ جب ابو ہریرہ مروان کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو مروان نے دکھاوے کے طور پر بیحد طیش دکھلایا اور دونوں کے درمیان خوب مصنوعی دھینگا مشتی ہوئی اور ابو ہریرہ نے بڑے کلے جبڑے کے ساتھ مروان کو قائل کرنا شروع کیا کہ میں ایسا اور میں ویسا، مجھے پیغمبرؐ سے وہ منزلت حاصل ہے جو خاص خاص اصحاب کو بھی حاصل نہیں اور میں پیغمبرؐ کی حدیثوں کا ایسا حافظ ہوں کہ سابقین اولین عمر و عثمان علی طلحہ و زبیر وغیرہ بھی میری برابری نہیں کر سکتے۔ اسی طرح

---

[1] ابن سعد نے اس واقعہ کو لکھا ہے اور اس سے ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا عنقریب ہم اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے ۱۲

ابوہریرہ نے وہ تمام فضائل اپنے لیے بیان کیے جن سے انتہائی عظمت و جلالت اور قربت پیغمبر کا اظہار ہوتا تھا اور اس بناوٹی جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مردان نے ابوہریرہ کی ساری لن ترانیاں تسلیم کر لیں، احادیث پیغمبر میں اُن کے علم و مرتبہ کا اقرار کر کے سر جھکا لیا۔ چال یہ تھی کہ مردان کے سر جھکانے اور عظمت و جلالت ابوہریرہ ان لینے سے عوام یہ سمجھیں کہ واقعاً ابوہریرہ ہیں بھی ایسے ہی صاحب فضیلت بزرگ، اور اس طرح ان کی فضیلت کا مظاہرہ کر کے اُن کی من گھڑت حدیثوں کے ذریعہ علی و اولاد علی کو خوب ذلیل و خوار کیا جائے۔

یہ چال بنی امیہ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے بڑی کارگر ثابت ہوئی "وائے ہو ان لوگوں پر جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کی کتاب ہے، تاکہ اس سے تھوڑے سے پیسے حاصل کریں، وائے ہو اُن کے لکھنے پر اور وائے ہو اُن کی اس ذلیل کمائی پر۔"

۱۰

ابوہریرہ کی حدیثوں کی تعداد

جملہ محدثین کا اتفاق ہے (جیسا کہ بسلسلہ حالات ابی ہریرہ اصابہ[۱] وغیرہ میں مذکور ہے) کہ ابوہریرہ تمام صحابہ سے زیادہ حدیثوں والے ہیں، ماہرین علم حدیث نے اُن کی حدیثیں شمار کیں تو ان کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ تک جا پہنچی صرف صحیح بخاری میں اُن کی ۴۴۶ حدیثیں ہیں۔[۲]

خلفاء اربعہ سے جتنی حدیثیں مروی ہوئیں ہم نے اُن سب کو گنا تو اُن

---

[۱] اصابہ جلد ۴ ص ۲۰۵ [۲] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱۲ و فصل بن حزم جلد ۴ ص ۱۳۸

چاروں کی حدیثیں ابو ہریرہ کی حدیثوں کی بہ نسبت ۲۷ فی صدی نکلیں۔ اس لیے کہ ابوبکر[۱] کی کل روایت کردہ حدیثیں ۱۴۲ عمر کی[۲] ۵۳۷ عثمان کی[۳] ۱۴۶ اور حضرت علیؑ کی کل روایتیں[۴] ۵۸۶ ہیں سب کا مجموعہ ۱۴۱۱ حدیثیں ہوتا ہے اس ۱۱۱۴ حدیثوں کو ابوہریرہ کی ۵۳۷۴ کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو ۱۰۰ میں ۲۷ حدیثیں ان چاروں خلفاء کی ہوتی ہیں اور ۷۳ ابوہریرہ کی۔

اب ہر انصاف پسند اپنی عقل سے کام لے کر فیصلہ کرے کہ یہ ابوہریرہ سب سے آخر میں اسلام لانے والے اور اتنے بے نام و نشان، اُن کی اتنی حدیثیں ۵ ہزار سے بھی زیادہ اور خلفاء اربعہ جو سب سے پہلے اسلام لائے، پیغمبرؐ سے جنھیں خصوصیت خاصہ حاصل تھی، شرعی احکام مرتب کرنے کے وقت جو پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر رہے اور ۵۲ برس تک خدمت دین کرتے رہے، ۲۳ برس خدمت پیغمبرؐ میں رہ کر اور ۲۹ برس پیغمبرؐ کے بعد، جنھوں نے امت اسلام اور ساری امتوں کی سرداری کی، خدا نے جن کے لیے قیصر و کسریٰ کے ملک۔۔۔ فتح کیے، شہروں کو آباد کیا، بستیاں بسائیں، دعوت اسلام کو پھیلایا، احکام اسلام کی تبلیغ کی، سنتوں کی اشاعت کی، جن سے فیوض و برکات کے چشمے جاری ہوئے، کیونکر ممکن ہے کہ ایک تن تنہا ابوہریرہ کی حدیثیں ان سب کی مجموعی حدیثوں سے کئی گنا زیادہ ہوں۔ خدا کے لیے ارباب عقل اس سوال کا جواب دیں۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی حالات ابوبکر۔ تہذیب علامہ نووی، ملل و نحل جلد ۴ ص ۱۳۷ علامہ ذہبی نے تو صاف صاف یہ کہا ہے کہ حضرت ابوبکر کی ۲۰ حدیثیں بھی صحیح طور پر نہیں ملتیں۔

[۲] تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی ابتدائے حالات حضرت عمر، ملل و نحل جلد ۴ ص ۱۳۸ اسی میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر کی صرف ۵۰ حدیثیں درجہ صحت تک پہنچتی ہیں [۳] تاریخ الخلفاء حالات عثمان

[۴] تاریخ الخلفاء حالات حضرت امیر المومنینؑ و ملل و نحل جلد ۴ ص ۱۳۷

ان خلفاء اربعہ سے ابوہریرہ کو تو کوئی نسبت بھی ہی نہیں - کہاں وہ کہاں یا
جناب عائشہ جیسے بھی نہیں تھے (اگرچہ عائشہ سے بھی بے شمار حدیثیں مروی ہیں)
کیونکہ پیغمبرؐ نے ابوہریرہ کے اسلام لانے کے دس ۱۰ برس[1] قبل عائشہ سے شادی
کی تھی، وہ ۱۴ برس تک پیغمبرؐ کے گھر میں رہیں اور ابوہریرہ سے تھوڑے ہی
دن پہلے انتقال کیا۔ ظاہر ہے کہ ایک معمولی صحابی کی صحبت اور سمجھدار بیوی کی
صحبت اور سمجھ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ صحبت کا فرق تو ظاہر ہے
بیوی بیوی ہے اور صحابی صحابی، رہ گیا سمجھ کا فرق تو عائشہ کا فہم (بقول
علمائے اہلسنت) اُن کی سماعت کا مقابلہ کرتا تھا، یعنی ادھر کان میں لفظیں
پہنچیں ادھر مطلب ذہن نشین ہوگیا، اور اُن کا دل اُن کے کان پر سبقت لے جاتا
تھا، اُن کے دل سے بڑھ کر کسی کا دل لبریز نہ تھا، نہ جلد نتیجہ اخذ کرنے میں اُن پر
کوئی فوقیت رکھتا تھا، جب بھی کوئی بات ہوتی فوراً اس کے متعلق شعر
پڑھ دیتیں، عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فقہ، طب،
شعر میں عائشہ سے بڑھ کر عالم ہو، مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے بڑے بڑے
بوڑھے صحابیوں کو دیکھا کہ میراث کے مسائل عائشہ سے پوچھا کرتے۔

---

[1] علامہ ابن عبدالبر استیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں بسلسلہ حالات عائشہ لکھتے ہیں کہ
آنحضرتؐ نے عائشہ سے عقد بعثت کے دسویں سال اور ہجرت مدینہ سے تین برس پہلے
فرمایا تھا اور ہجرت کے ۱۸ مہینے کے بعد مدینہ میں زفاف واقع ہوا اس بنا پر جناب عائشہ کی
شادی ابوہریرہ کے اسلام لانے کے دس برس پہلے ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ تو طے شدہ ہے کہ
ابوہریرہ سنہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے [2] ابوہریرہ کے مرنے سے تھوڑے ہی دن پہلے، ۱۷ رمضان سنہ ۵۷ھ
یا سنہ ۵۸ھ میں عائشہ کا انتقال ہوا، ابوہریرہ ہی نے ولید بن عتبہ بن سفیان حاکم مدینہ کے
حکم سے نماز جنازہ پڑھی اور عائشہ بقیع میں دفن ہوئیں۔

علاوہ بریں عائشہ ضرورتمند بھی تھیں کہ اپنی حدیثوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں کیونکہ ان کے نمائندے شہر شہر میں پھیلے ہوئے تھے اور ایک بہت بڑی فوج کی کمانڈ کرتی ہوئی بصرہ تک بھی گئی تھیں مگر ان سب کے باوجود اگر ان کی روایت کردہ حدیثوں کو گنا جائے تو ابوہریرہ کی حدیثوں کی آدھی بھی نہ ہوں گی۔ اور اگر جناب عائشہ کی حدیثوں کے ساتھ جناب ام سلمہ زوج پیغمبر کی حدیثوں کو بھی جوڑ لیا جائے جو واقعۂ کربلا کے بعد تک زندہ رہیں جنھیں پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کرنے کا بہت زیادہ موقع ملا اور عائشہ و ام سلمہ کے ساتھ دیگر تمام ازواج پیغمبرؐ کی حدیثوں کو بھی ملا لیا جائے، امام حسن و امام حسین کی حدیثوں کو بھی جوڑ لیا جائے اور خلفاء اربعہ کی حدیثوں کو بھی شامل کر لیا جائے تب بھی ان سب کی تمام حدیثیں ایک ابوہریرہ کی حدیثوں سے کم تر ہی ہوں گی۔

اسی پر بس نہیں مزا یہ ہے کہ ابوہریرہ اس کے بھی مدعی تھے کہ پیغمبرؐ نے ان سے ایسی بھی حدیثیں ارشاد فرمائی ہیں جو وہ کسی سے بیان نہیں کر سکتے، کوئی شخص اس حدیثوں کو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ سینہ و دل میں محفوظ ہیں (ابوہریرہ جیسے محفوظ سینے اور گہرے دل والے تھے وہ آپ جانتے ہی ہوں گے) اسی وجہ سے ابوہریرہ کہا کرتے کہ

حفظت عن رسول اللہ وعائین فاما احدھما	میں نے دو ظرفوں میں پیغمبر کی حدیثیں محفوظ کیں، ایک ظرف کی حدیثیں تو میں نے لوگوں

ا؎ فصل ابن حزم ظاہری جلد ۴ صہ ۱۳۸ - جناب عائشہ کے متعلق یہ جو کسی کا شعر ہے

حفظت اربعین الف حدیث   ومن الذکر آیۃ تنساھا

حدیثیں تو آپ نے ۴۰ ہزار یاد کر لیں اور کلام مجید کی آیت یاد نہ رہی۔ تو اس شعر میں واقعاً ۴۰ ہزار حدیثیں مراد نہیں بلکہ یہ کنایہ ہے اس سے کہ انھیں حدیثیں بہت یاد تھیں

فبثثته و اما الاخر فلو بثثته قطع ھذا البلعوم[1]	ظاہر کیں مگر دوسرے کو چھوا نہیں اس کو ظاہر کروں تو یہ میرا گلا کٹ جائے

کبھی کہا " اگر میں تمام وہ باتیں بیان کردوں جو میں جانتا ہوں تو لوگ مجھے سڑی سمجھیں کہنے لگیں کہ ابو ہریرہ دیوانہ ہے "۔

کبھی کہا " جو کچھ میرے سینے میں ہے وہ سب اگر میں تم سے بیان کردوں تو تم لوگ مجھ پر مینگنیاں پھینکنے لگو "۔

کبھی کہا " لوگ کہتے ہیں ابو ہریرہ نے بہت حدیثیں روایت کیں خدا کی قسم میں اگر وہ تمام باتیں بیان کروں جو میں نے پیغمبرؐ سے سن رکھی ہیں تو تم لوگ مجھ پر گو اچھالنے لگو[2] "۔

کبھی کہا " میں نے پیغمبرؐ سے کچھ ایسی حدیثیں بھی سن کر یاد رکھی ہیں جو میں نے تم سے بیان نہیں کیں اگر ایک حدیث بھی اس میں کی تم سے بیان کردوں تو تم لوگ مجھے پتھر مارنے لگو[3] "

کبھی کہا " میں نے پیغمبرؐ سے پانچ ظرف حدیثیں محفوظ کر رکھی ہیں جن میں سے دو ظرف میں منظر عام پر لایا اگر تیسرا ظرف میں تمھارے سامنے لاؤں تو تم مجھے پتھر سے مار دو[4] "

میں عرض کرتا ہوں کہ ابو ہریرہ پیغمبرؐ کے ولی عہد نہ تھے آپ کے خلیفہ و جانشین نہ تھے کہ پیغمبر انھیں اپنے رموز و اسرار خصوصیت سے بتاتے اور وہ

---

[1] صحیح بخاری ج اول ص ۲۴ کتاب العلم [2] یہ تینوں حدیثیں جس میں سڑی سمجھنے، مینگنیاں پھینکنے، گو اچھالنے کا ذکر ہے طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم ۲ حالات ابو ہریرہ میں موجود ہیں [3] مستدرک ج ۳ ص ۵۰۹ تلخیص مستدرک علامہ ذہبی [4] حلیۃ الاولیا ص ۳۸۱ حالات ابو ہریرہ

علوم تعلیم کرتے جو اپنے خاص سے خاص صحابی کو بھی آپ نے تعلیم نہیں فرمائے اور اگر آپ نے اُن سے مخفی طور پر اور لوگوں سے چھپا کر حدیثیں ارشاد فرمائی بھی تو فائدہ کیا ہوا جب کہ ابوہریرہ ایسے ذلیل و کمزور تھے کہ کوئی مخفی حدیث زبان پر لانے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اگر زبان پر لاتے تو پتھر سے سنگسار کیے جاتے، مینگنیاں ان پر پھینکی جاتیں، گو اُچھالے جاتے اور حلق کاٹ لیا جاتا۔

آں حضرتؐ نے وہ رموز و اسرار، وہ مخفی علوم اپنے اُن خلفاء کو کیوں نہیں تعلیم فرمائے جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے، جو بڑے غازی و فاتح تھے جن کے لیے تمام قوموں کے سر خم ہوئے اور اُن کی لبِ زبان کی جنبشوں کے آگے عرب و عجم کی گردنیں جھک گئیں اور لوگوں کو جہاں چاہا ایک لاٹھی سے ہانک کر لے گئے۔

ابوہریرہ جس امر کے دعویدار ہیں اُن سے زیادہ تو وہ خلفاء لائق و سزاوار تھے کیونکہ پیغمبرؐ اگر ان خلفاء کو رموز و اسرار تعلیم فرمائے ہوتے تو آفتاب کی کرنوں کی طرح عالم میں وہ پھیلتے۔

رسولؐ کی ذات پاک و پاکیزہ ہے اس سے کہ آپ مہمل کام کریں اور رموز و اسرار ایسی جگہ ودیعت فرمائیں جہاں وہ بے کار و مہمل رہیں کوئی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

اور ابوہریرہ آخر تھے کون؟ کہ سابقین اولین کو نظر انداز کر کے انھیں اس عزت سے مخصوص طور پر سرفراز کیا جاتا۔

علاوہ اس کے اکثر ابوہریرہ یہ بھی کہا کرتے ان ابا هريرة لا يكتم ولا يكتب[1] ابوہریرہ نہ تو کوئی بات چھپاتا ہے نہ کوئی بات لکھتا ہے، جب

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ قسم ۲ ص ۱۱۹

کوئی بات چھپاتے نہ تھے تو پھر یہ اُن کا کہنا کیونکر صحیح ہے کہ میں نے پیغمبرؐ سے دو ظرف حدیثیں حاصل کیں، ایک ظرف کی حدیثیں تو میں نے لوگوں میں شایع کیں اور دوسرے کو چھوا تک نہیں اس کو ظاہر کرتا تو میرا حلق کٹ جاتا، ان دونوں اقوال میں باہمی کوئی ربط ہے؟

ہر سمجھ دار پوچھ سکتا ہے کہ آخر وہ کون سے رموز و اسرار تھے جو پیغمبرؐ نے خصوصیت سے ابو ہریرہ کو تعلیم فرمائے جن کو وہ اپنی جان کے خوف سے پوشیدہ رکھے تھے یا اپنی عزت و آبرو کے ڈر سے چھپائے رہتے تھے۔

کیا وہ رموز و اسرار ویسے ہی رموز و اسرار تھے جو پیغمبرؐ نے اپنے دلی د وصی امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو تعلیم فرمائے تھے، ایسی باتیں جو خلافت کے بارے میں تھیں اور آپ کے بعد کے خلفا سے تعلق رکھتی تھیں یا کسی اور قسم کی تھیں؟ اگر وہ پہلے قسم کی تھیں تو ابو ہریرہ اُن سے روگردان کیوں تھے ان رموز و اسرار کے مفہوم و مراد سے برگشتہ کیوں تھے کہ وہ علیؑ کے خلاف ان کے مخالفین کے ہمنوا تھے ہر بات میں دشمنانِ علیؑ ہی کے طرفدار رہے، اور اگر وہ رموز و اسرار دوسرے قسم کے تھے تو ان کے ظاہر کرنے میں انھیں کوئی خوف نہ ہونا چاہیے تھا، رکیک سے رکیک، مہمل سے مہمل بات بھی بیان کرتے تو اُن سے کوئی پوچھنے والا نہ تھا، کسی کے اعتراض کا قطعی اندیشہ نہ تھا اس لیے کہ کیا انھوں نے یہ حدیث نہیں بیان کی؟ کہ پیغمبرؐ ایک دن صبح کی نماز کے وقت سوتے رہے اور آپ نماز پڑھ رہے تھے تو شیطان آپ کے درپے تھا کہ کسی طرح آپ نماز توڑ ڈالیں کیا انھوں نے یہ حدیث نہیں بیان کی کہ پیغمبرؐ نے نماز میں سہو فرمایا اور چو رکعتی نماز دو رکعتی کر کے پڑھ ڈالی اس پر پیغمبرؐ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ بھول گئے یا نماز قصر ہو گئی۔ آپ نے فرمایا نہ میں بھولا نہ نماز قصر ہوئی کیا انھوں نے یہ حدیث نہیں بیان کی کہ پیغمبرؐ

اذیت پہنچاتے، گالیاں دیتے، لعن فرماتے اور بے قصور کو سزا دیتے تھے؟

کیا انھوں نے انبیا پر ایسے افعال کی تہمت نہیں باندھی جو ان کے لیے نہ شرعاً جائز تھے نہ عقلاً، یہانتک کہ انھوں نے پیغمبر سے روایت کی کہ آں حضرت نے فرمایا نحن احق بالشک من ابراھیم ہم ابراہیم سے زیادہ شک کرنے کے حقدار ہیں، اور جناب لوط کے متعلق ایسی باتیں روایت کیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خدا پر بہت کمزور اعتقاد رکھتے تھے۔ کیا انھوں نے جناب آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کی طرف ایسی باتیں نہیں منسوب کیں جن سے ان کا منزہ ہونا واجب تھا؟

کیا انھوں نے کلیم خدا نجی اللہ جناب موسیٰ کی طرف یہ بات نہیں منسوب کی کہ انھوں نے ملک الموت کو ایسا تھپڑ مارا کہ ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی اور آپ ایک پتھر کے پیچھے برہنہ دوڑے اور بنی اسرائیل نے آپ کی شرم گاہ دیکھ لی۔ کیا انھوں نے جناب سلیمان بن داؤد کے متعلق یہ نہیں بیان کیا کہ انھوں نے باپ کے حکم کو توڑا اور انھوں نے اپنے معاملات کو مشیت الٰہی پر معلق رکھنے سے گریز کیا اس کے نتیجے میں ان کے معاملے درہم برہم ہو گئے۔

کیا انھوں نے خداوند عالم کے متعلق ایسی باتیں نہیں بیان کیں جو خدا کے لیے نہ تو شرعاً جائز ہیں نہ عقلاً جیسے ان کا یہ قول لا تمتلی جھنم حتی یضع اللہ رجلہ فیھا جہنم اس وقت تک نہیں بھرے گا جب تک خدا اس میں اپنا پیر نہ ڈال دے، یا محشر والوں کے متعلق ان کا یہ قول فیاتیھم اللہ فی غیر الصورۃ التی یعرفون فیقول انا ربکم فیقولون نعوذ باللہ منک ثم یاتیھم فی الصورۃ التی یعرفون فیقولون انت ربنا، خداوند عالم محشر والوں کے سامنے بھیس بدل کر آئے گا اور کہے گا کہ میں تمھارا پروردگار ہوں۔ اس پر اہل محشر کہیں گے کہ ہم تم سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، پھر وہ اپنی پہلی صورت میں آئے گا جس میں محشر والے اسے پہچانتے ہوں گے۔ تو

اب اہل محشر کہیں گے کہ تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔

یا جیسے ابوہریرہ کا یہ قول خلق اللہ آدم علی صورۃ الرحمان، خلق اللہ آدم علی صورتہ، طولہ ستون ذراعا فی سبعۃ اذرع عرضا خداوند عالم نے آدم کو رحمان کی صورت پر خلق فرمایا۔ خداوند عالم نے آدمی کو اپنی صورت پر ۶۰ ہاتھ لمبا اور سات ہاتھ چوڑا پیدا کیا۔

اسی قبیل کی ان کی بے شمار حدیثیں ہیں جن پر اُن کا حلق کٹ سکتا تھا، مگر اس قسم کی حدیثیں انھوں نے پوری دلجمعی اور انتہائی اطمینان سے لوگوں سے بیان کیں بلکہ امت اسلام پر احسان دھرتے ہوئے بیان کیں، انتہائی جہل و خرافات باتیں بصورت حدیث لوگوں سے روایت کیں مگر نہ پتھر مارے گئے نہ ہنگیاں ان پر پھینکی گئیں جیسا کہ ہر وہ شخص جانتا ہے جو ابوہریرہ کے حالات سے واقفیت رکھتا ہے۔ تو پھر آخر کس وجہ سے انھوں نے وہ دوسرے ظرف والی حدیثیں، وہ مخصوص رموز و اسرار لوگوں سے نہیں بیان کیے۔

ایک اور امر جس کی طرف ہم ہر بافہم کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ابوہریرہ کہا کرتے تھے[1] کہ اصحاب پیغمبرؐ میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ حدیثوں والا نہیں سوا عبداللہ بن عمرو عاص کے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

ابوہریرہ کھُلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ عبداللہ ان سے زیادہ احادیث پیغمبرؐ کے حامل تھے۔ اور ہم نے عبداللہ بن عمرو عاص کی حدیثوں کو گنا تو وہ صرف سات سو نکلیں[2]۔ تو کہاں سات سو اور کہاں پانچ ہزار سے زیادہ حدیثیں، ایک اور آٹھ کی دونوں میں نسبت ہے۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲ باب کتابۃ العلم ص ۵۲ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری علامہ قسطلانی جلد ۱ ص ۳۱۲

ابوہریرہ کی اس لغزش پر علمائے اہلسنت کے بنائے کچھ نہ بن سکی، ابن حجر عسقلانی اور شیخ زکریا انصاری جب ابوہریرہ کی اس حدیث پر پہنچے تو انھوں نے اپنی شرحوں میں ابوہریرہ کی طرف سے یہ بات بنائی کہ عبداللہ بن عمرو عاص مصر میں سکونت رکھتے تھے وہاں لوگ اُن کے پاس کم آتے جاتے تھے اس وجہ سے انھیں کم حدیثیں بیان کرنے کا موقع ملا، بخلاف ابوہریرہ کے کہ وہ مدینہ میں رہے اور وہاں اطراف واکناف عالم کے مسلمان آیا جایا کرتے ہیں اس وجہ سے انھیں زیادہ حدیثیں بیان کرنے کا موقع ملا۔

مگر غور کیا جائے تو ابوہریرہ کے ظاہری الفاظ قطعی طور پر اس عذر و معذرت کو خود ہی غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ اصحاب پیغمبر میں مجھ سے زیادہ حدیثوں والا کوئی نہ تھا سوا عبداللہ بن عمر کے" اس کا مطلب یہ ہوا (جیسا کہ ارشاد ساری اور تحفۃ الباری میں صراحت بھی ہے) کہ اصحاب میں سے کسی کی حدیثیں ابوہریرہ کی حدیثوں سے زیادہ نہ تھیں سوا عبداللہ بن عمرو عاص کے کہ اُن سے زیادہ حدیثیں حاصل ہوئیں، اور جب خود ابوہریرہ معترف ہیں کہ عبداللہ بن عمرو عاص سے جو حدیثیں حاصل ہوئیں وہ زیادہ تھیں اُن کی حدیثوں سے تو اب عذر و تاویل کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے۔

علاوہ اس کے عبداللہ بن عمرو عاص کے مصر میں رہنے کی وجہ سے اور زیادہ ضروری تھا کہ وہ کثرت سے لوگوں سے حدیثیں بیان کریں، کیونکہ وہاں اُن کی بڑی منزلت تھی، بڑی گراں قدر شخصیت اُن کی مصر میں تھی، اُن کے علاوہ اور کوئی صحابی پیغمبر وہاں تھا ہی نہیں جسے مصر والے بھی جانتے ہوں سوا دو ایک[2] کے[1]

---

[1] ارشاد الساری قسطلانی اور تحفۃ الباری زکریا انصاری ایک ہی ساتھ ۱۲ جلدوں میں چھپی ہیں حاشیہ پر یہ دونوں بڑا درمتن ہیں صحیح مسلم اور اس کی شرح نووی کی ہے۔

زادوں کے یا کسی آتے جاتے ہوئے صحابی کے، اس وجہ سے عبداللہ کو وہاں مذہبی حیثیت سے پوری پوری مرجعیت حاصل تھی، قرآن و حدیث کے علوم میں انھیں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ عبداللہ کی جو حیثیت مصر میں تھی اور ابوہریرہ کی جو حیثیت مدینہ میں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہاں اندھوں میں کانا راجہ صرف ایک عبداللہ تھے جو سبھی کے پیر و مرشد، اس کے علاوہ فاتح و گورنر مصر عمرو عاص کے چشم و چراغ اور ابوہریرہ کے جیسے مدینہ میں ہزاروں تھے، مدینہ میں جو لوگ باہر سے آتے وہ اس زمانے کے مشاہیر صحابہ کی خدمت میں آتے۔ ابوہریرہ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا کیونکہ یہ مشاہیر صحابہ سے تھے بھی نہیں۔ علاوہ اس کے یہ متہم بھی تھے اکثر لوگ ان کے متعلق یہ یقین رکھتے تھے کہ یہ من گڑھت حدیثیں بیان کیا کرتے ہیں۔ لوگ اس افراط سے پیغمبرؐ کی طرف نسبت دے کر حدیثیں بیان کرنے پر انھیں برا بھلا بھی کہتے تھے چنانچہ لوگ کہا کرتے "ابوہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں" یہ بھی کہا کرتے کہ یہ مہاجرین و انصار ابوہریرہ جیسی حدیثیں نہیں بیان کرتے ہیں؟[1]

تو مدینہ میں اُن کی جو حیثیت تھی وہ ظاہر ہے اور عام طور پر اُن کے متعلق لوگوں کے جو رجحانات تھے وہ معلوم، لہذا چاہیے تو یہ تھا کہ خود ابوہریرہ لوگوں سے کم حدیثیں بیان کرتے مگر انتہائی حیرت و تعجب کی بات ہے کہ باوجود ابوہریرہ کے اس اقرار کے اور باوجود اس کے کہ عبداللہ بن عمرو ابوہریرہ سے زیادہ دن جیے ابوہریرہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں مرے اور عبداللہ بن عمرو ۶۵ھ میں مرے

---

[1] ابوہریرہ ان لوگوں سے بہت دل تنگ ہوا کرتے اور خدا سے ان کی شکایت کیا کرتے جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری ج ۲ میں اس کے متعلق حدیث درج کی ہے۔

گرحدیثیں ابوہریرہ ہی کی زیادہ ہیں[1] اور کئی گن زیادہ ہیں۔

اصل قصہ یہ ہے کہ ابوہریرہ نے عبداللہ بن عمرو کے متعلق یہ اعتراف جو کیا تھا وہ شروع زمانہ میں، پیغمبرؐ کے انتقال کے فوراً بعد اعتراف کیا تھا جبکہ ابوہریرہ نے اختراع و افتراء کی حرکتیں شروع نہ کی تھیں، ان کی من گڑھت حدیثوں کی کثرت تو اس وقت ہوئی جبکہ معاویہ شاہی تھی، ابوبکر بھی نہ تھے عمر نہ تھے عثمان نہ تھے نہ علیؑ نہ دیگر اکابر صحابہ جن سے ابوہریرہ کو کسی قسم کا خوف ہوتا، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں اور آگے بھی چل کر انشاءاللہ وضاحت کریں گے۔

۱۱

کیفیت حدیث ابوہریرہ

ابوہریرہ نے کچھ ایسے انوکھے انداز اور نرالے ڈھنگ کی حدیثیں بیان کی ہیں کہ فن حدیث کا صحیح ذوق رکھنے والے اُن کی بیشتر احادیث سُن کر کان پر ہاتھ دھرنے لگیں۔ بہتیری حدیثیں اُن کی آپ کو ایسی ملیں گی جنھیں نہ عقل صحیح تسلیم کرسکتی ہے نہ نقل سے تائید ممکن ہے ہم نمونۃً ۴۰ حدیثیں اُن کی یہاں

---

[1] اس لیے کہ ابوہریرہ کا انتقال ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں ہوا جیسا کہ اصابہ میں مذکور ہے۔ اور اسی اصابہ میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص ۶۵ھ میں مرے بعض کہتے ہیں ۶۸ھ یا ۶۹ھ میں مرے۔ علامہ قیسرانی کی کتاب رجال الصحیحین میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ۷۱ھ میں مرے۔

نقل کرتے ہیں پڑھیے اور سر دھنیے :۔

(۱) خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا

بخاری و مسلم[۱] دونوں نے بطریق عبدالرزاق معمر سے انھوں نے ہمام بن منبہ سے روایت کی ہے، ہمام بن منبہ ناقل ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جسے ہم سے ابوہریرہ نے بیان کیا۔

خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ طولہ ستون ذراعا ارشاد فرمایا پیغمبر نے کہ خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اُن کا طول ۶۰ ہاتھ تھا۔

امام احمد نے بطریق سعید بن مسیب ابوہریرہ سے مزید[۲] یہ جملہ بھی نقل کیا ہے فی سبعۃ اذرع عرضا یعنی ۶۰ گز تو لمبے تھے اور سات گز چوڑے۔

قال: فلما خلقہ قال، اذھب فسلم علی اولئک النفر من الملائکۃ جلوس فاستمع مایحیونک فانھا تحیتک و تحیۃ ذریتک قال، فذھب فقال السلام علیکم. فقالوا السلام علیک ورحمۃ اللّٰہ قال فزادوہ ورحمۃ اللّٰہ

پس جب خداوند عالم آدم کو پیدا کرچکا تو اُن سے ارشاد فرمایا جاؤ اور جاکر ملائکہ کی اس جماعت کو سلام کرو جو بیٹھے ہوئے ہیں اور سنو کہ وہ تمھیں کیونکر سلام کرتے ہیں، وہی تمھارا سلام ہے اور تمھاری ذریت کا، چنانچہ آدم گئے اور ملائکہ سے کہا السلام علیکم اس پر ملائکہ نے جواب دیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، ملائکہ نے رحمۃ اللہ زیادہ کرکے کہا۔ پس جو شخص جنت میں

---

[۱] صحیح بخاری ج ۴ کتاب الاستئذان کی پہلی حدیث، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۱ باب یدخل الجنۃ اقوام افئدتھم مثل افئدۃ الطیر کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا،

[۲] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ ارشاد الساری ج ۷ صفحہ ۹۰

ابوہریرہ
فکل من یدخل الجنۃ علی صورۃ آدم وطولہ ستون ذراعاً، فلم یزل الخلق ینقص بعدہ حتی الآن۔

جائے گا وہ آدم کی صورت پر ہوگا اور ۶۰ ہاتھ لمبا۔ جناب آدم کے بعد آنے والی نسلیں قد میں کم ہوتی گئیں یہاں تک کہ آج کے دن تک کمی کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ ہے ابوہریرہ کی ایک حدیث اس میں جو کچھ مہملات ہیں وہ نہ تو پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰؐ کی زبان سے ادا ہونا ممکن ہیں نہ کسی اور نبی سے اور نہ کسی ذہنی بچے ہی کی لب و زبان سے ایسی رکیک بات نکلنی تصور کی جاسکتی ہے، غالباً ابوہریرہ نے اس مضمون کو یہودیوں[۱] سے اڑایا ہے، اپنے دوست کعب الاحبار وغیرہ کے ذریعہ جو سابقاً یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے، کیونکہ اس حدیث کا مضمون بعینہٖ وہی ہے جو یہودیوں کی کتاب عہد قدیم کے ایک باب کے ستائیسویں فقرہ کا مضمون ہے ہم عہد قدیم کی اصل لفظیں ذکر کیے دیتے ہیں۔ خلق اللہ الانسان علی صورتہ علی صورۃ اللہ خلقہ ذکراً و انثی خلقھم الخ پس خداوند عالم نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا، انھیں مرد اور عورت پیدا کیا اور مرد و عورت دونوں کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔

خدا اور شکل و صورت !! معاذ اللہ! خداوند عز و جل ہر شکل و صورت کیفیت و شباہت سے پاک و پاکیزہ ہے۔

---

[۱] ابوہریرہ بتیری حدیثوں میں یہودیوں کے خوشہ چیں ہیں اُن کے یہاں کی باتوں کو انھوں نے پیغمبر کی حدیث بنا کر ذکر کیا ہے چنانچہ ان کی ایک حدیث یہ بھی ہے ان سیحان و جیحان والفرات ونیل مصر کلھا من الجنۃ سیحون و جیحون فرات و رود نیل سب کی سب جنت کی ہیں۔ اس حدیث کو خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۲۳۵ پر درج کیا ہے یہ حدیث بھی ابوہریرہ نے یہودیوں کی کتاب "عہد قدیم" سے اخذ کر کے بنائی ہے۔

بعض لوگوں نے ابوہریرہ کی ہواخواہی میں اس حدیث کی تاویل کی ہے اور وہ یہ کہ صورتہ کی ضمیر خداوند عالم کی طرف نہیں بلکہ آدم کی طرف راجع ہے یعنی خداوند عالم نے آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا مطلب یہ ہے کہ جناب آدم جس شکل وصورت میں زمین پر اتارے گئے اسی صورت پر وہ جنت میں پیدا بھی ہوئے خداوند عالم نے جب آدم کو خلق فرمایا تو مکمل قد وقامت اور ساٹھ ہاتھ لمبا سات ہاتھ چوڑا پیدا کیا۔ یہ نہیں کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی نسل سے جو پیدا ہوا وہ پہلے نطفہ کی شکل میں رہا پھر علقہ بنا پھر مضغہ ہوا پھر گوشت و پوست والا پھر جنین پھر شیرخوار پھر نوجوان پھر جوان اور رفتہ رفتہ ۶۰ ہاتھ کا لمبا اور سات ہاتھ کا چوڑا ہوا۔ اسی طرح انھیں منازل سے جناب آدم بھی گذرے ہوں۔ بلکہ خداوند عالم نے جیسا پیدا کیا ویسا ہی زمین پر اتارا۔ زمین پر جب آپ اترے تو ۶۰ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے تھے لہذا جب پیدا کیے گئے تھے تو اس وقت بھی ۶۰ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے تھے۔

زیادہ سے زیادہ اس حدیث کی تاویل میں یہی کہا جاسکتا تھا اور ابوہریرہ کی طرف سے ہواخواہان ابوہریرہ اتنی ہی بات بنا سکتے تھے مگر قیامت یہ ہے کہ خود ابوہریرہ نے ایک دوسری حدیث سے اس تاویل کی راہ پہلے ہی سے مسدود کر دی ہے اور ہواخواہوں نے بات بھی بنائی تو بن نہ سکی چنانچہ ابوہریرہ کی ایک اور حدیث ہے خلق اللہ ادم علی صورۃ الرحمان[1] خداوند عالم نے آدم کو رحمان (خدائے عزوجل) کی صورت میں پیدا کیا۔ نیز ایک دوسری حدیث ہے۔

---

[1] یہ حدیث بعینہٖ انھیں لفظوں میں ابوہریرہ کی بہت مشہور حدیث ہے۔ علامہ قسطلانی نے ابوہریرہ کی اس حدیث کو قرینہ و ثبوت قرار دیا ہے اس بات کا کہ صورتہ والی حدیث میں ضمیر اللہ ہی طرف راجع ہے نہ کہ آدم کی طرف۔ ملاحظہ فرمائیے ارشاد الساری جلد ۱ ص ۹۱ھ

ان موسی علیہ السلام ضرب الحجر لبنی اسرائیل فتفجر وقال! اشربوا یا حمیر فاوحی اللہ تعالی الیہ عمدت الی خلق خلقتھم الی صورتی فشبھتھم بالحمیر[1]

جناب موسیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے پتھر کو مارا اس سے چشمہ پھوٹ نکلا۔ جناب موسیٰ نے کہا گدھو! پانی پیو۔ اس پر خداوند عالم نے ان پر وحی فرمائی کہ میں نے تو انھیں اپنی صورت پر پیدا کیا اور تم انھیں گدھوں سے تشبیہ دے رہے ہو۔

پہلی حدیث بھی جمہور اہلسنت کی روایت کردہ ہے اور یہ دو حدیثیں بھی جمہور اہلسنت ہی کی روایت کی ہوئی۔ ان دونوں حدیثوں نے تاویل کی گنجائش ہی باقی نہ رکھی، کھینچ تان کر ضمیر کو ادھر سے اُدھر کرکے جو بات بنائی بھی گئی وہ بات بن نہ سکی، چاروناچار حضرات اہلسنت نے نجات اسی میں دیکھی کہ صورتہ کی ضمیر خدا ہی کی طرف پھیری جائے اور دوسری بات بنائی جائے۔ اب یہ بات بنائی گئی کہ ابوہریرہ کی حدیث خلق اللہ آدم علی صورتہ خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا خلق آدم علی صورۃ الرحمان آدم رحمان کی صورت پر پیدا ہوئے خلقتھم علی صورتی میں نے خلائق کو اپنی صورت پر پیدا کیا کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے آدم و اولاد آدم کو اپنی صفت پر پیدا کیا، یعنی خداوند عالم جس طرح حی ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، متکلم، عالم، مرید کارہ ہے اسی طرح اس نے آدم و اولاد آدم کو بھی حی و سمیع و بصیر و متکلم و کارہ بنایا۔

مگر لطف یہ ہے کہ جس مصیبت سے بچنے کے لیے یہ راہ فرار نکالی گئی اس راہ پر چل کر بھی اسی مصیبت کا سامنا ہوا، کیونکہ خداوند عالم جس طرح ذات میں

---

[1] علامہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث، صفحہ ۲۸۰ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور قرینہ قرار دیا ہے کہ پہلی حدیث میں صورتہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے نہ کہ آدم کی طرف۔

بے نظیر رہتا ہے اسی طرح صفات میں بھی اس کا کوئی شبیہ نہیں۔ ہم شیعوں کے یہاں تو خیر صفات عین ذات ہیں حضرات اہلسنت جو صفات کو عین ذات نہیں بلکہ زائد بر ذات مانتے ہیں وہ بھی بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صفات میں خدا کا کوئی شبیہ نہیں لہٰذا خلق اللّٰہ اٰدم علی صورتہ کی یہ تاویل کرنا کہ جس طرح خدا حی و متکلم، سمیع و بصیر ہے اُسی طرح آدم بھی حی و بصیر وغیرہ ہیں کیونکر کسی مسلمان کے لیے قابل قبول ہوگا یہ تو صریحی طور پر خداوند عالم کا شبیہ قرار دینا ٹھہرا۔

لطف بالائے لطف یہ کہ ابوہریرہ نے اس حدیث میں طرح طرح کے رنگ بدلے ہیں جیسا کہ اُن کی عادت بھی ہے کبھی تو انھوں نے ان لفظوں میں حدیث کی روایت کی یعنی خلق اللّٰہ اٰدم علی صورتہ، خلق اللّٰہ اٰدم علی صورۃ الرحمان، خلقتھم علی صورتی اور کبھی یوں گہر افشاں ہوئے اذا قاتل احدکم اخاہ فلیجتنب[1] الوجہ فان اللّٰہ خلق اٰدم علی صورتہ تم میں کا اگر کوئی اپنے بھائی سے جنگ و جدال کرے تو چہرے کا خیال رکھے منہ پر وار نہ کرے کیونکہ خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ کبھی بیان کیا اذا ضرب احدکم فلیجتنب الوجہ ولا یقبل قبح اللّٰہ وجھک ووجہ من اشبہ وجھک فان[2] اللّٰہ خلق اٰدم علی صورتہ اگر تم میں کا

---

[1] محدثین نے ابوہریرہ کی اس حدیث کو انھیں الفاظ میں بکثرت طرق و اسناد سے روایت کیا ہے صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹، باب النہی عن ضرب الوجہ میں بعینہ انھیں الفاظ میں یہ حدیث موجود ہے ۱۲ ص ۲ (۲) حدیث کو امام بخاری نے ادب مفرد میں درج کیا ہے نیز امام احمد نے بھی صحیح طریقوں سے مسند جلد ۲ ص ۲۴۴ میں ذکر کیا ہے۔

کوئی کسی کو مارے تو چہرے پر نہ مارے اور نہ یہ کہے کہ خدا تیرا منہ کالا کرے اور اس کا منہ جو تیرے ایسا منہ رکھتا ہو کیونکہ خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خدا جانے ان حدیثوں کی حضرات اہلسنت کیا تاویل کریں گے، ان حدیثوں کے بعد تو ابو ہریرہ نے اپنے ہواخواہوں کے لیے کوئی راہِ فرار ہی باقی نہ رکھی، کیونکہ پہلی حدیث میں تو یہ کہہ کر جان بچائی تھی کہ صورتہ میں ضمیر آدم کی طرف پھرتی ہے خدا نے آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا مگر یہاں ان دونوں آخری حدیثوں میں صورتہ کی ضمیر آدم کی طرف پھیرنا کسی طرح ممکن ہی نہیں عبارت درست ہی نہ ہوگی، چاروناچار ضمیر خداوند عالم ہی کی طرف پھیرنی پڑے گی یعنی خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا تاکہ عبارت تو کم سے کم بامعنی ٹھہرے اور چہرے پر مارنے، چہرے کو برا کہنے سے جو ممانعت کی ہے وہ ممانعت تو درست ہو سکے[1]

دوسری بات جو بتائی گئی تھی یعنی علیٰ صورتہ کی یہ تاویل کرنا کہ خداوند عالم نے اپنی طرح آدم کو بھی سمیع و بصیر، حی و متکلم وغیرہ پیدا کیا۔ یہ بھی ان آخری دو حدیثوں میں نہیں بن سکتی کیونکہ حی و سمیع، متکلم، عالم وغیرہ پیدا کرنے سے یہ کب واجب ٹھہرتا ہے کہ مارپیٹ کے موقع پر چہرے کا خیال رکھا جائے، چہرے پر ضرب نہ آنے دی جائے اور

---

[1] کاش ابوہریرہ چہرے پر مارنے کی ممانعت کی یہی توجیہ کر دیے ہوتے کہ چہرۂ انسانی زم اور لطیف، حسین و جمیل ہوتا ہے، نیز اس چہرے میں بہت سے اعضاء نفیسہ اکٹھا ہیں۔ کان، ناک، منہ ہونٹ، دانت، بھویں، پیشانی وغیرہ، نیز اکثر ادراکات اسی ایک چہرے کے ذریعہ ہوتے ہیں اسی چہرے سے انسان دیکھتا ہے، سنتا ہے، سونگھتا ہے وغیرہ وغیرہ لہذا مار پڑنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ یہ ادراکات یا تو سرے سے ختم ہو جائیں یا انھیں نقصان پہنچ جائے پھر چہرے پر ضرب پڑنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ چہرہ بدشکل ہو جائے اور چہرہ کا بدشکل ہونا بہت برا ہے جسم کے کسی اور حصہ میں عیب پیدا ہو جائے تو وہ چھپایا بھی جا سکتا ہے، لیکن چہرہ انسان کا سب سے نمایاں حصہ ہونے کی وجہ سے چھپائے رکھنا بھی ممکن نہیں، حدیث ہی گڑھنے کو تھی تو ناک کی گڑھتے مگر ان کو ہمیشہ عادی ہے کہ ایسی ہی بات زبان سے نکالیں گے جو دیدہ نہ شنید ۱۲

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں آخری حدیثوں میں کوئی بات بن ہی نہیں سکتی نہ ضمیر کی ایرا پھیری سے نہ لفظوں کے معنی بدلنے سے اور نہ یہ تاویل کرنے سے کہ خدا نے آدم کو اپنے صفات پر پیدا کیا، آخر کی دونوں حدیثیں جبھی بامعنی ہو سکتی ہیں جبکہ صورتہ کی ضمیر خداوند عالم کی طرف پھیری جائے اور یہ مطلب لیا جائے کہ انسان کے چہرے پر مارنا اسلیے ممنوع ہے کہ انسان کا چہرہ خدا کے چہرے سے مشابہ ہے نعوذ باللہ!!

اسی وجہ سے بافہم حضرات اہلسنت نے ابوہریرہ کی ان حدیثوں کے معنی ومفہوم میں توقف سے کام لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان حدیثوں کا مطلب اللہ ہی جانے جیسا کہ بخاری ومسلم[1] کے شارحین جب ان حدیثوں تک پہنچے تو اپنا قلم ہاتھ سے رکھ دیا۔

دو[2] غور طلب باتیں

ایک یہ کہ اگر جناب آدم کا طول ٦٠ ہاتھ تھا تو تناسب جسمانی کے لحاظ سے ضروری ہے کہ ان کی چوڑان ١٧ ہاتھ سے کچھ زیادہ ہی رہی ہو اور اگر چوڑان

---

[1] امام نووی لکھتے ہیں "اکثر علماء ان احادیث کی تاویل میں توقف سے کام لیتے ہیں خاموشی بہتر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کا تو ایمان رکھتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحیح اور حق ہیں (بھلا ابوہریرہ صحابی پیغمبر جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں) لیکن ان احادیث کا ظاہری مفہوم مراد نہیں بلکہ مطلب کچھ اور ہے (جو خدا بہتر جانتا ہے کہ کیا ہے) یہی جمہور سلف کا مسلک ہے اور یہی احوط و محفوظ تر ہے۔ شرح صحیح مسلم برحاشیہ شرح بخاری ج ١٢ ص١٠١۔ علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری نے بھی بخاری کی شرح میں امام نووی کے اس قول کو ذکر کیا ہے (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج١٠ ص١٩١) ملاحظہ فرمائیے اس نیرنگی کو کہ حدیث کا مطلب کسی کی سمجھ میں خاک نہیں آتا۔ تاویل کوئی بنتی نہیں مگر اعتراف اپنی ہی کوتاہ فہمی کا ہے ابوہریرہ کے دامن صحابیت پر دھبہ لگنے دینا کسی طرح منظور نہیں۔

۷ ہاتھ ہی تھی تو لازمی ہے کہ لمبان ۴۲ ہاتھ سے کسی طرح زیادہ نہ رہی ہو کیونکہ ہر متناسب الاعضا مستوی القامۃ انسان کی چوڑان بہ نسبت اس کی لمبان کے ڈبل ساتواں حصہ ہوتی ہے۔ مثلاً کسی انسان کی لمبائی اگر ۶ فٹ ہے تو کم و بیش اس کی چوڑائی ایک فٹ ۸ انچ سے کچھ اوپر ہوگی۔ جتنے مستوی القامۃ انسان ہیں ان کی لمبان و چوڑان میں کم و بیش یہی تناسب آپ کو نظر آئے گا، لہذا ابوہریرہ کا بیان کرنا کہ آدم ۶۰ ہاتھ لمبے اور صرف سات ہاتھ چوڑے تھے کیونکہ صحیح ہے، کیا معاذ اللہ جناب آدم بے ڈھنگے، بے ڈول اور بے کینڈے تھے۔ خداوند عالم تو یہ ارشاد فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے انسان کو بڑی اچھی ساخت کے ساتھ پیدا کیا۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ تحیہ سلام کی ایجاد مذہب اسلام سے ہوئی۔ پیغمبرؐ کی حدیث ہے[1] ماحسد کم الیھود علی شی کما حسدوکم علی السلام یہودیوں نے تم سے جتنا سلام کے بارے میں حسد کیا اتنا کسی چیز کے بارے میں نہیں، لہذا اگر امت اسلام سے سلام کی ابتدا نہ ہوتی تو خصوصیت کے ساتھ سلام ہی پر کیوں حسد کیا جاتا اب اس حقیقت کی موجودگی میں ابوہریرہ کا یہ حدیث بیان کرنا کہ فلما خلق اللہ آدم قال اذھب فسلم علی اولئک النفر من الملائکۃ فاستمع ما یحیونک فانھا تحیتک و تحیۃ ذریتک جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو ان سے کہا کہ جاؤ اور جا کر ان ملائکہ کو سلام کرو اور سنو وہ کیونکر تمھیں تحیہ ادا کرتے ہیں وہی تمھارا اور تمھاری اولاد کا

---

[1] ابن ماجہ نے اپنی صحیح سنن ابن ماجہ میں اس کو درج کیا ہے ابن خزیمہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے اور جناب عائشہ سے بسلسلہ اسناد مرفوعاً روایت کی ہے علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۲۹۲ پر اس حدیث کو ذکر کیا ہے ۱۲۔

بنہ ہوگا" کیونکر صحیح ہوسکتا ہے، کون سی تاویل اس حدیث میں کی جاسکتی ہے۔
نیز ابوہریرہ کے اس فقرہ فلم یزل الخلق ینقص بعد لاحتی الآن
جناب آدم کے بعد سے نسل آدم کی قامت برابر گھٹتی جارہی ہے اور آج تک گھٹنے کا
سلسلہ جاری ہے"، کا کیا مطلب ؟ کیا فرماتے ہیں پرستاران ابوہریرہ ؟ کیا اُن کی
عقل سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے ؟

(۲) خداوند عالم کا بروز قیامت مختلف شکلوں میں دکھائی دینا

بخاری[۱] و مسلم دونوں نے بہ سلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے،
ابوہریرہ حدیث بیان کرتے ہیں :-

قال! قال اناس یارسول اللہ	کچھ لوگوں نے پیغمبرؐ سے عرض کیا یارسول اللہ
ھل نری ربنا یوم القیامۃ ؟	کیا بروز قیامت ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے
فقال! ھل تضارون فی	آں حضرتؐ نے فرمایا تمھیں آفتاب کو دیکھنے
الشمس لیس دونہا سحاب ؟	میں جب کہ مطلع صاف ہو کوئی دقت ہوتی ہے ؟
قالوا لا یارسول اللہ قال !	لوگوں نے کہا نہیں - آں حضرتؐ نے فرمایا
ھل تضارون فی القمر	ماہتاب کو ؟ جبکہ بادل موجود نہ ہو دیکھنے میں
لیلۃ البدر لیس دونہ	کبھی دشواری ہوئی ؟ لوگوں نے کہا، نہیں - آپ نے
سحاب ؟ قالوا لا یارسول اللہ	فرمایا تو تم اسی آفتاب و ماہتاب کی طرح خداوند عالم کو
قال: فانکم ترونہ یوم القیامۃ	بروز قیامت دیکھو گے۔ خداوند عالم بروز قیامت لوگوں کو
کذالک یجمع اللہ الناس	جمع کر کے کہے گا جو شخص جس چیز کی پرستش کرتا ہو اس کے

[۱] صحیح بخاری پارہ ۴ ص ۹۲ کتاب الرقاق باب الصراط جسر جہنم پارہ ۱ ص ۱۰۰ باب فضل السجود
کتاب الاذان - صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۶ باب اثبات رویۃ المومنین ربہم فی الآخرۃ مسند جلد ۲ ص ۲۷۵

فیقول: من کان یعبد شیئا فلیتبعہ فیتبع من کان یعبد الشمس الشمس ویتبع من کان یعبد القمر القمر ویتبع من کان یعبد الطواغیت الطواغیت. وتبقی ھذہ الامة فیھا منا فقوھا فیاتیھم اللہ فی غیر الصورة التی یعرفون! فیقول انا ربکم فیقولون: نعوذ باللہ منك! ھذا مکاننا حتی یاتینا ربنا: فاذا اتانا ربنا عرفناہ فیاتیھم اللہ فی الصورة التی یعرفون!! فیقول: انا ربکم فیقولون! انت ربنا فیتبعونہ. ویضرب جسر جھنم (قال): قال رسول اللہ فاکون اول من یجیز ودعاء الرسل یومئذ: اللھم سلم سلم وبہ کلالیب

پیچھے ہو جائے، چنانچہ جو لوگ آفتاب کے پوجنے والے ہوں گے وہ آفتاب کے پیچھے اور جو ماہتاب کے پوجنے والے ہوں گے وہ ماہتاب کے پیچھے اور جو شیطان کے پیرو ہوں گے وہ شیطان کے پیچھے ہو جائیں گے۔ اور یہ امت باقی رہ جائے گی اور اس میں بھی اس کے منافقین ہوں گے۔ پس خداوند عالم اس شکل کے علاوہ جس میں لوگ اسے پہچانتے ہوں گے دوسری شکل بدل کر اُن کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ میں تمھارا رب ہوں، لوگ کہیں گے کہ ہم تم سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، ہم یہیں ٹھہرے رہیں گے، یہاں تک کہ ہمارا پروردگار آجائے جب ہمارا پروردگار آئے گا ہم اسے فوراً پہچان لیں گے پھر خدا اپنی اصلی صورت میں جس میں سبھی اسے پہچانتے ہوں گے سامنے آئے گا اور کہے گا کہ میں تمھارا پروردگار ہوں، لوگ کہیں گے کہ ہاں تو ہمارا پروردگار ہے، پھر سب کے سب خدا کے پیچھے ہو جائیں گے۔ پھر جہنم پر پُل باندھا جائے گا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اس پُل سے سب سے پہلے میں گزروں گا، اور اس دن پیغمبروں کی دعا ہوگی بار الٰہا بچا! بچا! اور اس پُل پر قلابے ہوں گے

مثل شوك السعدان اما
رأيتم شوك السعدان؟
قالوا: بلى قال: فانها مثل
شوك السعدان غير انها
لا يعلم قدر عظمتها الا الله
فتخطف الناس باعمالهم
منهم الموبق بعمله ومنهم
المخردل ثم ينجو حتى اذا
فرغ الله من القضاء بين
عباده واراد ان يخرج من النار
من اراد ان يخرج ممن كان
يشهد ان لا اله الا الله امر
الملائكة ان يخرجوهم
فيعرفونهم بعلامة آثار السجود،
وحرم الله على النار ان تاكل
من ابن آدم اثر السجود فيخرجونهم
قد امتحشوا فيصب عليهم
ماء يقال له ماء الحياة
فينبتون نبات الحبة
في حميل السيل، ويبقى
رجل مقبل بوجهه على النار،

مثل سعدان کے کانٹوں کے تم نے سعدان
کے کانٹے نہیں دیکھے؟ لوگوں نے کہا ہاں
یا رسول اللہ دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو
وہ قلاّبے مثل سعدان کے کانٹوں کے ہوں گے
البتہ وہ قلاّبے کتنے بڑے بڑے ہوں گے
یہ بس خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ قلاّبے لوگوں کو
اُن کے اعمال کے سبب اُچک لیں گے بعض تو
اپنی بداعمالیوں کے سبب ہلاک ہوجائیں گے
اور بعض قریب ہلاکت ہوں گے اور آخر کار
بچ نکلیں گے، یہاں تک کہ خداوند عالم بندوں کا
فیصلہ کر کے فارغ ہوگا اور لوگوں کو جہنم سے
نکالنے کا ارادہ کرے گا پس جو لوگ کہ خداوند عالم
کی وحدانیت کے قائل ہوں گے اور گواہی
دینے والے ہوں گے ان کے متعلق ملائکہ کو
حکم دے گا کہ انھیں جہنم سے نکال دیں وہ
ملائکہ ایسے لوگوں کو اُن کی پیشانی کے سجدوں
کے نشان سے پہچان لیں گے اور وہ اس حال
میں ہوں گے کہ ان کی کھال جل کر ہڈی نکل
پڑی ہوگی پھر ان پر پانی چھڑکا جائے گا وہ پانی
جسے آب حیات کہا جاتا ہے پھر وہ لوگ اس طرح
اُگیں گے جیسے ترکاری یا پھول کا بیج ندی کے

فیقول: یا رب قشبنی ریحها
واحرقنی ذکاؤها فاصرف
وجهی عن النار فلا یزال یدعو اللہ
فیقول: لعلك ان اعطیتك
ان تسالنی غیره فیقول:
لا وعزتك لا اسالك غیره
فیصرف وجهه عن النار.
ثم یقول بعد ذالك: یا رب
قربنی الی الجنة فیقول: الیس
قد زعمت ان لا تسالنی
غیره؟ ویلك یا ابن آدم
ما اغدرك فلا یزال
یدعو فیقول: لعلی ان
اعطیتك ذالك تسالنی
غیره. فیقول: لا وعزتك
لا اسالك غیره فیعطی اللہ
من عهود و مواثیق ان
لا یساله غیره فیقربه
الی باب الجنة فاذا
رای ما فیها سکت
ما شاء اللہ ان یسکت

کوڑے کرکٹ میں اُگتا ہے، ایک شخص آتش جہنم
کی طرف اپنا منہ کیے ہوئے باقی بچ رہے گا
وہ کہے گا بار الٰہا جہنم کی بدبو نے مجھے زہریلا
کر دیا اور اس کے شعلوں کے بھڑکنے نے
مجھے جلا مارا میرا منہ آگ سے پھیر دے، وہ
برابر خدا سے یہی دعا کیے جائے گا۔ اس پر
خداوند عالم ارشاد فرمائے گا کہ اگر میں تیری
یہ دعا قبول کر لوں تو اس کے علاوہ اور بھی
سوال کرے گا؟ وہ کہے گا نہیں تیری عزت
کی قسم اور کوئی سوال نہیں کروں گا اس پر
خداوند عالم آتش جہنم سے اس کا منہ ہٹا دے گا
پھر وہ شخص اس کے بعد کہے گا بار الٰہا مجھے
جنت کے نزدیک کر دے خداوند عالم ارشاد
فرمائے گا تو نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ دوسری
بات کا سوال نہ کروں گا وائے ہو تجھ پر اے
فرزند آدم تو کتنا دھوکہ باز ہے مگر وہ شخص
برابر اپنے سوال کی رٹ لگائے جائے گا
اس پر خداوند عالم کہے گا اگر میں تمہارا یہ
سوال بھی پورا کر دوں تو تم اور بات کے بھی
طالب ہوگے؟ وہ شخص کہے گا نہیں اب
اس کے علاوہ اور کچھ نہ مانگوں گا، وہ خداوند عالم

ثم يقول: يا رب ادخلني الجنة. فيقول له: اوليس قد زعمت ان لا تسألني غيره؟ ويلك يا ابن آدم ما اغدرك. فيقول: يا رب لا تجعلني اشقى خلقك فلا يزال يدعو حتى يضحك (الله) فاذا ضحك منه اذن له بالدخول فيها فاذا ادخل قيل تمن من كذا فيتمنى. ثم يقال له تمن من كذا فيتمنى حتى تنقطع به الاماني. فيقول له: هذا لك ومثله معه

(الحديث)

عہد و پیمان کرے گا قسمیں کھائے گا کہ اب کوئی تیسرا سوال نہ کرے گا۔ خداوند عالم عہد پیمان لے کر اسے جنت کے دروازے سے قریب کر دے گا، جب وہ شخص جنت کی نعمتوں کو دیکھے گا تو کچھ دیر جتنی دیر خدا کی مرضی ہوگی چپ رہے گا، پھر سوال کرے گا کہ بارالہا مجھے جنت میں داخل بھی کر دے، خداوند عالم ارشاد فرمائے گا کیا تو نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ اب کسی اور بات کا سوال نہ کروں گا وائے ہو آدم کے فرزند تجھ پر تو کس قدر عہد فراموش ہے؟ وہ شخص کہے گا کہ بارالہا تو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدبخت مجھے نہ قرار دے وہ برابر سوال کیے جائے گا یہاں تک کہ اس کے سوال پر خداوند عالم کو ہنسی آجائے گی جب وہ ہنس دے گا تو جنت میں جانے کی اجازت دے دے گا، وہ جب جنت میں داخل ہو جائے گا تو ارشاد الٰہی ہوگا جس چیز کی چاہو تمنا کرو وہ تمنا کرے گا پھر کہا جائے گا اور جس جس بات کی چاہو تمنا کرو، وہ تمنا کرے گا یہاں تک کہ کوئی تمنا اور آرزو باقی نہ رہ جائے گی۔

اس پر خداوند عالم کہے گا یہ سب تمنائیں تیری پوری کی جاتی ہیں اور انھیں جیسی اور بھی تمنائیں بخشی گئیں۔

اسی جیسی ایک اور حدیث امام مسلم نے دوسری سندوں سے روایت کی ہے[1] اس کا مضمون یہ ہے کہ

ان اللہ عزوجل یاتی یوم القیامۃ ھذہ الامۃ وفیھا البر والفاجر وھو فی ادنی صورۃ من التی راوہ فیھا فیقول لھم! انا ربکم، فیقولون نعوذ باللہ منک، فیقول ھل بینکم وبینہ آیۃ فتعرفونہ بھا؟ فیقولون نعم فیکشف عن ساق فلا یبقی من کان یسجد للہ من تلقاء نفسہ الا اذن اللہ لہ بالسجود ولا یبقی من یسجد اتقاء ورئاء الا جعل اللہ ظھرہ طبقۃ واحدۃ

خداوند عالم بروز قیامت اس امت والوں کے پاس آئے گا اس امت میں نیکوکار بھی ہوں گے اور بدکار بھی، خداوند عالم بہیں اس صورت کے جس میں امت والے اسے دیکھ چکے ہوں گے گھٹیا شکل میں ہوگا وہ اُن سے کہے گا میں تمھارا پروردگار ہوں، وہ لوگ کہیں گے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے، اس پر خداوند عالم فرمائے گا کہ تمھارے اور تمھارے خدا کے درمیان کوئی نشانی بھی ہے جس سے تم اپنے خدا کو پہچانتے ہو امت والے کہیں گے ہاں - اس پر خداوند عالم اپنی پنڈلی کھول دے گا اس پر کوئی ایسا شخص جو سچے دل سے خدا کا سجدہ گزار رہا ہو باقی نہ رہے گا جسے اللہ سجدہ کرنے کی اجازت نہ دے اور جو لوگ ڈر سے یا دکھاوے کے لیے

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ [illegible] کتاب الایمان کا باب اثبات رؤیۃ المومنین ربہم فی الآخرۃ

کلما اراد ان یسجد خر علی قفاہ ثم یرفعون رؤوسھم فیرون اللہ وقد تحول فی صورتہ التی راوہ فیھا اول مرۃ فقال انا ربکم یقولون انت ربنا ثم یضرب الجسر علی جھنم الحدیث۔

سجدہ کرنے والے ہوں گے خداوند عالم اُن کی پیٹھ کو تختہ بنا دے گا جب سجدہ کرنا چاہیں گے گدی کے بل گر پڑیں گے پھر وہ لوگ سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور خدا کو دیکھیں گے کہ وہ بدل گیا اور اپنی پہلی صورت پر آ گیا جس صورت میں وہ لوگ اسے پہلے دیکھ چکے ہیں، اس پر خداوند عالم ارشاد فرمائے گا کہ میں تمھارا پروردگار ہوں۔ وہ لوگ کہیں گے ہاں تو ہمارا پروردگار ہے پھر جہنم پر پل باندھا جائے گا۔ الخ

یہ حدیث طولانی حدیث ہے، امام بخاری نے بھی اس حدیث کو صحیح بخاری میں درج کیا مگر عبارت مختصر کر کے، صحیح بخاری کے باب تفسیر سورہ نون[1] کے سلسلہ میں یہ حدیث ہے:۔

سمعت النبی یقول یکشف ربنا عن ساقہ فیسجد لہ کل مومن و مومنۃ ویبقی من یسجد فی الدنیا ریاءً و سمعۃ فیذھب لیسجد فیعود ظھرہ طبقا واحدا الخ

میں نے پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سنا کہ خداوند عالم اپنی پنڈلی کھول دے گا اس پر ہر مومن مرد اور مومنہ عورت سجدے میں گر پڑیں گے اور وہ لوگ جنھوں نے دنیا میں دکھاوے اور سنانے کے لیے سجدہ کیا ہوگا وہ بچ رہیں گے وہ سجدہ میں جانا چاہیں گے مگر اُن کی پیٹھ تختہ ہو جائیگی

یہ بڑی ہولناک حدیث ہے اس کی طرف ارباب عقل کی توجہ مبذول

---

[1] پارہ ۲۰ ص ۱۳۸

کرنا چاہتا ہوں، کیا صاحبان عقل کے نزدیک یہ ممکن و جائز ہے کہ خداوند عالم کیلئے رنگ برنگ کی صورت و شکل ہو کہ کسی شکل کو لوگ پہچانیں کسی کو نہ پہچانیں، کیا ارباب عقل صحیح سمجھتے ہیں کہ واقعاً خداوند عالم کے لیے کوئی پنڈلی ہوگی جو اس کی علامت اور نشانی ہوگی اور پنڈلی کو آخر خصوصیت کیوں حاصل ہوئی اور کوئی عضو پہچان کیلیے نہیں قرار پایا؟ کیا خداوند عالم کے لیے حرکت، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا کہ ایک مرتبہ آئے اور پھر دوسری مرتبہ آئے جائز ہے؟ کیا خداوند عالم کے لیے ہنسی ممکن ہے؟ اس حدیث کا آخر وزن ہی کیا رہتا ہے، کیا یہ حدیث حدیث پیغمبر کے مشابہ ہے؟ نہیں اور خدا کی قسم نہیں؟ جو رسول کہ آیات الٰہی کی تلاوت کرنے والا ہو تزکیہ نفوس جس کا شغل تعلیم کتاب و حکمت جس کا کام ہو اسے ان مزخرفات سے کیا واسطہ۔

کچھ رویتِ خدا کے متعلق

خداوند عالم کے ان آنکھوں سے دکھائی دینے کے متعلق اہل سنت اتفاقی و اجماعی طور پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوند عالم دنیا میں بھی دکھائی دے سکتا ہے اور آخرت میں بھی، دنیا میں اب تک دکھائی دیا تو نہیں لیکن کسی وقت بھی اس کا دکھائی دے جانا ممکن ہے آخرت میں تو وہ واقعاً دکھائی دے گا بھی مومنین و مومنات عنقریب بروز قیامت روئے زیبائے خداوند عالم کا نظارہ کریں گے اور کافر و کافرات ہمیشہ محروم رہیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اکثر حضرات اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں اس کا دکھائی دینا ممکن تو ہے مگر وہ دنیا میں دکھائی دے گا نہیں اور بعض لوگ قائل ہیں کہ انہیں دنیا میں بھی دکھائی دے سکتا ہے مجسمہ (وہ لوگ جو خدا کے لیے جسم ہونے کے قائل ہیں) وہ عقیدہ

رہے ہیں کہ ہم خداوند عالم کو بروز قیامت اس طرح دیکھیں گے کہ ہمارا تارِ نگاہ خدا کے جسم پر جا کر پڑے گا اور وہ ہمارے سامنے کھڑا ہوگا ہم بالکل اسی طرح اس کو دیکھیں گے جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، ابو ہریرہ کی حدیث کے مفہوم و مراد کی بنا پر انھیں کوئی تردد ہی نہیں اس معاملہ میں کہ وہ خدا کو بالکل اس طرح دیکھیں گے جس طرح آفتاب و ماہتاب کو دیکھتے ہیں۔

یہ مجسمہ والے تو حد سے کہیں آگے بڑھ گئے ہیں اور عقل و نقل دونوں کی مخالفت کی ہے اور جمہور امت کے اجماع کے چیتھڑے اڑا دیے ہیں، دین سے باہر ہو گئے ہیں ضروریات دین سے روگردانی کی ہے ان سے تو ہمیں کوئی بحث نہیں کرنا ہے البتہ مجسمہ کے علاوہ جمہور اہلسنت یعنی اشاعرہ جو خداوند عالم کو جسم و جسمانیات سے پاک و پاکیزہ جانتے ہیں وہ اپنے عقیدہ رویت الٰہی کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ خداوند عالم بروز قیامت اہل ایمان کی آنکھوں میں ایک ایسی مخصوص قوت پیدا کر دے گا جس کے ذریعہ وہ خدا کو دیکھ لیں گے مگر وہ دیکھنا اس طرح کا نہ ہوگا کہ تارِ نگاہ اس کے جسم پر پڑے یا خداوند عالم ہمارے آمنے سامنے ہو کسی مخصوص جگہ میں ہو کسی خاص کیفیت سے ہو مختصر یہ کہ مومنین اس دن خدا کو دیکھیں گے مگر یہ نہ پوچھو کہ کہاں اور کیونکر اور کیسے دیکھیں گے۔

یہ عقیدہ بھی باطل اور خدا کا دکھائی دینا خواہ کسی طرح بھی ہو قطعاً محال اور ناممکن! نہ تو کسی عقل میں ایسا دیدار آسکتا ہے جیسا اشاعرہ فرض کیے ہوئے ہیں نہ کسی کے لیے ایسے دیدار کا تصور ہی ممکن ہے۔ ہاں اگر خداوند عالم قیامت کے دن ہماری ان آنکھوں کے علاوہ کوئی دوسری آنکھ پیدا کر دے جو اس طرح نہ دیکھے جس طرح ہم دنیا میں دیکھتے ہیں بلکہ کوئی اور ہی آنکھ کسی اور ہی طرح دیکھنے والی ہو تو ہو سکتا ہے، مگر یہ موضوع بحث نہیں! بحث تو یہ ہے کہ ہم خدا کو بروز قیامت

یوں دیکھیں گے جس طرح ہم دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں! اور اگر اس طرح کی رویت کے وہ قائل نہیں ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نزاع ہمارے اور اُن کے درمیان صرف لفظی ہے۔

(۳) جہنم اُس وقت تک نہ بھرے گا جبتک خداوند عالم اس میں اپنا پیر نہ ڈالے!

بخاری و مسلم دونوں نے بطریق عبدالرزاق معمر سے انھوں نے ہمام سے انھوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے :-

قال: قال النبی تحاجت الجنة والنار فقالت النار اوثرت بالمتکبرین والمتجبرین! وقالت الجنة امالی یدخلنی الاضعفاء الناس وسقطتهم! قال الله تبارك وتعالی للجنة! انت رحمتی ارحم بك من اشاء من عبادی، وقال للنار انما انت عذاب اعذب بك من اشاء من عبادی ولکل واحدة منهما ملؤها، فاما النار فلا تمتلی حتی یضع رجله فیقول

پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ جنت و جہنم میں باہم بحث ہوئی۔ جہنم نے کہا میری فضیلت کا کیا کہنا مجھ میں بڑے بڑے منکر اور سرکش لوگ ہیں۔ جنت نے کہا میں اپنا حال کیا کہوں کمزور و ذلیل لوگ ہی میرے اندر داخل ہوتے ہیں، خداوند عالم نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں اپنے جس بندے پر رحم کرنا چاہتا ہوں تیرے ہی ذریعہ رحم کرتا ہوں اور جہنم سے فرمایا تو عذاب ہے، میں جس بندے پر غضبناک ہوتا ہوں تیرے ہی ذریعہ اس پر عذاب کرتا ہوں۔ اور جنت و جہنم دونوں کی شکم پُری ہوگی، جہنم تو اس وقت تک بھرے ہی گا نہیں جب تک خداوند عالم اپنا پیر اس میں نہ ڈال دے۔ جب خداوند عالم اپنا پیر اس میں ڈالے گا تو جہنم کہے گا بس بس۔ اس وقت وہ

قط قط فهناك تمتلئ ويزوى بعضها الى بعض الحديث[۱] ۔	بھر جائے گا اور اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے مل جائے گا ۔

سچ تو یہ ہے کہ ابوہریرہ نے ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی ۔ ایک سے ایک بڑھ کر شگوفے کھلائے ہیں ، ابوہریرہ نے سوچا ہوگا اتنا بڑا جہنم بھلا عاصیوں سے کیا بھرے گا، پھر خداوندعالم کے اس قول پر نظر پڑی ہوگی جس میں خداوندعالم نے جہنم کے بھرے جانے کی خبر دی ہے قال فالحق والحق اقول لاملان جهنم میں جہنم کو بھر کے رہوں گا ، لہٰذا ابوہریرہ اس دوراہے پر ششدر وحیران ٹھہرے ہوں گے اس سوچ میں کہ دونوں باتوں کو جمع کیسے کیا جائے ایک طرف اپنی دماغی اپج کہ بھلا جہنم اور عاصیوں سے بھر جائے دوسری طرف آیت قرآنی کا اعلان کہ خداوندعالم جہنم کو بھر کے رہے گا تو انھوں نے اس گتھی کا سلجھاؤ یہ نکالا کہ خداوندعالم اپنا پیر جہنم میں ڈال دے گا ۔ بڑی دور کی کوڑی لائے ، ابوہریرہ اپنے دل میں سوچے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا پیر یقیناً بہت بڑا جہنم سے بھی بڑا ہوگا ۔ جہنم چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا پھر بھی اللہ کے پیر کے مقابلے میں اس کی کیا بساط اور جب اللہ اس میں اپنا پیر ڈال دے گا تو یقیناً پورم پور لبریز ہو جائے گا ، اپنے خیال میں انھوں نے جہنم کو بھر دیا مگر افسوس کہ انھوں نے آیت پر پوری طرح غور نہیں کیا قال فالحق والحق اقول لاملئن جهنم منك وممن تبعك منهم اجمعين میں یقیناً جہنم کو تجھ سے اور تیرے تمام پیروؤں سے بھر دوں گا ۔ اگر اس آیت پر غور کیے ہوتے تو اپنی زبان کو روکتے اور اپنی گدڑی ہی میں منہ چھپائے رہتے ۔ آیت الٰہی میں صراحت ہے کہ جہنم کا بھرنا انھیں ایسے لوگوں سے ہوگا یعنی شیاطین اور شیاطین کے شرکا اولاد آدم ۔

---

[۱] صحیح بخاری پارہ ۳۰ صفحہ ۱۲۷ تفسیر سورہ ق صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۸۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۱۴

غور تو فرمائیے کہ رکاکت کی کوئی انتہا بھی ہے، عقلاً یا شرعاً کسی حیثیت سے بھی یہ حدیث صحیح سمجھی جا سکتی ہے، کوئی ایمان والا یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ خدا کے کوئی پیر ہے۔ کوئی عاقل اس کی تصدیق کر سکتا ہے کہ خداوندعالم محض جہنم کو بھرنے کے لیے اپنے پیر جہنم میں ڈال دے گا۔ اس حدیث کو بیان کرنے میں آخر کون سا فائدہ کون سی حکمت پوشیدہ تھی یہ مہمل و رکیک بات وزن ہی کیا رکھتی ہے یہ جنت و جہنم کس زبان میں تکرار کریں گے کس حواس کے ذریعہ کس شعور کے واسطہ سے جہنم نے اپنے کو بڑا اور بہتر سمجھا اور جنت اپنی کمتری پر پشیمان ہوئی، جہنم نے کیوں محسوس کیا کہ مجھ میں بڑے لوگ ہیں، بددماغ و متکبر اور سرکش انسان کو کون سی فضیلت حاصل ہے جس کی وجہ سے جہنم نے فخر کیا کہ مجھ میں بڑے بڑے متکبرین اور سرکش لوگ ہیں، جبکہ وہ بددماغ اور سرکش اسفل السافلین میں ہوں گے اور جنت نے کیونکر خیال کیا کہ اس کے اندر جگہ پانے والے کمزور اور پست طبقہ کے لوگ ہیں جبکہ امر واقعہ یہ ہو کہ جنت میں وہ انبیاء، اولیا صدیقین و شہدا و صالحین ہوں گے، کوئی انسان یہ سوچ سکتا ہے کہ جنت و جہنم، جہالت و حماقت کے اس درجے پر پہنچ جائیں گے۔

(۴) خداوند عالم کا ہر شب آسمان دنیا پر اُترنا

بخاری و مسلم نے بطریق ابن شہاب ابوعبداللہ الاغر اور ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے انھوں نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

قال ینزل ربنا کل لیلۃ الی سماء الدنیا حین یبقی الثلث الاخیر یقول

ابوہریرہ راوی ہیں کہ ہمارا پروردگار ہر رات جب ایک پہر رات رہ جاتی ہے آسمان دنیا پر اُترتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے جو مجھ سے دعا

من یدعونی فاستجیب لہ (الحدیث)[1] | کرے گا میں اس کی دعا قبول کروں گا۔

خداوند عالم اُترنے چڑھنے، آنے جانے، حرکت و انتقال اور جملہ عوارض و حوادث سے پاک و منزہ ہے۔ یہ حدیث اور اس کے پہلے کی تینوں حدیثوں ہی سے اسلام میں عقیدہ تجسّم کا شگوفہ پھوٹا، جاہل مسلمانوں نے ابوہریرہ کی انھیں مفتریات سے خداوند عالم کو بھی ایسا ہی جسم و اعضا و جوارح والا قرار دیا جیسے ہم آپ جسم والے ہیں۔ اس عقیدہ تجسّم کی وجہ سے فرقہ حنابلہ نے طرح طرح کی بدعتیں اور گمراہیاں پھیلائیں، خصوصاً ابن تیمیہ تو سب پر سبقت لے گئے، یہ دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے کھڑے ہوئے تو اپنی جہلات کے سلسلے میں یہ بھی بولے کہ ان اللہ ینزل الی سماء الدنیا کنزولی ھذا، خداوند عالم آسمان دنیا پر یوں اُترتا ہے جس طرح میں اس زینہ سے اترتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک زینہ نیچے اتر کر مثال بھی دے دی کہ فرضی طور پر نہیں بلکہ حقیقتاً خدا چڑھتا اُترتا ہے۔ اس پر مالکی فرقہ کے ایک فقیہ نے جو ابن زہراء کے نام سے مشہور تھے اعتراض کیا اور ان کی باتوں کی سختی سے رد کی اس پر عوام ان پر ٹوٹ پڑے ہاتھوں سے اور جوتیوں سے بڑی مار ماری اور انھیں حنبلیوں کے قاضی عزالدین بن مسلم کے پاس پکڑ کر لے گئے، قاضی صاحب نے اس غریب فقیہ کو قید کی سزا دی اور قید میں بھی انھیں کافی اذیتیں دی گئیں۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۴ ص ۶۸ باب الدعا نصف اللیل کتاب الدعوات، و ج ۱ ص ۱۳۶ باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل۔ کتاب الکسوف۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۳ باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل مسند ج ۲ ص ۲۵۸

[2] ابن بطوطہ نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا اور اپنی کتاب رحلت ابن بطوطہ ج ۱ ص ۵۷ میں درج کیا ہے۔

۵ جناب سلیمان کا اپنے پدر بزرگوار جناب داؤد کے فیصلہ کو توڑ دینا

بخاری و مسلم[1] نے بسلسلۂ اسناد ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:-

قال کانت امرأتان معهما ابناهما جاء الذئب فذهب بابن احداهما فقالت صاحبتها: انما ذهب بابنك وقالت اخری انما ذهب بابنك فتحاكمتا الی داود فقضی به للكبری فخرجتا علی سلیمان بن داؤد علیهما السلام فاخبرتاه فقال ائتونی بالسكین اشقه بینهما فقالت الصغری لا تفعل یرحمك الله هو ابنها فقضی به للصغری قال ابوهریرة: والله ان سمعت بالسكین الا یومئذ

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں تھیں اور ہر ایک کے پاس ایک ایک لڑکا تھا بھیڑیا آیا اور ایک بچے کو اُٹھا کر لے گیا اس پر ایک عورت نے کہا بھیڑیا تمھارے بچے کو لے گیا ہے میرا بچہ محفوظ ہے۔ دوسری نے کہا نہیں تمھارے بچے کو لے گیا یہ بچہ میرا بچہ ہے آخر کار دونوں فیصلہ کے لیے جناب داؤد کے پاس گئیں۔ جناب داؤد نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ صادر کیا جو بچہ بچ گیا تھا بڑی کو دلوا دیا اور چھوٹی کو محروم کیا وہ دونوں عورتیں جناب داؤد کے پاس سے چل کر جناب سلیمان کے پاس آئیں اور اپنے مقدمہ کی روئداد سُنائی جناب سلیمان نے کہا میرے پاس سکین (چھری) لاؤ تاکہ میں اس بچے کو دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا دونوں میں بانٹ دوں۔ اس پر چھوٹی عورت نے کہا ایسا نہ کیجیے خدا آپ کا بھلا کرے یہ بچہ بڑی ہی کو دے دیجیے۔ اس پر جناب سلیمان نے فیصلہ کیا کہ،

[1] صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۱۶۶ باب قولہ تعالیٰ ووھبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب، کتاب بدء الخلق
صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۵۵ باب بیان اختلاف المجتہدین۔ کتاب الاقضیہ۔ مسند جلد ۲ صفحہ ۳۲۲

وماکنا نقول الا المدیۃ الخ	بچہ بڑی کا نہیں چھوٹی کا ہے اور جو بچہ بھیڑیا لے گیا وہی بڑی کا تھا، ابو ہریرہ کہتے ہیں خدا کی قسم میں نے سکین کی لفظ اسی دن اس حدیث کے سلسلہ میں سنی ورنہ ہم لوگ تو مدیہ (چھری) کہا کرتے تھے۔

یہ حدیث کئی وجہوں سے قابل بحث ہے۔

(۱) جناب داؤد روئے زمین پر خلیفۂ الٰہی تھے اور بندوں کے لیے نبی مرسل، خداوند عالم نے جناب داؤد کو تاکید کر رکھی تھی کہ لوگوں کے مقدمات کا درست فیصلہ فرمایا کریں چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

یاداود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق۔	اے داؤد ہم نے تمھیں زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے تم لوگوں کے مقدمات کا حق فیصلہ کیا کرو۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں جناب داؤد کی بڑی مدح وثنا فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔

واذکر عبدنا داود ذاالاید انہ اواب۔ ازا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورۃ کل لہ اواب وشددنا ملکہ واتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب۔!!	اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو بڑے قوت والے تھے (مگر صبر کیا) بے شک (ہماری بارگاہ میں) وہ بڑے رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو بھی تابعدار بنا دیا تھا کہ ان کے ساتھ صبح اور شام خدا کی تسبیح کرتے تھے اور پرند بھی (یاد خدا کے وقت سمٹ آتے تھے اور ان کے فرمانبردار تھے اور ہم نے ان کی

"وان لہ عندنا لزلفی وحسن ماب"

سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے اُن کو حکمت اور بحث کی قوت عطا کی تھی۔

اور اس میں شک نہیں کہ ہماری بارگاہ میں ان کا تقرب اور اچھا انجام ہے

"ولقد فضلنا بعض النبین علی بعض واتینا داود زبورا۔"

بہ تحقیق ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔

تو جناب داؤد وہ منتخب برگزیدہ انسان تھے جنھیں خداوند عالم نے زبور دے کر اس زمانہ کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی اور وہ ہر خطا سے قطعاً معصوم تھے خصوصاً فیصلہ مقدمات واحکام میں کیونکہ خداوند عالم کا صریحی ارشاد ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الظالمون جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں یقیناً وہی ظالم ہیں لہذا داؤد جو معصوم تھے، نبی مرسل تھے، صاحب کتاب تھے وہ خدا کے احکام کے برخلاف کیونکہ فیصلہ کر سکتے تھے، جناب داؤد کے صاحبزادے سلیمان، اپنے باپ کے علوم و حکمت کے وارث تھے وہ بھی نبی معصوم تھے، لہذا کیونکر ممکن ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کا کیا ہوا فیصلہ توڑا ہو، جناب سلیمان سے بڑھ کر داؤد کی عصمت کی معرفت کیسے ہو سکتی ہے؟ سلیمان سے بڑھ کر داؤد کے فیصلوں کی درستی و صحت کون جان سکتا ہے؟

اگر آج کوئی قاضی شریعت حاکم، جو حکومت شرعیہ کے شرائط کا جامع بھی ہو دو شخصوں کے باہمی نزاع پر فیصلہ صادر کرے تو تمام حکام شرع پر لازم ہوگا کہ اس کے فیصلہ کو بغیر کسی توقف کے صحیح تسلیم کریں سوا اس کے کہ قاضی شریعت کی غلطی و لغزش یقینی طور پر معلوم ہو جائے مگر وہاں داؤد و سلیمان کے معاملہ میں تو خطا کا تصور ہی

نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں نبی اور دونوں معصوم اس لیے کہ جملہ انبیا معصوم لہذا
بلحاظ جو خود بھی نبی تھے اُن کے بیٹے ناممکن تھا کہ وہ باپ اور ایسے باپ جسے
خداوند عالم نے منتخب روزگار قرار دیا ہو اور بندوں میں رسول بنا کر بھیجا ہو اور
ان کو مقدمات کے فیصلہ پر مامور کیا ہو۔ کے فیصلہ کو غلط قرار دیں کیونکہ داؤد کے
فیصلہ کو ٹھکرانا درحقیقت خدا پر معترض ہونا تھا کہ اس نے ایسے خطار کو نبی و حاکم
بنا کر بھیجا، باپ کا سوء ادب اور نافرمانی جو ہوگی وہ تو علیحدہ ہے۔

(۲) یہ حدیث صریحی طور پر بتاتی ہے کہ باپ بیٹے دونوں کے فیصلے ایک
دوسرے کے برعکس تھے داؤد نے بڑی کے حق میں ڈگری دی اور سلیمان نے چھوٹی
کے حق میں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی نہ کوئی غلطی پر ضرور تھا
یا داؤد غلطی پر تھے یا سلیمان غلطی پر تھے اور نبی سے غلطی و خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے
خصوصاً فیصلہ مقدمات میں تو قطعی طور پر محال کیونکہ ارشاد الٰہی ہے ومن لم
یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون۔ جو لوگ خدا کے نازل کردہ
احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں گے وہی فاسق ہیں۔ لہذا انبیا اگر غلط فیصلہ کرنے لگے
مرتکب ہوں گے تو فاسق ٹھہریں گے اور فاسق شخص معصوم ہوگا نہ نبی۔

(۳) اس حدیث سے ظاہری طور پر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جناب داؤد نے
بڑی کے حق میں جو ڈگری دی وہ بغیر کسی ثبوت و دلیل کے سوا اس کے کہ وہ بڑی
تھی اور بغیر دلیل و ثبوت ایسا ہی شخص کسی مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے جو قاعدہ و
قانون سے ناواقف، احکام مذہبی سے بالکل جاہل ہو اور انبیاء کرام کا ناواقف
قوانین شرع و جاہل احکام مذہبی ہونا ہرگز ممکن نہیں۔

(۴) حیرت بالائے حیرت یہ کہ بھلا کون ایسا احمق ہوگا جو ابوہریرہ کے
بکنے کو سچا سمجھے کہ ہم لوگوں نے سکین کی لفظ اسی حدیث کے سلسلہ میں سنی۔ ورنہ

اس سے پہلے ہم لوگ مُدیہ کہا کرتے تھے۔ لطیفہ یہ کہ سکین کی لفظ ہمیشہ سے عرب کے اکثر گھرانوں میں مستعمل رہی ہے بہ سے زیادہ سکین کی لفظ ہی چھری کے واسطے بولی جاتی تھی۔ ہمارا تو خیال ہے کہ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو سکین کے معنی نہ جانتا ہو بخلاف لفظ مدیہ کے کہ زیادہ تر عوام اس لفظ سے ناآشنا ہیں۔ مزید براں معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ نے کلام مجید کی سورہ یوسف کی آیت نہ تو خود کبھی تلاوت کی نہ کسی کو تلاوت کرتے ہی سُنا واتت کل واحد منھن سکینا[۱] زلیخا نے ہر ایک عورت کے ہاتھ میں ایک چھری دے دی۔

نیز معلوم ہوتا ہے انھوں نے پیغمبرؐ کی یہ حدیث بھی کبھی نہیں سنی من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین۔ جو شخص لوگوں کے مقدمات کے لیے قاضی مقرر کیا گیا وہ بغیر چھری ہی کے حلال ہوا[۲]۔

اس حدیث کو اختراع کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟

قصہ یہ ہے کہ اس سے ملتے جُلتے ایک مقدمہ کی سرگذشت خداوند عالم نے قرآن مجید میں بیان کی ہے جبکہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو نقصان پہنچایا دونوں نے اپنا مقدمہ جناب داؤدؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ جناب داؤدؑ نے کھیت والے کے حق میں فیصلہ کیا اور

---

[۱] سورہ یوسف جس کی یہ آیت ہے کل کی کل مکہ میں نازل ہوا سوا چار آیتوں کے تین آیتیں بالکل شروع کی چوتھی لقد کان فی یوسف واخوتہ ایات للسائلین یہ مدینہ میں نازل ہوئیں ابوہریرہ اس سورہ کے نازل ہونے کے مدتوں بعد مسلمان ہوئے تقریباً برس بعد یہ آیات ہر مسلمان کو یاد تھیں اور صبح و شام تلاوت کی جاتی تھیں یقیناً ابوہریرہ نے ان آیات کو مسلمانوں سے نماز وغیر نماز ہر حالت میں پڑھتے سنا ہوگا۔

[۲] مسند جلد ۲ صفحہ ۲۳۰

اور جناب سلیمان نے بحکم الٰہی دوسرا فیصلہ کیا۔ بظاہر دونوں فیصلے ایک دوسرے کے برعکس تھے، تو اسی کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے جی سے ایک قصہ گڑھا اور اسی بنیاد پر ایک حدیث پیغمبرؐ کی طرف سے بیان کر دی اس امید میں کہ جب کلام مجید میں ایسا ہی ایک قصہ موجود ہے تو میری ہوائی بھی چل جائے گی مگر ابوہریرہ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ کلام مجید میں جو واقعہ مذکور ہے اس میں جناب داؤد بھی حق پر تھے اور جناب سلیمان بھی برحق اور دونوں باپ بیٹوں کے فیصلے منجانب اللہ اور اسی کے تعلیم کیے ہوئے تھے دونوں کا علم علم لدنی تھا۔

مختصر لفظوں میں اس واقعہ کی روئداد یہ ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت میں رات کے وقت سما گئیں وہ انگور کا تختہ تھا جس کے خوشے نکل آئے تھے وہ بکری اُن خوشوں کو چر گئی، کھیت اور بکری والے دونوں جناب داؤد کے پاس گئے۔ اس وقت بلحاظ احکام شرعیہ وحی الٰہی صحیح فیصلہ یہ تھا کہ بکری کھیت والے کو دلوادی جائے کیونکہ بکری کی قیمت تقریباً اتنی ہی تھی جتنا کھیت کا نقصان ہوا تھا۔ جناب داؤد نے جب یہ فیصلہ کرنا چاہا تو خداوند عالم نے اس حکم کو جناب سلیمان (کہ وہ بھی شریک نبوت تھے) کے ذریعہ منسوخ کر دیا اور انھیں یہ سمجھا دیا کہ اب اس قسم کے واقعہ میں حکم یہ ہو گیا ہے کہ وہ بکری کھیت والے کو دلوادی جائے کہ وہ اس کے دودھ، بالوں سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت بکری والے کے حوالہ کر دیا جائے کہ وہ اس کو جوتتے بوتے یہاں تک کہ وہ پھل پھول کر پہلے جیسا ہو جائے اس وقت کھیت والا کھیت لے لے اور بکری والا بکری لے لے۔ تو پہلے حکم کے مطابق کھیت کے نقصان کے عوض بکری والا بکری سے محروم ہو جاتا مگر اس تازہ فیصلہ سے خداوند عالم نے

---

[۱] جیسا کہ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے۔

کھیت والے کو حق دیا ہے کہ بکری سے اتنا فائدہ اٹھائے جتنا اس بکری نے اس کے کھیت میں نقصان پہنچایا ہے بغیر اس کے کہ بکری والے کو اپنے مال سے محروم ہونا پڑے اور بکری والے پر ڈگری دی کہ وہ کھیت میں اس وقت تک کام کرے جب تک کہ کھیت میں جتنا نقصان ہو چکا تھا پورا نہ ہو جائے۔ جب خداوند عالم نے جناب سلیمان کو یہ بات سمجھائی تو انھوں نے اپنے والد بزرگوار جناب داؤد کے سامنے اس چیز کو پیش کیا۔ جناب داؤد نے جناب سلیمان کے فیصلہ کو جو منجانب وحی الٰہی تھا برقرار رکھا اور وہی فیصلہ صادر فرمایا۔ یہ ہے مختصر قصہ اس میں نہ کوئی تناقض ہے نہ اختلاف دونوں فیصلے خدا ہی کے کیے ہوئے تھے دوسرا ناسخ تھا پہلا منسوخ۔ میں کلام مجید کی آیت ذکر کرتا ہوں جس سے آپ پر حقیقت اچھی طرح روشن ہو جائے گی۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا لحکمھم شاھدین ففھمناھا[1] سلیمان وکلا اٰتیناہ حکما وعلما وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر وکنا فاعلین۔	داؤد وسلیمان جبکہ وہ کھیت کے مقدمہ کا فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اس کھیت میں دوسرے کی بکریاں رات کے وقت گھس گئی تھیں۔ ہم اُن کے فیصلوں کے نگراں تھے۔ پس ہم نے سلیمان کو یہ تازہ فیصلہ سمجھا دیا اور وہ پہلے فیصلہ کا جو اس دن سے قبل داؤد جانتے تھے ناسخ ہوا ہم نے داؤد و سلیمان دونوں کو اپنی حکمت اور علم سے مالا مال کیا اور داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کیا وہ تسبیح پڑھتے تھے اور طائروں کو اور ہم ایسا کرنے والے تھے ہی۔

[1] یعنی ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور یہ اس فیصلہ کا جو ہم نے داؤد کو پہلے سمجھایا تھا ناسخ ہوا۔

غور فرمائیے خداوند عالم کے اس ارشاد پر کہ وکلاً آتینا حکما وعلما

ہم نے دونوں کو علم و حکمت سے مالا مال کیا یہ ارشاد الٰہی صریحی نص ہے کہ

دونوں کے دونوں راستی و درستی پر تھے اور دونوں کے فیصلے اور علم خدا ہی کی طرف

سے اور خدا ہی کے تعلیم کردہ تھے۔

ابو ہریرہ نے سوچا ہوگا کہ انبیا بھی اپنے اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کیا

کرتے ہوں گے اور چونکہ اجتہاد میں خطا بھی ہو جاتی ہے اس لیے جناب داؤد بھی

خطا کر گئے۔

انبیاء کرام کی حیثیت ایسوں ہی نے خاک میں ملائی کہ وہ انبیا جن پر وحی

الٰہی نازل ہوتی ہے ملائکہ جن کے پاس حاضر ہوا کرتے ہیں جنھیں یقینی اور قطعی علم

بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے انھیں بھی معمولی انسانوں جیسا سمجھا کہ وہ شرعی احکام میں

اجتہاد فرمایا کریں اور ظن پر عمل پیرا ہوں اور جس طرح مجتہدین خطا کر جاتے ہیں اسی طرح

انبیاء بھی شرعی فیصلوں میں احکام الٰہیہ میں خطا کرتے ہیں۔ اگر کچھ فہم غور کریں تو انھیں

اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ انبیاء کے لیے اپنے اجتہاد پر عمل کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ

ظاہر ہے کہ اجتہاد کے ذریعہ کسی بات کا محض ظن و گمان ہی حاصل ہوتا ہے

قطعی علم ہرگز نہیں اور انبیا ظن و گمان پر اعتماد کر ہی نہیں سکتے کیونکہ وحی کے

ذریعہ جب قطعی علم حاصل ہو جائے تو پھر ظن و تخمین کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اجتہاد پر عمل کرنا یہ تو مجتہدین کے لیے، عام امتی افراد کے لیے ہے کیونکہ ان پر

وحی الٰہی تو نازل نہیں ہوتی ملائکہ آتے نہیں کہ قطعی علم حاصل ہو سکے اُن کے

بس میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا ہے کہ وہ خود غور و فکر کر کے اجتہاد سے کام لے کر

عمل پیرا ہوں۔

اگر انبیاء کے لیے اجتہاد جائز ہوتا تو یہ بھی درست ہوتا کہ امت کے مجتہدین

انبیاء کے منہ آتے معترض ہوتے کہ آپ نے یہ جو خدا کا حکم بتایا ہے یہ غلط ہے اس میں آپ کے اجتہاد سے خطا واقع ہو گئی ہے ہمارا اجتہاد یہ کہتا ہے اور اس وقت ظاہر ہے کہ نبوت کی کتنی مٹی پلید ہوتی انبیاء کی کوئی وقعت ہی باقی نہ رہ جاتی؛ کوئی ان کی اطاعت کرتا نہ پیروی اور بھلا کوئی مومن جو مجتہد بھی ہو اس کی مجال ہو سکتی ہے کہ نبی پر معترض ہو اور اس کے حکم کو رد کر دے معاذاللہ یہ قطعاً کفر ہے۔

مزید براں قرآن مجید صریحاً بتاتا ہے کہ حضرت پیغمبر خدا محض وحی ہی پر عمل کیا کرتے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی اسی طرح دیگر انبیاء و مرسلین بھی وحی الٰہی ہی کے تابع تھے

(۶) جناب سلیمان کا ایک شب میں سَو عورتوں کے پاس جانا

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال: قال سلیمان بن داود لاطوفن اللیلة بمائة امرأة! تلد کل امرأة غلاما! یقاتل فی سبیل اللہ فقال لہ الملک! قل انشاء اللہ فلم یقل!! فاطاف بھن! فلم تلد منھن الا امرأة نصف انسان! (قال ابوھریرة) قال النبی لو قال انشاء اللہ

ابوہریرہ راوی ہیں کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا جناب سلیمان پیغمبرؐ نے کہا کہ میں آج کی رات سَو عورتوں کے پاس جاؤں گا، ہر عورت کے یہاں ایک ایک بچہ پیدا ہو گا جو جوان ہو کر راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے کہا انشاءاللہ کہیے مگر جناب سلیمان نے انشاءاللہ نہیں کہا، آپ سَو عورتوں کے پاس گئے مگر کسی کے بچہ نہیں ہوا ایک عورت کے ہوا بھی تو ایسا بچہ جو آدھا انسان تھا (ابوہریرہ کہتے ہیں کہ) پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر جناب سلیمان انشاءاللہ کہے ہوتے تو

...حنث وکان ادراکا لحاجتہ۔ | آپ کی قسم جھوٹی نہ ہوتی اور آپ کا تخیل تمنا یقیناً باور ہوتا۔

اس حدیث پر چند اعتراضات ہیں:۔

(۱) انسانی قوت کے بس میں نہیں کہ ایک شب میں سو عورتوں کے پاس جا سکے چاہے وہ انسان کتنا ہی قوت والا کیوں نہ ہو، لہذا ابوہریرہ نے جناب سلیمان کے متعلق جو بیان کیا وہ فطرت انسانی کے خلاف ہے ایسا واقع ہونا کبھی ممکن ہی نہیں۔

(۲) سلیمان پیغمبر کے لیے قطعاً جائز نہ تھا کہ وہ مشیت الٰہی سے گریز کریں اور اپنی تمناؤں کو مشیت الٰہی پر معلق نہ کریں اور وہ بھی اس وقت جبکہ ایک فرشتہ بھی یاد دہانی کر رہا ہو۔ جناب سلیمان کو انشاء اللہ کہنے سے مانع کیا چیز تھی معاذ اللہ کیا بے کر شان سمجھتے تھے؟ انشاء اللہ کہنا مہمل و بیکار جانتے تھے؟ اس کی اہمیت کے منکر تھے؟

جناب سلیمان تو خدا کی طرف دعوت دینے والوں، راہبری کرنے والوں میں سے تھے۔ ایسی لاپروائی تو خدا سے روگردان و غافل افراد ہی کر سکتے ہیں جو یہ نہ جانتے ہوں کہ تمام امور خداوند عالم کے ہاتھوں میں ہیں جو وہ چاہے گا وہی ہوگا اور جو نہ چاہے گا وہ کبھی نہ ہوگا۔ انبیاء کرام نہ غافل ہیں نہ جاہل۔

(۳) ابوہریرہ نے بیویوں کی تعداد میں اوٹ پٹانگ باتیں کہی ہیں کبھی اور کسی حدیث میں تو انھوں نے یہ کہا کہ وہ سو عورتیں تھیں جیسا کہ آپ مذکورۂ بالا حدیث میں سن چکے۔ کبھی انھوں نے بیان کیا ہے ۹۰ عورتیں تھیں[۲]، کبھی یہ کہا کہ

---

[۱] صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۷۶ باب قول الرجل لاطوفن اللیلۃ علی نسائی، کتاب النکاح مسند جلد ۲ ص ۲۲۹ و ص ۲۷۰ [۲] صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۰۰ باب الاستثناء فی الایمان کتاب الایمان والنذور

۷۰ عورتیں تھیں اور کبھی یہ کہا کہ ۶۰ عورتیں تھیں اور یہ تمام روایتیں جس میں ۱۰۰، ۹۰، ۷۰، ۶۰ عورتوں کا ذکر ہے صحیح بخاری میں بھی ہیں اور صحیح مسلم میں بھی اور مسند احمد میں بھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان مختلف و متضاد اقوال کے متعلق ابوہریرہ کی طرف سے کیا عذرخواہی کی جائے گی۔ کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ حادثہ جناب سلیمان سے کئی مرتبہ وقوع میں آیا؟ کسی رات سو عورتوں کے پاس گئے، کسی رات ۹۰ عورتوں کے پاس گئے، کسی رات ۷۰ اور کسی رات ۶۰ عورتوں کے پاس اور ہر مرتبہ ہر بار فرشتہ متنبہ کرتا رہا اور پھر بھی جناب سلیمان انشاءاللہ نہ کہتے ہوں۔ میرا تو خیال ہے کہ کوئی بھی یہ کہنے پر تیار نہ ہوگا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ع دروغ گو را حافظہ نہ باشد

⑦ جناب موسیٰ نے ملک الموت کی آنکھ پھوڑ ڈالی

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال جاء ملك الموت الى موسیٰ فقال له اجب ربك قال فلطم موسى عين ملك الموت ففقاها، قال فرجع الملك الى الله تعالى فقال انك ارسلتنى الى عبد لك لا يريد الموت ففقا عينى قال فرد الله اليه عينه

ابوہریرہ راوی ہیں کہ ملک الموت جناب موسیٰ کے پاس آئے اور کہا چلیے اپنے پروردگار کے پاس کہ آپ کی بلاہٹ ہے۔ جناب موسیٰ نے ملک الموت کو ایک تھپڑ رسید کیا کہ ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ ملک الموت اللہ کے پاس واپس گئے اور جا کر کہا کہ خداوندا تو نے مجھے ایسے بندے کی روح قبض کرنے کو بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتا

سلہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۶۵ باب قولہ تعالیٰ ووھبنا لداود سلیمان نعم العبد انہ اواب۔ کتاب بدء الخلق

سلہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳ کتاب الایمان۔ باب الاستثنا۔ امام مسلم نے اسی باب میں دوسری حدیث ابوہریرہ کی ستر عورتوں والی نیز تیسری روایت ۹۰ عورتوں والی بھی لکھی ہے ۱۲

وقال ارجع الی عبدی ! فقل الحیاۃ ترید فان کنت ترید الحیاۃ فضع یدک علی متن ثور ! فما توارت بیدک من شعرۃ فانک تعیش بھا سنۃ[1] الحدیث

بلکہ الٹی میری آنکھ پھوڑ دی ۔ خداوند عالم نے ملک الموت کی آنکھ پھر سے ٹھیک کر دی اور کہا اب پھر میرے بندے کے پاس جاؤ اور کہو کیا تم زندہ رہنا چاہتے ہو ؟ اگر واقعاً یہ خواہش ہے تو اس بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھو جتنے بال تمہارے ہاتھ تلے ڈھک جائیں گے تم اس دنیا میں اتنے ہی دن اور زندہ رہوگے

امام احمد نے اپنی مسند میں ابو ہریرہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کی لفظیں یہ ہیں ۔

ان ملک الموت کان یاتی الناس عیانا فاتی موسی فلطمہ ففقأ عینہ ۔ الحدیث[2]

ملک الموت لوگوں کی روح قبض کرنے ظاہر بظاہر کھلے بندوں آتے تھے چنانچہ اسی طرح جناب موسیٰ کی روح قبض کرنے بھی آئے انھوں نے ایک تھپیڑ مار دیا جس سے ان کی ایک آنکھ ہی پھوٹ گئی ۔

مورخ اعظم ابن جریر طبری نے تاریخ طبری[3] جلد اول میں ابو ہریرہ سے جو روایت کی ہے اس کی لفظیں یہ ہیں :-

ان ملک الموت کان یاتی الناس عیانا حتی اتی موسی فلطمہ ففقا عینہ

ملک الموت لوگوں کی روح قبض کرنے کھلم کھلا آتے تھے یہاں تک کہ جناب موسیٰ کی روح قبض کرنے بھی آئے جناب موسیٰ نے ایک طمانچہ مار دیا اور

---

[1] صحیح مسلم باب فضائل موسیٰ جلد ۲ صفحہ ۳۰۹ کتاب الفضائل ۔ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب وفاۃ موسیٰ ج ۲ صفحہ ۱۶۳ وجلد ۱ صفحہ ۱۵۸ باب من احب الدفن فی الارض المقدسہ [2] مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ [3] جہاں علامہ طبری نے جناب موسیٰ کی وفات کا ذکر کیا ہے ۔

وفی اٰخرہ ان ملک الموت جاء الی الناس خفیا بعد وفات موسیٰ[1]

اُن کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ آخری ٹکڑا اس حدیث کا یہ ہے کہ جناب موسیٰ کے بعد پھر ملک الموت کی ہمت نہیں ہوئی کہ ظاہر بظاہر کسی کی روح قبض کرنے آئیں اُس دن سے چھپ کر آنے لگے۔

غور فرمائیے ذرا اس حدیث میں کتنی باتیں ابوہریرہ نے ایسی بیان کی ہیں جو نہ خدا کے لیے قطعاً جائز ہو سکتی ہیں نہ انبیاء کے لیے نہ ملائکہ کے لیے۔ کیا خدا کے لیے یہ بات کسی طرح مناسب ہو سکتی ہے؟ کہ وہ اپنے بندوں میں ایسے شخص کو نبی و رسول منتخب کرے جو جابر و سرکش افراد کی طرح غصہ میں آپے سے باہر ہو جائے اور موقع و بے موقع اپنا رعب و دبدبہ دکھاتا پھرے یہاں تک کہ ملائکہ مقربین پر بھی ہاتھ جھاڑ دے اور اُجڈ، اکھڑ، گنوار آدمی جیسے کام کرے اور جاہلوں کی طرح مَوت سے بھاگے۔ بھلا جناب موسیٰ کے لیے یہ بات کبھی مناسب ہو سکتی تھی، وہ موسیٰ جنھیں خداوند عالم نے اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا، اپنی وحی کا امانت دار بنایا، شرف ہمکلامی سے ممتاز کیا اور انبیاء و مرسلین کا سید و سردار بنایا؟ اور کیونکر وہ موت سے اتنی کراہیت کر سکتے تھے جبکہ وہ اتنی بلند منزل پر فائز تھے جتنی بلند منزل کم تر نبیوں کو ملی، قرب الٰہی اور دیدار جلوۂ محبوب کی اتنی رغبت و تمنا رکھتے تھے جو سب کو معلوم۔ اور ملک الموت بیچارے کا قصور بھی کیا تھا، وہ تو خدا کی طرف سے قاصد تھے، پیام لے کر آئے تھے، اس سزا کے مستحق

---

[1] اگر واقعاً ملک الموت قبل وفات جناب موسیٰ کھلم کھلا آتے ہوتے تو یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ ہوتی بچہ بچہ اس سے واقف ہوتا مگر افسوس کہ تمام محدثین و مورخین و راویان اخبار اس معاملہ میں قطعی خاموش ہیں ابوہریرہ کے سوا کسی نے بھی ملک الموت کے متعلق یہ بات نہیں بیان کی۔ قیامت تو یہ کہ قصہ کہانی من گڑھت فسانے بنانے والوں کو بھی یہ بات نہ سوجھی۔ انھوں نے اس طبعزاد فسانے کو اپنے پیر و مرشد ہی کے لیے چھوڑ دیا۔

کیونکر ہوے کہ مار بھی اور آنکھ بھی پھوڑ ڈالی، وہ غریب تو صرف اللہ کی طرف سے آئے اور بس اتنا کہا کہ چلیے اللہ کی طرف سے بلاوا ہے۔ کیا اولوالعزم پیغمبروں کے لیے جائز ہے کہ وہ کرد بین ملائکہ کی ڈرگت بنائیں اور جب وہ خدا کے پیام اور اوامر و نواہی لے کر آئیں تو انھیں پکڑ کر ٹھونک دیں!! پناہ بخدا

ہم لوگ اصحاب رس، فرعون، ابو جہل اور انھیں جیسے لوگوں سے کیوں بیزاری کرتے ہیں! صبح و شام ان پر لعنت بھیجتے ہیں اسی وجہ سے نا کہ ان لوگوں نے انبیاء مرسلین کو اذیتیں پہنچائیں، مظالم کے پہاڑ ڈھائے تو پھر انھیں فرعون و ابو جہل کے ایسے کام انبیاء مرسلین کے لیے کیونکر جائز ہو جائیں گے، خدا کی پناہ! یہ تو بہت ہی بڑا بہتان ہے انبیاء پر، پھر یہ بھی معلوم ہے کہ تمام انسانوں کی قوت بلکہ کل انسان و حیوان کی مجموعی طاقت بھی ملک الموت کی طاقت کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتی، لھذا جناب موسیٰ ملک الموت کو تھپڑ مارنے پر کیسے قادر ہو گئے اور ملک الموت نے خاموشی سے تھپڑ کھا کیسے لیا؟ جب ملک الموت قبض روح پر قدرت رکھتے تھے تو انھوں نے موسیٰ کی روح قبض کر کے (کیونکہ خدا نے اسی کا حکم دے کر انھیں بھیجا بھی تھا) اپنے کو مار کھانے سے بچایا کیوں نہیں اور فرشتہ کی ایسی آنکھ ہی کب ہوتی ہے کہ وہ خاکی پتلے کے تھپڑ سے پھوٹ جائے۔

لطف بالائے لطف یہ کہ بیچارے ملک الموت مفت میں پٹے بھی اور مفت میں آنکھ بھی کھوئی کیونکہ خداوند عالم نے ملک الموت کو اس کا حکم نہیں دیا کہ تم موسیٰ سے اپنا بدلہ چکاؤ، قصاص لو۔ وہ موسیٰ جو صاحب توراۃ تھے جس میں صاف صاف یہ حکم ہے کہ ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف[1]

[1] کلام مجید میں سورۂ مائدہ کی پینتالیسویں آیت ہے۔ بعینہ یہی مضمون موجودہ توراۃ کے سفر خروج باب ۲۱ فقرہ ۲۳ کا ہے۔

والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص جان کا بدلہ جان آنکھ کا بدلہ آنکھ، ناک کا بدلہ ناک، کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت۔ ظاہر ہے کہ توریت کے احکام جس طرح امت موسیٰ کے لیے تھے اسی طرح موسیٰ کے لیے بھی، ملک الموت اپنی آنکھ کا قصاص موسیٰ سے بآسانی لے سکتے تھے کیونکہ انھیں کی شریعت کا قانون تھا۔ مزید یہ کہ جناب موسیٰ کی اس حرکت پر خداوند عالم نے موسیٰ کو کچھ سرزنش بھی نہیں کی بلکہ اُن کی عزت اور بڑھائی کیونکہ اسی تھپڑ کے مارنے کے سبب انھیں اختیار دیا کہ چاہے موت قبول کرو یا ہزاروں برس دنیا میں رہو۔ یہ آخر بیل کے بالوں کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں کون سی حکمت تھی۔

واللہ اس شخص ابوہریرہ نے تو اپنے ہوا خواہوں پر اتنا بوجھ لاد دیا ہے جس کو وہ اٹھانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے اور انھیں ایسی ایسی حدیثیں بیان کر کے ایسی مصیبت میں ڈالا ہے جنھیں اُن کی عقلیں کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتیں خصوصاً اس حدیث میں اُن کا یہ فقرہ کہ ملک الموت موسیٰ کے قبل ظاہر بظاہر آتے تھے اور جناب موسیٰ کے مرنے کے بعد چوری چھپے آنے لگے ۔۔ خدا کی پناہ ایسے مزخرفات و مہملات سے۔

(۸) پتھر کا جناب موسیٰ کے کپڑے لے بھاگنا اور جناب موسیٰ کا اس کے پیچھے دوڑنا اور بنی اسرائیل کا جناب موسیٰ کو مادر زاد برہنہ دیکھنا

بخاری و مسلم نے بسلسلۂ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے ابوہریرہ بیان کرتے ہیں:۔

کانت بنو اسرائیل یغتسلون عراۃ ینظر بعضھم الی سوأۃ	بنو اسرائیل برہنہ نہایا کرتے اور ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھا کرتے تھے مگر جناب موسیٰ ہمیشہ

نقل وکان موسیٰ یغتسل وحدہ فقالوا واللہ ما یمنع موسی ان یغتسل معنا الا انہ آدر (ای ذو فتق) قال فذھب مرۃ یغتسل فوضع ثوبہ علی حجر ففر الحجر بثوبہ فجمح موسی باثرہ یقول! ثوبی حجر! ثوبی حجر! حتی نظر بنو اسرائیل الی سوأۃ موسیٰ فقالوا واللہ ما بموسی من باس فقام الحجر بعد حتی نظر الیہ فاخذ موسی ثوبہ فطفق بالحجر ضربا فواللہ ان بالحجر ندبا ستۃ او سبعۃ [1]

تنہا نہاتے ، بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ کے تنہا نہانے پر یہ بات کہی کہ موسیٰ ہم لوگوں کے ساتھ اس وجہ سے نہیں نہاتے کہ اُن کو فتق کا عارضہ ہے ، ابوہریرہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک مرتبہ جناب موسیٰ نہانے گئے اور اپنے کپڑے اُتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے وہ پتھر جناب موسیٰ کے کپڑے لے کر بھاگا جناب موسیٰ یہ کہتے ہوئے پتھر کے پیچھے دوڑے کہ پتھر! میرے کپڑے! پتھر! میرے کپڑے موسیٰ کے برہنہ دوڑنے پر بنی اسرائیل کو موقع مل گیا انھوں نے موسیٰ کی شرمگاہ دیکھ لی ، کہنے لگے خدا کی قسم موسیٰ میں تو کوئی عیب نہیں ، تھوڑی دور جا کر پتھر رک گیا ، جناب موسیٰ نے لپک کر پتھر سے اپنے کپڑے اٹھا لیے اور اس پتھر کو مارنا شروع کیا ، خدا کی قسم اس پتھر پر جناب موسیٰ کی مار کی وجہ سے ۶ یا ۷ نشان پڑ گئے ۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انھیں ابوہریرہ سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ پتھر والا واقعہ وہی ہے جس کی طرف خداوند عالم نے کلام مجید میں اشارہ فرمایا ہے :۔
یا ایھا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین آذوا موسی فبراہ اللہ مما

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ باب فضائل موسیٰ ، صحیح بخاری صفحہ ۱۶۳ ج ۲ ، ۴۲ ج ۱ باب من اغتسل عریانا ۔ کتاب غسل ۔ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۵

ابو ہریرہ
قالوا وکان عند اللہ وجیھا اے ایمان لانے والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی مگر خداوند عالم نے موسیٰ کو تکلیف سے محفوظ رکھا اور وہ خدا کے نزدیک بڑے معزز تھے۔

اس حدیث میں جو ناممکن اور بعید از عقل باتیں ہیں وہ آپ کی نظروں سے مخفی نہ ہوں گی، یہ بیان کرنا کہ جناب موسیٰ اپنی قوم والوں کے سامنے مادر زاد برہنہ ہو گئے، کیونکہ جائز ہو سکتا ہے؟ عریانی اور وہ بھی بھرے مجمع میں عریانی کے بعد جناب موسیٰ کی عزت و منزلت کیا باقی رہ جاتی ہے، خصوصاً جب قوم والوں نے دیکھا ہوگا کہ جناب موسیٰ پتھر کو پکارتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے جارہے ہیں پتھر میرے کپڑے، پتھر میرے کپڑے، حالانکہ پتھر بے جان، بے حس نہ دیکھ سکتا تھا، نہ سن سکتا تھا، پھر جب پتھر رک گیا تو جناب موسیٰ لوگوں کی نظروں کے سامنے برہنہ کھڑے ہو گئے اور لگے اس پتھر کو مارنے جیسے کوئی دیوانہ، سڑی، سودائی شخص مو بھلا کسی کی سمجھ میں بھی یہ بات آسکتی ہے؟ پھر اگر یہ صحیح بھی ہو کہ پتھر واقعاً جناب موسیٰ کے کپڑے لے بھاگا تھا تو پتھر جان تو رکھتا نہیں وہ تو بہر حال پتھر تھا یہ بات یقیناً خدا کے حکم سے ہوئی ہو گی، خدا ہی نے اس پتھر کو کپڑے لے بھاگنے کا حکم دیا ہوگا خدا کے حکم و مشیت پر جناب موسیٰ کا بگڑنا کیسا کہ لگے اسے ٹھونکنے وہ تو حکم الٰہی سے مجبور ہو کر کپڑے لے بھاگا تھا اس غریب کی کیا خطا تھی؟ پھر پتھر کو مارنے سے پتھر کا بگڑا کیا؟ اس زدو کوب سے اسے کیا تکلیف ہوئی۔ پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ پتھر جناب موسیٰ کے کپڑے لے بھاگا تو جناب موسیٰ کے لیے کب جائز تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے ننگے آجائیں؟ اور ذلت و رسوائی مول لیں۔ جناب موسیٰ کے لیے یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ پانی ہی میں ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ کوئی کپڑے لا کر دے دیتا یا اور کسی طرح اپنی شرمگاہ چھپا کر پانی سے نکلتے

جیسا ہر عقلمند اگر اس کو اس قسم کا واقعہ پیش آجائے تو کرتا ہے۔
مزید براں پتھر کا کپڑے لے بھاگنا معجزہ ہی تو تھا! اور معجزہ ہر وقت تو پیش آتا نہیں جب ضرورت ہوتی ہے تو معجزہ کا ظہور ہوتا ہے، جب مخالف نبی کو جھٹلاتا ہے، نبوت سے انکار کرتا ہے؟ نبوت کا ثبوت مانگتا ہے اس وقت معجزہ ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھو اگر تم ہمارے دعوائے رسالت کو جھوٹا سمجھتے ہو تو ہم اپنے دعوائے نبوت اور اپنی صداقت ثبوت میں یہ خارق عادت انہونی بات کر دکھاتے ہیں جس طرح ہمارے پیغمبرؐ کے لیے مکہ معظمہ میں ایک درخت چل پڑا تھا مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اس درخت سے کہیے کہ وہ اپنی جگہ سے آپ کے پاس آجائے اور خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی تصدیق کے لیے اس درخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا اور یہ ظاہر و واضح ہے کہ جناب موسیٰ کے نہانے کے وقت نہ تو کوئی ثبوتِ نبوت کا طالب تھا اور نہ معجزہ کے ظہور کی ضرورت تھی، لہذا خواہ مخواہ معجزہ کیسے ظہور میں آگیا اور وہ بھی ایسا معجزہ کہ اس سے نبی کی نبوت کا ثبوت، نبی کی عظمت و جلالت کا اظہار تو درکنار اُلٹے نبی کی فضیحتی اور رسوائی تھی کہ ننگے مادر زاد پاگلوں کی طرح دوڑتے ہوئے بھرے مجمع کے سامنے آگئے کہ جو بھی دیکھے یا سُنے مذاق اُڑانے لگے۔

اگر یہ کہا جائے کہ پتھر اس لیے کپڑے لے بھاگا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جناب موسیٰ کو فتق کا عارضہ نہیں ہے تو یہ کوئی ایسی خاص بات نہ تھی جس کی وجہ سے یہ جائز و مباح ہو جائے کہ موسیٰ لوگوں کے سامنے ننگے دوڑنے لگیں اور نہ کوئی ایسی اہم بات تھی کہ اس کے لیے معجزہ دکھانا ضروری ہو جائے اور بھی تو بہت سی صورتیں تھیں جن سے بنی اسرائیل معلوم کر سکتے تھے کہ موسیٰ کو یہ مرض ہے یا نہیں؟ جناب موسیٰ کی بیویوں کو تو یہ بات معلوم رہی ہو گی اُن سے پوچھا جا سکتا تھا وہ بتا سکتی تھیں

اگر ہم مان بھی لیں کہ جناب موسیٰ کو یہ عارضہ تھا تو اس میں خرابی کیا تھی۔ ایسا ہونا کون سا عیب تھا، جناب شعیب بینائی سے محروم ہو گئے تھے جناب ایوب کو جسمانی بیماریاں لاحق ہوئیں، بہت سے انبیا مرض میں مرے۔ ایسی معمولی معمولی بیماریوں سے انبیا کا محفوظ ہونا کوئی ضروری نہیں خصوصاً ایسی بیماری جو لوگوں کی نظروں سے مخفی بھی رہے جیسے فتق کا عارضہ۔ ہاں انبیا میں ایسے عیوب و امراض جس سے اُن کے درجہ و منزلت میں فرق آجائے یا ان کی مردانگی پر دھبہ لگے یا لوگوں کی نفرت و بیزاری کا سبب ہو یا عوام الناس کو ہنسی اڑانے کا موقع ہاتھ آئے البتہ ہونے ناممکن ہیں اور فتق اس قسم کی بیماری نہیں۔

مزید براں یہ قول کہ بنی اسرائیل جناب موسیٰ کے متعلق یہ گمان کرتے تھے کہ آپ کو فتق کا عارضہ ہے صرف ابو ہریرہ ہی سے منقول ہے اور کسی نے بھی یہ بات نہیں بتائی۔

رہ گیا ابو ہریرہ کا یہ کہنا کہ جناب موسیٰ کے اسی واقعہ کی طرف خداوند عالم نے اس آیہ مبارکہ یا ایھا الذین آمنوا الخ میں اشارہ کیا ہے تو یہ بھی قطعی غلط ہے اس آیت سے اشارہ دوسری ہی بات کی طرف ہے نہ کہ اس قصہ عریانی کی طرف، چنانچہ امیر المومنینؑ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ پر الزام رکھا تھا کہ انھوں نے ہارون کو قتل کر ڈالا، اسی کی طرف اس آیت میں قدرت نے اشارہ کیا ہے جُبائیؒ نے اسی کو صحیح سمجھا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں قارون کی اس حرکت کی طرف اشارہ ہے جو اس نے ایک بدکار عورت کو آمادہ کیا تھا کہ جناب موسیٰ پر یہ الزام لگائے کہ انھوں نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے مگر خداوند عالم نے جناب موسیٰ کو اس تہمت سے محفوظ رکھا اور اس سے سچ بات کہلا دی۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اٰذوہ ہے انھوں نے اذیت دی ہے مطلب یہ ہے کہ معجزات د

آیات کو دیکھنے کے بعد بھی بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ کو جادوگر، جھوٹا اور دیوانہ کہا۔ سب سے زیادہ تعجب تو بخاری و مسلم پر ہے جنھوں نے اس حدیث کی روایت کی اور اپنے صحیحین میں اسے اور اس سے پہلی والی حدیث کو جناب موسیٰ کے فضائل کے ضمن میں درج کیا۔ سمجھ میں خاک نہیں آتا کہ بھلا ملائکہ مقربین کو ٹھونکنے ان کی آنکھ پھوڑ دینے، اپنی شرمگاہ عریاں کرنے میں کون سی فضیلت مخفی تھی کون سی عظمت ظاہر ہوگئی ان حرکتوں سے؟ ان جہملات و رکیک باتوں میں کون سا ایسا وزن تھا جس کی وجہ سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں درج کرنے کے قابل سمجھی گئیں، جناب موسیٰ کلیم خدا ان جہملات و مزخرفات باتوں سے بہت ارفع و اعلیٰ تھے۔

(۹) لوگوں کا بروز قیامت جناب آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ کی پناہ ڈھونڈھنا ان کی شفاعت و سفارش کی توقع میں مگر ان حضرات کا خود اپنے بارے میں غلطاں و پیچاں ہونا

بخاری و مسلم نے سلسلہ اسناد ابوہریرہ سے یہ طولانی حدیث منجملہ اُن کی طول طویل حدیثوں کے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں :-

یجمع اللہ الناس الاولین منھم والاخرین یوم القیامۃ فی صعید واحد یسمعھم الداعی، وینفذھم البصر، و تدنو الشمس فیبلغ الناس من الغم والکرب

خداوند عالم بروز قیامت اگلے اور پچھلے تمام لوگوں کو اکٹھا کرے گا، آفتاب سروں کے نزدیک آجائے گا اور اندوہ و تکلیف ناقابلِ برداشت ہو جائے گی، اس وقت لوگ آپس میں کہیں گے کہ تم پر جو آفت ٹوٹ پڑی ہے اسے

ما لا یطیقون ولا یحتملون! فیقول
الناس الا ترون ما قد بلغکم
الا تنظرون من یشفع لکم الی
ربکم فیقول بعض الناس لبعض
علیکم بآدم فیاتون آدمؑ فیقولون
له: انت ابو البشر خلقک الله
بیدہ و نفخ فیک من روحه
وامر الملائکة فسجدوا لک
اشفع لنا الی ربک الا تری
ما نحن فیه؟ الا تری ما قد
بلغنا؟ فیقول آدم! ان
ربی قد غضب الیوم غضبا
لم یغضب قبله مثله! ولن
یغضب بعدہ مثله! وانه
نھانی عن الشجرۃ فعصیته
نفسی نفسی لنفسی!!! اذھبوا
الی غیری اذھبوا الی نوح
(قال) فیاتون نوحا (علیه السلام)
فیقولون! یا نوح انک انت
اول الرسل الی اھل الارض
وقد سماک الله

دیکھتے نہیں، کسی ایسے پر اپنی نظر نہیں دوڑاتے
جو پروردگار سے تمھاری سفارش کر دے۔ اس پر
بعض لوگ بعض سے کہیں گے جناب آدم کے
پاس چلنا چاہیے، وہ لوگ آدم کے پاس
آئیں گے اور اُن سے کہیں گے آپ ابوالبشر
ہیں، خداوند عالم نے آپ کو اپنے دست خاص سے
پیدا کیا ہے اور اپنی روح آپ میں پھونکی اور
ملائکہ کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا تھا، آپ اپنے
پروردگار سے ہماری سفارش فرمائیں۔ آپ
دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال میں ہیں؟ آپ ہماری
مصیبت پر نظر نہیں کرتے؟ اس پر جناب آدم
فرمائیں گے آج کے دن میرا پروردگار ایسا
غضب ناک ہوا ہے جیسا آج سے پہلے کبھی
غضب ناک نہیں ہوا اور نہ بعد میں ہوگا۔ خداوند عالم
نے مجھے درخت کے پاس جانے سے منع کیا تھا
مگر میں نے خدا کی نافرمانی کی، مجھے اپنی جان کے
خود ہی لالے پڑے ہیں تم اور کسی کے پاس
جاؤ۔ نوح سے ملو۔ اس پر وہ لوگ جناب نوح
کے پاس آئیں گے اور کہیں گے! حضرت!
آپ پہلے نبی مرسل ہیں جو باشندگان ارض پر
مبعوث ہوئے خداوند عالم نے آپ کو

عبداشکورا اشفع لنا الی
ربك الا تری الی مانحن فيه؟
یقول: ان ربی قد غضب
الیوم غضبا لم یغضب قبله
مثله ولن یغضب بعده مثله!
وانه قد كانت لی دعوة
دعوتها علی قومی نفسی نفسی
نفسی!!! اذهبوا الی غیری
اذهبوا الی ابراهیم (قال):
فیاتون ابراهیم فیقولون!
یا ابراهیم انت نبی الله و
خلیله من اهل الارض
اشفع لنا الی ربك الا تری
الی ما نحن فیه؟ فیقول لهم!
ان ربی قد غضب الیوم غضبا
لم یغضب قبله مثله! ولن
یغضب بعده مثله! و انی
قد كنت كذبت ثلاث
كذبات، نفسی نفسی نفسی!!.
اذهبوا الی غیری اذهبوا الی
موسیٰ (قال) فیاتون موسی

"شکر گذار بندہ"، نام رکھا ہے آپ اپنے پروردگار
سے ہماری سفارش کیجیے آپ ہماری مصیبت نہیں
دیکھتے؟ جناب نوح فرمائیں گے کہ آج میرا پروردگار
اتنا غضبناک ہے جتنا کبھی غضبناک نہیں ہوا
نہ کبھی ہوگا مجھ سے خود ایک خطا ہو چکی ہے کہ
میں نے اپنے قوم والوں پر بددعا کی تھی، اس خطا
کی وجہ سے مجھے اپنی ہی پڑی ہے تم لوگ کسی
اور کے پاس جاؤ، ابراہیم سے ملو! وہ لوگ
جناب ابراہیم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔
جناب ابراہیم! آپ خدا کے نبی اور اس کے خلیل
ہیں اپنے پروردگار سے ہماری سفارش فرمائیے،
آپ ہمارا برا حال دیکھتے نہیں؟ اس پر جناب ابراہیم
فرمائیں گے کہ میرا پروردگار آج اتنا غضبناک ہے
جتنا کبھی غضبناک، نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ میں نے
تین بار جھوٹ بولا تھا جس کی وجہ سے خود مجھے
اپنی جان کے لالے پڑے ہیں تم اور کسی کے پاس
جاؤ، موسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ جناب موسیٰ کے
پاس آئیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! آپ
خدا کے پیغمبر ہیں خداوند عالم نے آپ کو پیغمبری پر
فائز کر کے اور شرف ہمکلامی عنایت فرما کر سب پر
فضیلت بخشی۔ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش

فیقولون یاموسی انت رسول الله
فضلك الله برسالته وبكلامه
على الناس اشفع لنا الى ربك
الاترى الى ما نحن فيه؟ فيقول ان
ربي قد غضب اليوم غضبا لم
يغضب قبله مثله! ولن يغضب
بعده مثله! واني قد قتلت نفسا
لم اومر بقتلها! نفسي نفسي!!!
اذهبوا الى غيري اذهبوا الى عيسى
(عليه السلام) (قال): فيأتون
عيسى فيقولون يا عيسى انت رسول الله
وكلمته التي القاها الى مريم وروح منه
وكلمت الناس في المهد صبيا اشفع
لنا الى ربك الاترى الى ما نحن فيه؟
(قال) فيقول عيسىؑ ان ربي قد
غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله
مثله ولن يغضب بعده مثله!
ولم يذكر ذنبا نفسي نفسي!!!
اذهبوا الى محمد (قال) فياتون محمدا
فيقولون يا محمد انت رسول الله و
خاتم الانبياء وقد غفر الله لك

کیجیے کہ دیکھیے ہمارا یہ حال ہو رہا ہے جناب موسیٰ
فرمائیں گے کہ ہمارا پروردگار آج اتنا غضبناک ہے
جتنا کبھی غضبناک نہ ہوا نہ ہوگا، میں نے بھی
ایک شخص کو جان سے مار ڈالا تھا اس کے خیال سے
میں خود اپنے بارے میں متردد ہوں کہ میرا کیا انجام
ہوگا، تم لوگ اور کسی سے ملو، عیسیٰ کے پاس جاؤ،
وہ لوگ جناب عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے
حضور آپ خدا کے رسول اور خدا کے وہ کلمہ ہیں
جسے خداوند عالم نے مریم کی طرف القا کیا، آپ
خدا کی روح ہیں آپ نے لوگوں سے شیرخوارگی کے زمانہ
میں بات کی تھی آپ اپنے پروردگار سے ہماری
سفارش کیجیے۔ آپ ملاحظہ نہیں فرماتے کہ ہم کس
حال میں ہیں۔ اس پر جناب عیسیٰ فرمائیں گے کہ
آج کے دن ہمارا پروردگار اتنا غضبناک ہے جتنا
کبھی غضبناک نہیں ہوا، مجھے خود ہی اپنی جان
کی پڑی ہے (انھوں نے اپنا کوئی گناہ نہیں
ذکر کیا) تم لوگ محمد مصطفیٰؐ کے پاس جاؤ، وہ
لوگ پیغمبر خداؐ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے
یا محمد آپ خدا کے رسول ہیں اور خاتم النبیین
ہیں خداوند عالم نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ
معاف کر دیے ہیں آپ اپنے پروردگار سے ہماری

من ذنبك ما تقدم وما تاخر اشفع
لنا الى ربك، الا ترى الى ما نحن فيه؟
قال ابو هريرة قال رسول الله
فانطلق فاتى تحت العرش فاقع
ساجدا لربى عزوجل ثم يفتح الله
علي من محامده وحسن الثناء
عليه شيئا لم يفتحه على احد
قبلى ثم يقال يا محمد ارفع
راسك سل تعطه واشفع تشفع
فارفع راسى فاقول امتى
يارب امتى يارب فيقال يا
محمد ادخل من امتك
من لا حساب عليهم من الباب
الايمن من ابواب الجنة
وهم شركاء الناس فيما
سوى ذالك من الابواب[۱]۔

سفارش فرمائیے، آپ ملاحظہ نہیں فرماتے کہ ہمارا
کیا حال ہو رہا ہے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے
ارشاد فرمایا "پس میں روانہ ہوں گا اور عرش کے
نیچے پہنچوں گا وہاں پہنچ کر میں اپنے پروردگار کے
سجدے میں گر پڑوں گا، پھر خداوند عالم اپنے ایسے
اوصاف و محامد کا انکشاف مجھ پر فرمائے گا اور
اتنی عمدہ اور حسین تر مدح و ثنائے الٰہی میری
زبان سے ادا ہوگی جیسی آج تک کسی نبی پیغمبر نے
نہ کی ہوگی پھر کہا جائے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ
جو مانگو وہ پاؤ گے اور جس کی بھی سفارش کرو وہ
مقبول ہوگی۔ اس وقت میں اپنا سر اٹھاؤں گا
اور کہوں گا میری امت، میری امت، اے
میرے پروردگار۔ اس وقت کہا جائے گا اے محمد
جنت کے دروازہ "ایمن" نامی سے اپنی امت کے
بے حساب لوگوں کو لے جاؤ یہ دروازہ صرف
تمہاری امت کے لوگوں کے لیے مخصوص ہے
اس دروازے کے علاوہ اور جتنے دروازے
جنت کے ہیں ان سے بھی داخل جنت ہونے میں
تمہاری امت والے دوسری امت کے جنتی
لوگوں کے برابر کے حصہ دار ہیں۔

---

[۱] صحیح بخاری ج ۳ صفحہ تفسیر سورہ بنی اسرائیل باب ذریۃ من حملنا مع نوح صحیح مسلم جلد ۱ ص ۹۰ باب الشفاعۃ کتاب الایمان مسند امام احمد جلد ۲ مسند ابی ہریرہ ۱۲

ابوہریرہ کی اس حدیث میں اولوالعزم ابنیا و مرسلین اور منتخب بندگان الٰہی کی جتنی توہین و تذلیل کی گئی ہے وہ پوشیدہ نہیں، کہاں تو انبیائے ماسبق کی ثنا و صفت، مدح و ستائش میں پیغمبر کے وہ گراں قدر ارشادات کہ جن پر نظر کرکے ہیبت و جلال سے سینے بھر جائیں اور ان کی بلندی منزلت دیکھ کر پیشانیاں جھکنے پر مجبور ہوں آپ نے انبیائے سلف کا ایسا تعارف کرایا جس سے ہمیشہ نسل انسانی کے کان آشنا نہ ہو سکتے اور کہاں انبیائے کرام کی یہ داستان رسوائی پیغمبر خدا ہی کی زبانی؟ ابوہریرہ کی یہ مہمل و رکیک حدیث پیغمبر خدا کے ارشادات سے کسی قسم کی مناسبت ہی نہیں رکھتی، رات اور دن کا تفرقہ ہے اس حدیث میں اور اقوال پیغمبر میں جو انبیائے کرام کے متعلق آپ نے واقعاً فرمائے ہیں، خدا کی پناہ اس سے کہ انبیائے کرام کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جیسی اس حدیث میں ابوہریرہ نے اُن کی طرف منسوب کی ہیں، نہ تو جناب آدم کسی امر حرام کے مرتکب ہوے نہ انھوں نے خداوند عالم کی کوئی ایسی نافرمانی کی جو سبب غضب الٰہی ہو حاشا وکلّا اہل ایمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، خداوند عالم نے انھیں درخت سے جو روکا تھا تو بطور نہی تنزیہی روکا تھا۔

اسی طرح جناب نوح نے اگر کافروں پر بد دعا بھی فرمائی تو خوشنودی الٰہی ہی کے لیے، جناب ابراہیم کو جھوٹ بولنے بلکہ کسی ایسے قول و فعل سے جو ناراضی الٰہی کا موجب ہو یا حکمت کے مخالف ہو دور کا بھی واسطہ نہیں، جناب موسیٰ معاذاللہ کسی ایسے کو قتل کر سکتے تھے؟ جس کے قتل پر خداوند عالم غضبناک ہوتا قتل کا مرتکب تو وہ ہو سکتا ہے جو نہ تو عند اللہ کوئی وقعت رکھتا ہو نہ ارباب عقل کی نظروں میں اس کا کوئی وزن ہو، خداوند عالم ان انبیائے کرام کے ساتھ تو بہتر سے بہتر ہی سلوک فرمائے گا جیسا کہ خود ارشاد الٰہی ہے هل جزاء الاحسان الا الاحسان نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہو سکتا ہے۔

یہ انبیائے کرام بلند و برتر ہیں اس سے کہ اپنے پروردگار کے متعلق یہ وہم و گمان کریں کہ وہ ان پر ایسا غضب ناک ہوگا جتنا کبھی نہ غضبناک ہوا تھا نہ کبھی آیندہ غضبناک ہوگا اور پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ بھی ان انبیائے کرام کے متعلق وہی باتیں زبان پر لا سکتے ہیں جو ان کے شایان شان ہوں۔

پھر قابل غور یہ ہے کہ اہل محشر کے لیے ممکن کیونکر ہوگا کہ وہ باہمی صلاح و مشورہ کریں وہ تو اس عالم میں ہوں گے تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملھا وتری الناس سکاری وماھم بسکاری ولکن عذاب اللہ شدید، یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرء منھم یومئذ شان یغنیہ کہ دودھ پلانے والی ماں کو اپنے دودھ پیتے بچے کی بھی خبر نہ ہوگی اور حاملہ عورت اپنا حمل گرا دے گی، تم لوگوں کو دیکھو گے کہ جیسے وہ نشہ میں مست ہیں مگر وہ حقیقتاً مست نہ ہوں گے بلکہ وہ خدا کا انتہائی عذاب ہوگا۔ جس دن کہ انسان اپنے بھائی سے، ماں باپ سے، بیوی بچوں سے دُور بھاگے گا ہر شخص اپنی ہی مصیبت میں گرفتار ہوگا اور کسی طرف سر اٹھانے کی فرصت ہی نہ ہوگی۔

پھر وہ اہل محشر اس گھڑی انبیائے کرام تک پہنچنے کیسے پائیں گے، انبیا تو اس دن اعراف میں ہوں گے، کیا یہ ممکن ہے کہ زمین کے رہنے والے آسمان پر پہنچ جائیں، اور کیوں نہیں اہل محشر ابتدا ہی سے پیغمبر خدا کا دامن پکڑ لیں گے؟ اوروں کے پاس جانے کی ضرورت ہی کیا ہوگی؟ شروع سے حضرت محمد مصطفےٰ رحمۃ للعالمین کا توسل کرتے کہ اس دن آپ کی عظمت و منزلت سب سے بلند و بالا ہوگی، آپ کے ایسا عز و شرف کسی کو اس دن نصیب نہ ہوگا، آپ کی جملہ سفارشیں منظور ہوں گی۔ کوئی شخص بروز قیامت آپ کے درجہ سے بے خبر ہوگا بھی نہیں،

کیوں نہیں آدم، ابراہیم و موسیٰ شروع ہی سے اہلِ محشر کو ہدایت کریں گے کہ
تم لوگ محمد مصطفےٰ کے پاس جاؤ۔ ان بیچاروں کو پہلے ہی سے یہ انبیائے کرام
حضرت محمد مصطفےٰ کا پتہ دے دیتے جو اس حشر کے دن بہت سے امور کے مالک و مختار
ہوں گے۔ کیا یہ انبیائے کرام پیغمبرؐ کے اس درجہ و منزلت اور مقام محمود سے نا واقف
ہوں گے جو بروز قیامت انہیں حاصل ہوگا یا تباہ حال فریادی مومنین کو ستانا،
در بدر کی ٹھوکریں کھلانا زیادہ اچھا معلوم ہوگا۔

ہم ابو ہریرہ سے یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ وہ سب غریب ہمارے پیغمبرؐ کی اُمت سے
ہوں گے یا کسی اور نبی کی امت سے۔ اگر پیغمبرؐ ہی کی امت سے ہوں گے تو انہیں
آدم، نوح، ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہوگی کیوں نہیں
وہ اپنے پیغمبر ہی کے پاس فریاد لے کر آئیں گے اور اگر وہ کسی اور نبی کی امت سے
ہوں گے تو پیغمبر جو رحمۃ للعالمین تھے اپنی امت والوں ہی کی خاص کر سفارش
کیوں کریں گے۔ ہمارے پیغمبرؐ کو خداوند عالم نے مجسمۂ رحمت بنایا ہے، قیامت کے
دن انہیں شفاعت کا حق بخشا ہے، طبعی طور پر چاہیے تو یہ کہ پیغمبر فریادیوں کی التجا
رائگاں نہ جانے دیں نہ اُن کی تمناؤں پر پانی پھیریں بلکہ جس طرح اپنی امت والوں
کی سفارش کریں اسی طرح جو بھی آپ کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر پہنچے
اسے محروم نہ کریں کہ آپ ہر امیدوار کی امید گاہ اور ہر خائف و ہراساں کے لیے جائے پناہ ہیں۔

(۱۰) انبیا کا شک کرنا

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر نے
ارشاد فرمایا:-

قال نحن احق بالشک من | ہم ابراہیم خلیل اللہ کی بہ نسبت شک کرنے کے

ابراھیم اذ قال رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی، ویرحم اللہ لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید، ولولبثت فی السجن طول مالبث یوسف لاجبت الداعی

زیادہ حق دار ہیں ابراہیم نے کہا رب ارنی کیف تحیی الموتی الخ پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے خداوند عالم نے فرمایا کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ ابراہیم نے کہا ایمان تو رکھتا ہوں لیکن میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ اور خدا رحم کرے لوط پر انھوں نے مضبوط ٹھکانے کی تمنا کی تھی اور اگر یوسف کی طرح اتنی طولانی مدت میں قید خانہ میں رہتا تو بلانے والے کے بلانے پر آجاتا۔

یہ حدیث کئی وجہوں سے مہمل و غلط ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیل اللہ جناب ابراہیم (قدرت الٰہی میں) شک رکھتے تھے حالانکہ ابراہیم وہ ہیں جن کے متعلق ارشاد الٰہی ہے وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین۔

اور ایقان و یقین علم کا سب سے بڑا درجہ ہے یہ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی چیز کا یقین کامل رکھتا ہو وہی اس چیز میں شک کرنے والا نہیں ہو سکتا، اور معمولی سے معمولی عقل اس بات کا تصور تک نہیں کر سکتی کہ کسی نبی نے بھی کبھی کوئی شک کیا ہو کوئی مسلمان بھی کسی نبی کے متعلق یہ نہیں خیال کر سکتا کہ وہ ڈھل مُل یقین رہے ہوں۔

رہ گیا ارشاد الٰہی واذ قال الخ جب ابراہیم نے کہا پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ جناب ابراہیم قدرت خدا میں شک رکھتے تھے بلکہ مقصد یہ تھا کہ زندہ کرنے کی کیفیت دیکھنے کے خواہشمند تھے

وہ منظر دیکھنا چاہتے تھے کہ کیسے ایک بے جان حیات کا لباس پہن لیتا ہے اور منظر دیکھنے کی خواہش اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب یہ یقین پہلے سے ہو کہ خداوند عالم زندہ کرنے پر قادر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں عرض کروں کہ کیسے اور کیونکر کا سوال اسی چیز کے متعلق کیا جاتا ہے جو چیز موجود ہو اور پوچھنے والے کو بھی اس کا موجود ہونا پہلے سے معلوم ہو اور جس سے پوچھا جائے اُسے بھی جیسے زید کیسا ہے یعنی تندرست ہے کہ بیمار ہے یا زید نے یہ کام کیسا کیا اچھا یا بُرا؟ یا یہ بات کیونکر ہو گی کیسے ہو گی یعنی ہماری مرضی کے مطابق یا ہماری خواہش کے خلاف۔ اسی طرح جناب ابراہیم کا سوال رب ارنی کیف تحیی الموتی خداوندا مجھے دکھا دے کہ تو مُردے کو کیونکر زندہ کرتا ہے کا مطلب بھی یہی ہے۔ جناب ابراہیم یہ علم و یقین رکھتے تھے کہ خداوند عالم مردہ کو زندہ کرتا ہے مگر اس کیفیت اور منظر کو دیکھنا چاہتے تھے کہ کیسے مُردہ زندہ ہو گا؟ لیکن چونکہ جناب ابراہیم کے اتنا پوچھنے اور صرف منظر دیکھنے کی خواہش سے بھی کسی نادان و ناواقف منزلت ابراہیمی کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہو سکتی تھی کہ معاذاللہ جناب ابراہیم قدرت خدا میں شک رکھتے تھے لہٰذا خداوند عالم نے مدعائے جناب ابراہیم کی وضاحت کر کے اس شک کی گنجائش ہی ختم کر دی ارشاد ہوا اولم تومن اے ابراہیم کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے؟ جناب ابراہیم نے کہا بلیٰ ضرور ایمان رکھتا ہوں مجھے تیری قدرت پر ایمان کامل ہے میں نے تو یہ سوال اس لیے کیا ہے کہ میرے دل کی اُلجھن دُور ہو جائے۔ میں تو وہ منظر دیکھنا چاہتا ہوں کہ مرنے، قبر میں اجزاء کے منتشر ہونے، خاک کے ذروں میں جسم کے ذرّے مل جانے، خشکی و تری میں تتر بتر ہو جانے کے بعد کیسے کیسے وہ اجزا سمٹتے ہیں کیسے اُن سے جسم بنتا ہے اور پھر کیسے جسم میں جان پڑتی ہے اور وہ بعینہ وہی ہو جاتا ہے جو اپنی زندگی میں تھا۔

جناب ابراہیم کا دل اصل میں اسی منظر و کیفیت کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا
اسی وجہ سے آپ نے فرمایا تھا لیطمئن قلبی تاکہ میرے دل کو قرار آجائے اس
منظر کو دیکھ کر آتش شوق ٹھنڈی ہو آیہ مبارکہ سے حقیقتاً یہی مقصود ہے اور شک کی
نسبت دینا جناب ابراہیم ایسے خلیل خدا کی طرف کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

دوسری وجہ اس حدیث کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ پیغمبر کا یہ فقرہ نحن
اولی بالشک من ابراھیم ہم ابراہیم سے زیادہ حقدار ہیں شک کرنے کے
اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر خدا اور جملہ انبیاء و مرسلین شک و شبہ رکھتے تھے
اور سب کے سب ابراہیم سے زیادہ حق رکھتے تھے شک کرنے کا کیونکہ آپ نے نحن
کا لفظ فرمائی یعنی ہم سب انبیاء و مرسلین۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ نحن سے مراد پیغمبر نے انبیاء و مرسلین کو نہیں لیا
تب بھی کم سے کم ہمارے پیغمبر تو یقیناً مراد ہوں گے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت محمد مصطفےٰ
جناب ابراہیم سے زیادہ حقدار تھے شک کرنے کے اور یہ پیغمبر پر بہتان عظیم ہے، یہ بات
بالاتفاق باطل ہے، عقلاً و نقلاً ہر حیثیت سے پیغمبر سے شک کا وقوع قطعی ناممکن ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر پیغمبر خدا جناب ابراہیم سے شک کرنے کے زیادہ حقدار
کیسے ہوں گے جبکہ خداوند عالم نے ہمارے پیغمبر کو وہ فضائل و کمالات وہ درجہ علم و
یقین مرحمت فرمایا ہے جو نہ تو جناب ابراہیم کو میسر ہوا نہ انبیاء مرسلین کو نہ ملائکہ مقربین کو۔
وصی پیغمبر حضرت امیر المومنین جو شہر علم پیغمبر کا دروازہ تھے اور آپ کے لیے ایسے تھے
جیسے ہارون موسیٰ کے لیے سوا اس کے کہ امیر المومنین نبی نہ تھے وہ تو اپنے متعلق فرماتے
ہیں لو کشف الغطاء لما ازددت یقینا اگر آسمانی پردے ہٹا دیے جائیں تب بھی
میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔ میرا یقین پہلے ہی سے اس حد پر ہے کہ اس میں
اضافہ کی گنجائش نہیں لہذا جب وصی پیغمبر کا علم و یقین اس پایہ کا تھا تو خود حضرت

سیدالمرسلین کے علم ویقین کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

تیسری وجہ اس حدیث کے مہمل ولغو ہونے کی یہ ہے کہ بقول ابوہریرہ پیغمبر کا یہ فقرہ رحم اللہ لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید خدا رحم کرے لوط پر وہ رکن شدید کی پناہ لیا کرتے تھے یہ اعتراض ہے جناب لوط پر جو اس عظمت و منزلت کو دیکھتے ہوئے جو خداوند عالم کی بارگاہ میں انھیں حاصل تھی قطعاً مناسب نہیں پاک وصاف ہیں ہمارے پیغمبر اس رکاکت سے کہ جناب لوط ایسے پیغمبر کی ذلت و رسوائی فرمائیں اُن کے قول کو مہمل وحماقت قرار دیں۔ خدا محفوظ رکھے اس سے کہ پیغمبر کے متعلق ایسی واہی تباہی باتوں کا گمان کیا جائے یہی وجہ تھی کہ پیغمبرؐ نے اپنی زندگی ہی میں بارہا فرمادیا تھا من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار مجھ پر جھوٹی تہمت لگانے والے غلط باتیں میری طرف منسوب کرنے والے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیں۔

چوتھی وجہ اس حدیث کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ پیغمبر کا یہ ارشاد "اگر مجھے بھی اتنے لمبے عرصہ تک قید میں رہنا پڑتا جتنے عرصہ یوسف قید میں رہے تو میں بلانے والے کی آواز پر چل پڑتا" صریحی دلیل ہے کہ جناب یوسف ہمارے پیغمبر سے افضل تھے کہ اتنے دن تک قید میں رہنے کے باوجود یوسف کے قدموں میں لغزش نہ ہوئی اور پیغمبر اپنے متعلق اقرار کرتے ہیں کہ میں ان کی جگہ ہوتا تو پھسل جاتا اور یہ بالاتفاق باطل ہے تمام امت اسلام کا اجماع ہے اور احادیث صحیحہ کی صراحت ہے اور مسلمانوں کا بچہ بچہ یقین رکھتا ہے کہ ہمارے پیغمبر جملہ انبیاء ومرسلین سے افضل واشرف تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبر کا یہ فقرہ جناب یوسف کے مقابل بطور انکساری ہے اور آں حضرتؐ نے جناب یوسف کا صبر، پامردی اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ان کی حکمت و تدبیر پر کہ اس وقت تک قید سے نکلنا

نہیں کیا جب تک کہ اُن کی پاک دامنی عالم آشکارا نہ ہوگئی متحیر و متعجب
ایسا فرمایا۔ تو یہ بھی قطعاً غلط ہے۔ ایسی بات چاہے بطور خاکساری ہی
نبی و پیغمبر کی زبان سے نکل ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ بات حقیقت واقعہ کے
بالکل برعکس و برخلاف ہے۔ اس وجہ سے کہ اگر یوسف کی طرح ہمارے پیغمبر کو بھی
قید و بند کا سامنا ہوتا تو آپ یوسف سے بدرجہا زیادہ صابر و پامرد ہوتے اُن سے
زیادہ دور اندیش و صاحب تدبیر۔ اس بات کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ
بلانے والے کے محض بلانے پر دوڑ پڑتے اور دور اندیشی بھی نہ کرتے جو یوسف سے
ظاہر ہوئی۔ جناب یوسف سے جب اُن کے جیل کے ساتھی نے جو رہا ہو کر بادشاہ کا
مقرب خاص ہو گیا تھا جب یوسف سے درخواست کی آپ قید سے باہر تشریف
لے چلیے تو جناب یوسف نے ازراہ دور اندیشی اور اپنی پاکدامانی کا اقرار
ہر خاص و ناکس سے لینے کے لیے فوراً اس کی بات منظور نہ کر لی اور قید خانہ سے
نکل پڑے بلکہ آپ نے اس دوست سے فرمایا تم پہلے بادشاہ کے پاس جاؤ اور جا کر پوچھو
ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے (مجھے دیکھ کر) اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔
جب بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر پوچھا اور انھوں نے صاف صاف اقرار کیا کہ ہم نے
یوسف میں ذرا بھی بُرائی نہیں دیکھی اور اس وقت زلیخا نے بھی چار و ناچار اعتراف
کیا قصور میرا ہی تھا میں نے ہی یوسف کو بہکانا چاہا تھا یوسف اپنے دعوائے بیگناہی
میں صداقت پر ہیں۔ تو جناب یوسف اس وقت تک قید خانہ سے باہر نہ نکلے
جب تک اُن کی بے گناہی اظہر من الشمس نہ ہو گئی۔

جناب یوسف نے ثبات قدم، قوت قلب، استقلال نفس کا مظاہرہ کیا
دکھایا اگر وہ چاہتے تو اس سے بھی زیادہ پامردی سے کام لے سکتے تھے
ضرورت ہی نہ ہوتی کہ دوست کو وسیلہ بنا کر پیام دے کر بادشاہ کے پاس بھیجتے۔

زیادہ ثابت قدمی و دور اندیشی یہ ہوتی کہ وہ اُس وقت تک خاموشی سے کام لیتے کہ اُن کی بے گناہی خود ہی آشکارا ہو جاتی، اتنی مدت صبر کرتے جب تک کہ خود دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔ یہ امتیازی شان ہمارے پیغمبر کی تھی کہ آپ نے وہ بے پناہ ثبات قدم اور بے نظیر قوت قلب کا مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے صبر و شکیب، احتیاط و دور اندیشی، افعال و اقوال میں خطا سے کوسوں دُور ہونے کا نمونہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا۔ دنیا نے دیکھا اور سمجھ لیا کہ آپ کے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند بھی لا دے دیا جائے کہ آپ کار رسالت سے باز آ جائیں تو باز نہیں آنے والے۔

ابوہریرہ کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ وہ اس حدیث میں یہ بیان کرتے کہ اگر پیغمبر قید خانہ میں یوسف سے دس گنی مدت زیادہ بھی رہتے تو آپ قید خانہ سے باہر آنے کے لیے یوسف کی طرح سفارش کی سفارش کا سہارا نہ لیتے۔ جناب یوسف نے قید خانہ کے اُن دونوں قیدیوں میں سے ایک سے جس کے متعلق آپ نے خیال کیا تھا کہ یہ رہا کر دیا جائے گا کہا تھا اپنے بادشاہ سے میرا بھی ذکر کرنا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ سے میری خوبیاں بیان کرنا اور میری سرگذشت سنانا ممکن ہے بادشاہ کو مجھ پر رحم آ جائے اور اس قید سے رہائی کا حکم دے شیطان نے اس شخص کو یوسف کی یہ فرمائش بھلا دی، بادشاہ سے یوسف کے متعلق ذکر کرنا یاد ہی نہ آیا اور اس کے نتیجے میں یوسف کئی سال قید خانہ میں پڑے رہے۔ اس شخص کا بھول جانا اور یوسف کا اس کی پاداش میں کئی سال تک قید میں رہ جانا تنبیہ تھی قدرت کی طرف سے کہ یوسف سے اُن کی شان کے مطابق بات عمل میں نہ آئی، یوسف کی شایان شان تو یہ تھا کہ وہ محض خدا پر بھروسہ رکھتے جیسا کہ ہمارے پیغمبر نے کیا، ہمارے پیغمبر کی مصیبتیں یوسف کی اسیری کی مصیبت

کہ آل یعقوب کی تمام مصیبتوں سے کہیں زیادہ جانکاہ و روح فرسا تھیں مگر آپ سے
پستی ظاہر ہوئی نہ کمزوری دیکھنے میں آئی، نہ آپ نے خدا کے علاوہ کسی سے مدد چاہی،
آپ دشمنوں کے نرغے میں رہے، اپنے تمام اعزہ و اقارب سمیت کئی برس تک شعب ابو طالب
میں محصور رہے، آپ نے، آپ کے رشتہ داروں نے، آپ کے حلقہ بگوشوں نے ایسی
ہی تکلیفیں اور اذیتیں اٹھائیں جیسی پہلے کسی نبی نے نہیں اٹھائی تھیں۔ مشرکین نے
ایذا رسانی میں ساری امکانی طاقتیں صرف کر ڈالیں۔ ملاحظہ فرمائیے کلام مجید کی یہ آیات
واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک جبکہ
کفار سازشیں کر رہے تھے کہ تمھیں قتل کر ڈالیں یا رسن بستہ کر لیں یا وطن آوارہ
کر دیں۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین
اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ
سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا۔ اگر تم لوگ پیغمبر کی مدد نہیں کرتے
تو کیا ہوا خدا نے پیغمبر کی مدد کی جبکہ پیغمبر کو کافروں نے جلاوطنی پر مجبور کیا
ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ بے شک خداوند عالم نے غزوۂ بدر میں
تمھاری مدد کی اور تم عالم بیچارگی میں تھے، اذ تصعدون ولا تلوون علی
احد والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غما بغم جبکہ تم پہاڑ پر
بھاگے جا رہے تھے اور باوجودیکہ رسول تمھارے پیچھے کھڑے تم کو بلا رہے تھے مگر
تم کسی کو بھی مڑ کے نہ دیکھتے تھے پس خدا نے بھی تم کو رنج کی سزا میں رنج دیا۔
اذ جاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت
القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المومنون
وزلزلوا زلزالا شدیدا۔ جس وقت وہ لوگ تمھارے اوپر سے آ پڑے اور
تمھارے نیچے کی طرف سے بھی چل گئے اور جس وقت ان کی کثرت سے تمھاری

تمہاری آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں اور خوف سے کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور خدا پر طرح طرح کے برے خیال کرنے لگے تھے، یہاں پر مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب اچھی طرح جھنجھوڑے گئے تھے ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین اور جنگ حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت تعداد نے مغرور کر دیا تھا پھر وہ کثرت تمہیں کچھ بھی کام نہ آئی اور تم ایسے گھبرائے کہ زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی، تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، تب خدا نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی ایسے ایسے بے شمار مقامات ہیں جہاں پیغمبر خطروں میں ڈوب ڈوب گئے مگر پیروں میں جنبش نہ آئی، پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم رہے اور سینہ تانے، دل مضبوط کیے، انتہائی سکون و وقار کے ساتھ ہجوم مصائب کا مقابلہ کرتے رہے، ان پریشانیوں سے نکلنے کے لیے پیغمبر نے خدا کے علاوہ کسی کی مدد نہ چاہی، کسی لمحہ صبر و توکل ہاتھ سے جانے نہ دیا، لہذا آپ کی قوت استقلال، ثبات قدم، صبر و ضبط کے مقابلہ میں یوسف و یعقوب، اسحاق، ابراہیم بلکہ جملہ انبیائے مرسلین کے صبر و ضبط کی حقیقت ہی کیا۔

(۱۱) سونے کی ٹڈی کا جناب ایوب پر آکر گرنا جبکہ وہ غسل فرما رہے تھے اور جناب ایوب کا اسے کپڑے میں چھپانا اور خداوند عالم کا انھیں عتاب فرمانا

بخاری و مسلم نے متعدد طریقوں سے یہ حدیث ابوہریرہ سے روایت کی ہے:

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں:-

قال بینا ایوب یغتسل عریانا فخر علیه جراد من ذهب فجعل ایوب یحتثی فی ثوبه فناداه ربه الم اکن اغنیتک عما تری؟ قال بلی وعزتک ولکن لا غنی بی عن برکتک

(صحیح بخاری پارہ اول ص۴۲ پارہ دوم ص۱۶۰)

جناب ایوب برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کا ایک ٹڈا آپ پر آ کر گرا جناب ایوب اسے کپڑے میں چھپانے لگے خداوند عالم نے انھیں آواز دی کہ اے ایوب کیا میں نے تمھیں غنی نہیں کیا۔ ایوب نے کہا بے شک تیرے عزت وجلال کی قسم ایسا ہی ہے مگر میں نے چاہا کہ تیری برکت سے اور فائدہ اٹھاؤں۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کی طرف کوئی آنکھوں کا اندھا اور مخبوط الحواس ہی توجہ کر سکتا ہے، کیونکہ سونے کی ٹڈی پیدا کرنا منجملہ آیات الٰہی ہے اور خارق عادت امور سے ہے اور خداوند عالم کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ ایسی چیزیں ضرورت کے وقت ہی خلق فرماتا ہے، جیسے اگر جناب ایوب کی نبوت کا ثبوت منحصر ہو جاتا اسی میں کہ سونے کی ٹڈی آپ کے لیے پیدا ہو جائے تو خداوند عالم اثبات نبوت کے لیے یقیناً پیدا کر دیتا، لیکن فضول و بیکار پیدا کرنا خدا کے لیے قطعی زیبا نہیں کہ خواہ مخواہ سونے کی ٹڈی پیدا ہو اور وہ تنہائی میں برہنہ نہاتے وقت جناب ایوب پر آگرے، جیسا کہ ابوہریرہ مدعی ہیں۔

اور اگر ایسا ہوا بھی، سونے کی ٹڈی خداوند عالم نے پیدا کی اور وہ ایوب پر آگری اور جناب ایوب نے اسے کپڑے میں چھپایا تو ایوب نے غلطی کیا کی؟ انھیں ایسا کرنا ہی چاہیے تھا کیونکہ وہ خدا کی نعمت اور انوکھی چیز تھی جس کا کبھی ایوب نے تصور بھی نہ کیا ہوگا، ایوب کے لیے مناسب یہی تھا کہ وہ دوڑ کر پکڑ لیتے اور سر آنکھوں پر رکھتے۔ اس سے دور بھاگنے، نفرت کرنے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی کیونکہ اس میں کفران نعمت الٰہی تھا۔ خدا تو ایوب کو خصوصی شرف بخشے، اُن کے لیے

سونے کی ٹڈی پیدا کردے اور وہ اس سے دور بھاگیں۔

اور انبیاء کرام اگر مال و زر جمع کرتے بھی ہیں تو اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ راہِ خدا و خوشنودیٔ معبود میں صرف کریں اور دینی و مذہبی ضروریات انجام دیں۔ انبیائے کرام کی نیتیں خداوند عالم پر اچھی طرح آئینہ ہوتی ہیں، لہذا اگر انبیا مال و زر جمع بھی کریں اور بالفرض جناب ایوب نے وہ سونے کی ٹڈی چھپائی بھی تو خداوند عالم کا عتاب فرمانا قطعی مناسب نہیں تھا۔

(۱۲) جناب موسیٰ پر الزام کہ آپ کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو آپ نے چیونٹی کے پورے گاؤں کو پھونک دیا

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال قرصت نملة نبیا من الانبیاء فامر بقریة النمل فاحرقت فاوحی اللہ الیہ ان قرصتك نملة احرقت امة من الامم تسبح اللہ - (صحیح بخاری پارہ ۲۵ ص ۱۱۴ آخر کتاب الجہاد والسیر صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۶ سنن ابن داؤد، کتاب الادب، سنن ابن ماجہ و نسائی، کتاب الصید، مسند امام احمد، مسند ابی ہریرہ)

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک چیونٹی نے نبیوں میں سے کسی نبی کو (ترمذی نے صراحت کی ہے کہ وہ نبی جناب موسیٰ تھے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۲۸۵) کاٹ لیا آپ نے حکم دیا کہ چیونٹیوں کا گاؤں جلا ڈالا جائے۔ چنانچہ پورا گاؤں پھونک ڈالا گیا۔ اس پر خداوند عالم نے جناب موسیٰ پر وحی فرمائی کہ تم نے ایک چیونٹی کے کاٹنے پر ایک امت کو جلا کر پھونک دیا جو خدا کی تسبیح کرتی تھی۔

پڑھاتے رہتے ہیں۔ انبیا کے متعلق ایسی ایسی باتیں بیان کیں کہ
جیسے ان... انبیائے کرام اس قسم کی تنگ ظرفیوں سے کہ معمولی چیونٹی کے ذرا سا کاٹنے پر
...شید۔ ...ؤں کا گاؤں پھونک ڈالیں کہیں بلند و برتر تھے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب وصی پیغمبر اپنے ایک خطبہ میں فرماتے
ہیں واللہ لو اعطیت الاقالیم السبعة بما تحت افلاکھا علی
ان اعصی اللہ فی نملة اسلبھا جلب شعیرة ما فعلت وان دنیا کم
عندی لاھون من ورقة فی فم جرادة تقضمھا مالعلی ولنعیم
یفنی ولذة لا تبقی خدا کی قسم اگر مجھے ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی اس شرط پر
دی جائے کہ میں ایک معمولی چیونٹی کو دانہ حاصل کرنے سے روک کر خدا کی نافرمانی کروں
تو میں ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ تمہاری یہ دنیا میرے نزدیک اس پتے سے بھی کمتر ہے
جسے ٹڈی منہ میں لیے چبا رہی ہو۔ علی کو دنیا کی فانی نعمتوں اور ختم ہونے والی
لذتوں سے سروکار ہی کیا"۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انبیاء و اولیاء کی کیا شان ہونی چاہیے۔
خداوند عالم اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کے لیے ایسے شخص کو ہرگز منتخب نہیں کر سکتا
جو ان ا کا کتوں سے پاک و صاف نہ ہو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حدیث کو صحیح سمجھنے والے جناب موسیٰ کی اس
آتش زنی کی کیا تاویل کریں گے، جبکہ ہمارے پیغمبر کا صریحی ارشاد ہے کہ لا یعذب
بالنار الا اللہ[1] آگ کے ذریعہ اللہ ہی عذاب کر سکتا ہے۔ تمام علماء کا اس مسئلہ پر
اتفاق و اجماع ہے کہ کسی حیوان کو بھی جلانا جائز نہیں سوا اس صورت کے کہ کوئی
انسان کسی انسان کو جلا کر مار ڈالے تو مرنے والے کے ورثہ کو حق ہے کہ وہ بھی مجرم کو

---

[1] امام نووی شارح صحیح مسلم نے اس حدیث کو شرح صحیح مسلم ج ۱۱ ص ۶ برحاشیہ شرح بخاری نقل کیا ہے۔

آگ سے جلادیں، ورنہ چیونٹی ہو یا اور کوئی جاندار اس کا جلانا ہرگز جائز نہیں لہٰذا جناب موسیٰ کا یہ فعل کیونکر جائز قرار دیا جائے گا۔

مزید براں امام ابوداؤد نے ایسی ہی سندوں سے جو بخاری و مسلم کے معیار پر بھی صحیح ہے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد، جھینگر کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔

(۱۴) یہ تہمت کہ پیغمبر خدا دو رکعت نماز اڑا گئے

نماز میں سہو اور سجدہ سہو کے باب میں بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے یہ حدیث روایت کی ہے:-

قال صلی النبی احدی صلاتی العشی واکثر ظنی العصر رکعتین ثم سلم ثم قام الی خشبة فی مقدم المسجد فوضع یدہ علیها وفیهم ابوبکر وعمر فهابا ان یکلماہ وخرج سرعان الناس فقالوا اقصرت الصلاة؟ ورجل یدعوہ النبی ذوالیدین فقال انسیت ام قصرت؟ فقال لم انس ولم تقصر قال بلی نسیت! فصلی رکعتین!	ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی زیادہ خیال میرا یہ ہے کہ وہ نماز عصر تھی آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر کر نماز ختم کردی پھر آپ ایک لکڑی کے پاس جو مسجد کے اگلے حصہ میں تھی کھڑے ہوئے دست مبارک اس پر رکھا، نماز یوں میں ابوبکر بھی تھے اور عمر بھی انھیں رعب نبوت مانع ہوا کہ کچھ بول سکیں۔ لوگ بہ عجلت صف سے باہر نکل آئے۔ لوگوں نے پیغمبر سے عرض کی آپ نے نماز قصر پڑھی ہے کیا؟ ایک شخص جسے پیغمبر ذوالیدین کہہ کر پکارتے تھے اس نے پوچھا کہ آپ نماز میں بھول گئے یا عمداً قصر پڑھی؟

ثم سلم ثم کبر ۔۔۔ الحدیث[1] | آں حضرتؐ نے فرمایا کہ نہ تو میں بھولا نہ نماز قصر ہوئی، اس نے کہا، نہیں بلکہ آپ بھول گئے اس پر پیغمبر نے پھر دو رکعتیں پڑھیں سلام پڑھا اور تکبیر کہہ کر سجدہ سہو کیا۔

اس حدیث میں جو رکاکتیں بھری ہیں اُن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

پہلی یہ کہ اس قسم کا بدترین سہو کسی بھی ایسے شخص سے ناممکن ہے جو رجوع قلب سے نماز پڑھ رہا ہو ایسا سہو تو ٹکر لگانے والوں ہی سے ممکن ہے جو اُلٹے سیدھے دو چار سجدے کر لیتے ہیں خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھنا ہے اور کیا مُنہ سے نکل رہا ہے۔ انبیائے کرام سے اس قسم کی نسیان کاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰؐ ایسے پیغمبر خدا سے جو خاتم النبیین سید المرسلین تھے اس قسم کی بھول قطعی محال و ناممکن ہے ایسا سہو تو کسی کے متعلق سننے میں بھی نہیں آیا۔ میں اپنے متعلق کہتا ہوں کہ مجھ سے اگر ایسا سہو ہو اور میں اس طرح بھول کر کبھی چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھ جاؤں تو مارے شرم کے کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ ہوں گا اور جو حضرات میرے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اُن کی نگاہوں میں نہ میری کچھ وقعت باقی رہے گی اور نہ میری عبادتوں کا کوئی وزن رہے گا۔ جب میرے لیے زیبا نہیں تو انبیاء کرام کے لیے اور بھی ایسا سہو جائز نہیں ہو سکتا خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰؐ جن کا خضوع و خشوع ذکر الٰہی میں اُن کا استغراق عالم میں مشہور ہے۔

دوسری یہ کہ اس حدیث میں ہے کہ پیغمبر نے فرمایا۔ نہ میں بھولا نہ نماز قصر ہوئی، پیغمبر کے یہ کہنے کے بعد سہو سے انکار فرمانے کے بعد پھر کیونکر ممکن ہے کہ آپ سے

---

[1] صحیح بخاری پ ۱۱ ص ۱۴۵ باب من یکبر فی سجدتی السہو اس کے علاوہ اور بھی کئی مقامات پر صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے، صحیح مسلم جلد اول ص ۲۱۵ باب السہو فی الصلوٰۃ مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۳۴ وغیرہ

واقعتاً سہو ہوا ہو۔ اگر آپ سے سہو ہوا تھا تو آپ نے انکار کیوں کیا، کہنے والے کو جھٹلایا کیوں؟ اگر ہم مان بھی لیں کہ پیغمبر سے اس قسم کا سہو جائز تھا تو کیا ہٹ دھرمی اور غلط بولنا اور اپنی غلطی پر مصر رہنا بھی جائز تھا کہ ایک تو آپ نے سہو فرمایا اور چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھی اور جب کہا گیا کہ آپ نے سہو فرمایا ہے تو کہنے لگے، نہیں، میں نے سہو کیا ہی نہیں۔ کون مسلمان کہہ سکتا ہے کہ پیغمبرؐ کے لیے ہٹ دھرمی اور اپنی بات کی پیچ مناسب تھی۔

تیسری یہ کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث میں متضاد باتیں کہی ہیں، کبھی تو یہ بیان کیا کہ پیغمبرؐ نے شام کی نمازوں میں سے کوئی نماز ظہر یا عصر پڑھی یہ یقین نہیں کہ کون سی نماز؟ بلکہ شک رکھتے ہوئے یا ظہر تھی یا عصر اور کبھی یہ کہا کہ نماز عصر پڑھی قطعی فیصلہ کرتے ہوئے کہ وہ نماز نماز عصر تھی۔ کبھی یہ کہا کہ بینا اصلی مع رسول اللہ صلاۃ الظہر ہم لوگ پیغمبرؐ کے ساتھ نماز ظہر پڑھ رہے تھے، یہاں یقین کے ساتھ بیان کیا کہ وہ نماز ظہر تھی، یہ تینوں روایتیں صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں، بخاری و مسلم کے شارحین ان حدیثوں کی شرح کرتے وقت عجیب مخمصے میں پڑ گئے اور نتیجہ میں زبردستی کی تاویلیں کیں۔

چوتھی یہ کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد اُٹھ کھڑے ہوئے مسجد کے کنارے جو لکڑی تھی وہاں آ کر اس پر ہاتھ رکھ کر استادہ ہوئے نمازیوں کا مجمع مسجد کے باہر آ گیا اور پیغمبرؐ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا نماز کم کر دی گئی ہے اور ذوالیدین نے کہا کہ آپ بھول گئے یا نماز ہی کم کر دی گئی اور پیغمبرؐ نے فرمایا کہ نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی۔ اس پر ذوالیدین نے کہا نہیں بلکہ آپ واقعتاً بھول گئے اور پیغمبرؐ نے اصحاب سے دریافت کیا کہ ذوالیدین جو کہتے ہیں وہ ٹھیک ہے؟ لوگوں نے تائید کی۔ اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں جو اس حدیث میں ابو ہریرہ نے بیان کیں۔[۱]

---

[۱] چنانچہ ابو ہریرہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ مسجد سے چل کر گھر میں تشریف لے گئے پھر وہاں سے پلٹے تو یہ باتیں ہوئیں

ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں صورت نماز کو ختم کر دیتی ہیں۔ سہو کا حکم تو یہ ہے کہ نماز کے بعد
حالت نماز میں بیٹھے ہوئے بغیر نقل و حرکت بغیر کچھ کلام کیے یاد آ جائے کہ "سہو ہوا"
تو باقی رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کی جا سکتی ہے مگر اس طرح کہ نماز سے اٹھ کھڑے ہوئے
چل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ آ گئے، لوگوں سے دیر تک باتیں بھی کیں، صورت نماز
کیسے باقی رہ سکتی ہے پیغمبر کو پھر سے نماز پڑھنا لازم تھا صرف دو رکعت بقیہ پڑھ لینے
سے نماز پوری کیسے ہوگی۔

پانچویں یہ کہ ذوالیدین جس کا اصل حدیث میں ذکر ہے اصل میں وہ ذوالشمالین[1]
بن عبد عمرو ہے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا چنانچہ امام نسائی نے جو حدیث لکھی ہے
اس کی لفظیں یہ ہیں فقال لہ[2] ذوالشمالین بن عبد عمرو انقصت
الصلوۃ ام نسیت فقال النبی ما یقول ذوالیدین۔ ذوالشمالین پسر عمرو
نے پوچھا کہ آپ نے نماز کم کر دی ہے یا بھول گئے، اس پر پیغمبر نے صحابہ سے پوچھا
یہ ذوالیدین کیا کہتا ہے؟ امام نسائی کی اس حدیث سے انکشاف ہوتا ہے کہ ذوالشمالین
اور ذوالیدین دونوں ایک ہی شخص کا نام ہے ذوالشمالین ہی ذوالیدین تھا۔ ایسی
ہی ایک واضح حدیث مسند امام احمد[3] میں بھی موجود ہے عن ابی سلمہ بن عبد الرحمان
وابی بکر بن سلیمان بن ابی حنتمہ کلیھما عن ابی ھریرہ قال صلی
رسول اللہ الظھر او العصر فسلم فی رکعتین فقال لہ ذوالشمالین
بن عبد عمرو (قال) وکان حلیفا لبنی زھرہ اخففت الصلوۃ
ام نسبت فقال النبی ما یقول ذوالیدین قالوا صدق۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمان
اور ابو بکر بن سلیمان دونوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر نے نماز ظہر

---

1. اس ذوالشمالین کا نام عمیر تھا (اصابہ) ۲ سنن جیسا کہ علامہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح
صحیح بخاری جلد ۳ ص ۲۶۷ میں مذکور ہے ۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۱ و ص ۲۸۴

یا عصر پڑھی اور دوسری رکعت میں سلام پڑھ کر نماز ختم کر دی اس پر ذوالشمالین بن عبد عمرو نے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا پوچھا آپ نے نماز میں کمی کر دی یا بھول گئے آپ نے لوگوں سے پوچھا ذوالیدین کیا کہتا ہے؟ لوگوں نے کہا ذوالیدین سچ بیان کرتا ہے۔

اصابہ میں بھی اسی قسم کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والا ذوالشمالین تھا۔ یہ سب کی سب حدیثیں صراحتہً بتاتی ہیں کہ ابوہریرہ کی اوپر والی حدیث میں جس ذوالیدین کا ذکر ہے وہ حقیقتاً ذوالشمالین ہی ہے۔

اور یہ طے شدہ امر ہے کہ ذوالشمالین ابوہریرہ کے اسلام لانے سے پانچ برس پہلے جنگ بدر میں شہید ہو چکے تھے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ جو شخص ابوہریرہ کے اسلام لانے کے پانچ برس پہلے ہی مر چکا ہو اس کا ابوہریرہ کے ساتھ پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھنا اور پیغمبر کے سہو فرمانے پر دریافت کرنا کس طرح ممکن ہے۔

یہی وجہ تھی کہ سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ نے ابوہریرہ کی اس حدیث پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف فتوے دیئے جیسا کہ نووی کی شرح صحیح مسلم باب سہو و سجدہ سہو میں مذکور ہے[۱]

بعض لوگوں نے یہ بات بنائی ہے کہ "صحابی آں حضرتؐ سے یا کسی دوسرے صحابی سے سُن کر ایسی حدیثیں بھی بیان کرتے تھے جس میں وہ خود موجود نہ ہوں لہذا ہو سکتا ہے کہ ابوہریرہ نے مذکورہ بالا واقعہ کو پیغمبرؐ سے یا کسی صحابی سے سنا ہو اور سُن کر بیان کیا ہو اس صورت میں ذوالیدین اگر پانچ برس پہلے مر بھی چکے ہوں تو کوئی خرابی نہیں واقع ہوتی لیکن یہ بات بقول قطعاً غلط و مہمل ہے اس لیے کہ ابوہریرہ نے اگر سُن کر بیان کیا ہوتا تو خیر ایک بات بھی تھی قیامت یہ ہے کہ اُن کا دعویٰ ہے کہ میں اس واقعہ میں موجود بھی تھا۔ ملاحظہ فرمائیے صحیح بخاری کی

---

[۱] شرح صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۳۵ برحاشیہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری

یہ حدیث عن آدم بن شعبہ عن سعد بن ابراہیم عن ابی سلمہ عن ابی ہریرہ قال صلی بنا النبی الظہر او العصر - ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی - نیز صحیح مسلم کی یہ حدیث عن محمد بن سیرین قال سمعت اباہریرہ یقول صلی بنا رسول اللہ ﷺ احدی صلوۃ العشی اما الظہر واما العصر - محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ کو کہتے سنا کہ پیغمبرؐ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی -

امام طحاوی ان سب حدیثوں کو دیکھ کر عجب شش و پنج میں پڑ گئے ایک طرف ان یہ اعتقاد بھی دل میں کہ ابو ہریرہ نے سچ ہی بیان کیا ہوگا دوسری طرف اس کا بھی یقین کہ ذوالیدین و ذوالشمالین ایک ہی شخص ہے اور وہ پانچ برس پہلے مر چکا تھا وہ اور ابو ہریرہ ایک ساتھ نماز میں اکٹھا نہیں ہو سکتے - اس وجہ سے انھوں نے مجبور ہو کر بات یہ بنائی جیسا کہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۶۶ میں ہے کہ ان حدیثوں میں ابو ہریرہ کا یہ فقرہ صلی بنا ہمارے ساتھ پیغمبر نے نماز پڑھی مجازاً ہے مطلب یہ ہے کہ پیغمبر نے مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھی مگر یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ ابو ہریرہ نے اپنی موجودگی کا ایک ایسا صریحی دعوی بھی کیا ہے کہ اس کے بعد کوئی بات بن نہیں سکتی - صحیح مسلم باب السہو فی الصلوۃ[3] میں یہ حدیث بھی موجود ہے عن ابی ہریرہ قال بینا انا اصلی مع رسول اللہ ﷺ صلوۃ الظہر سلم فی الرکعتین میں ایک مرتبہ پیغمبر کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ آپ نے دو رکعت ہی نماز پڑھ کر نماز ختم کر دی صلی بنا ہم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی کی تاویل تو کر دی گئی تھی کہ ہم سے مراد جماعت صحابہ ہے مگر میں

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۵ باب ثالث من ابواب ماجاء فی السہو [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۵
[3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۶

پڑھ رہا تھا، میں لفظ "میں" سے صحابہ کی جماعت کون سمجھ سکتا ہے؟

(۱۴) یہ غلط بیانی کہ پیغمبرؐ لوگوں کو ستاتے، سزا دیتے، گالیاں دیتے اور غیر مستحق پر لعنت فرماتے

بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے:-

اللھم انما محمد بشر یغضب کما یغضب البشر وانی قد اتخذت عندک عھدا لم تخلفنیہ فایما مومن اذیتہ او سببتہ او لعنتہ او جلدتہ فاجعلھا لہ کفارۃ وقربۃ تقربہ بھا الیک [۱]

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا خداوندا، محمدؐ صرف بشر ہے اسی طرح غصہ میں آتا ہے جس طرح آدمی، میں تجھ سے وعدہ لے چکا ہوں تو ایفاء وعدہ میں کمی نہ کرنا۔ میں نے جس مومن کو اذیت پہنچائی ہو یا گالی دی ہو یا سزا کی ہو یا لعنت کی ہو میرا یہ فعل اس کے گناہوں کا کفارہ اور اپنی قربت نزدیکی کا ذریعہ قرار دے۔

یہ حدیث بھی ماننے کے قابل نہیں۔ اس وجہ سے کہ پیغمبر خداؐ اور جملہ انبیائے کرام کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ وہ کسی کو اذیت دیں یا کسی کو ماریں پیٹیں یا گالیاں دیں یا غیر مستحق پر لعنت فرمائیں خواہ خوش ہونے کی حالت میں خواہ غیظ وغضب کے عالم میں بلکہ انبیائے کرام کا ناحق غصہ فرمانا ممکن ہی نہیں۔ خداوند عالم ایسوں کو رسول بنا کر بھیج ہی نہیں سکتا جو غصہ میں آکر ایسی حرکتیں کرنے لگیں۔ انبیائے کرام ہر ایسے قول وفعل سے پاک وصاف ہیں جو ان کی

---

[۱] صحیح بخاری پ ۲۴ صـ کتاب الدعوات صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۳۹۲ باب من لعنہ النبی مسند امام احمد ج ۲ صـ ۲۴۳

عصمت کے منافی ہوں اور ہر ایسی بات سے کوسوں دُور ہیں جو اُن کی شان کے خلاف ہو۔ ہر نیکو کار و بدکار، مومن و کافر جانتا ہے کہ بے قصور مومنین کو محض غصہ میں آکر ایذا پہنچانا یا انھیں مارنا پیٹنا یا گالی دینا، لعنت کرنا بدترین ظلم اور کھلا ہوا فسق ہے، ایسا فعل کوئی انصاف ور مومن بھی نہیں کر سکتا، لہذا سیدالنبیین اور خاتم المرسلین کے لیے یہ افعال کیونکر جائز ہو سکتے ہیں اور وہ بھی جبکہ خود آپ کا یہ قول بھی ہو کہ سباب المسلم فسوق[۱] مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے۔ انھیں ابوہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے قال قیل یارسول اللہ ادع علی المشرکین قال انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمۃ۔ پیغمبرؐ سے کہا گیا حضور آپ مشرکین پر بددعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، میں لعنت کرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوا بلکہ مجسم رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں[۲] — جب پیغمبرؐ مشرکین پر بددعا کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو بے قصور مومنین کے ساتھ یہ سلوک کب کر سکتے تھے۔

پیغمبرؐ کا یہ بھی ارشاد ہے لا یکون اللعانون شفعاء[۳] ولا شھداء یوم القیامۃ۔ باہم ایک دوسرے پر لعنت کرنے والے بروز قیامت نہ تو کسی کے سفارشی ہو سکتے ہیں نہ کسی کے گواہ۔ عبداللہ بن عمر[۴] سے منقول ہے لم یکن رسول اللہ فاحشا ولا متفحشا پیغمبر خدا[۵] نہ تو خود کوئی نامناسب و نازیبا بات کرتے نہ کسی کو کرتے پسند کرتے۔ آپ فرمایا کرتے کہ تم میں پسندیدہ وہ افراد ہیں جو اچھے اخلاق رکھنے والے ہیں۔

انس صحابی پیغمبرؐ کا قول ہے قال لم یکن رسول اللہ فاحشا ولا لعانا

---

[۱] صحیح بخاری پ۲۴ ص۳۹ کتاب الآداب باب ما ینھی عنہ من السباب واللعن [۲] صحیح مسلم جلد ۲ ص۳۹۳ باب النھی عن لعن الدواب وغیرہ [۳] صحیح مسلم جلد ۲ ص۳۹۳ [۴] صحیح بخاری پارہ ۱۴ ص۳۰ باب حسن الخلق [۵] صحیح بخاری پارہ ۱۴ ص۳۹

ولا سبابا پیغمبرؐ نہ تو نازیبا کام کرنے والے نہ لعنت کرنے والے نہ گالی بکنے والے تھے۔ جناب ابوذر کو جب[1] پیغمبر کے مبعوث ہونے کی خبریں ملیں تو اپنے بھائی سے کہا کہ اس وادی تک جاؤ اور جا کر ذرا پیغمبرؐ کی باتیں سُن آؤ۔ وہ گئے اور سُن کر واپس آئے اور ابوذر سے بیان کیا رأیته یأمر بمکارم الاخلاق میں نے آپ کو پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے دیکھا۔ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں پیغمبرؐ سے جو کچھ بھی سنتا وہ لکھ لیا کرتا تاکہ ہر بات پیغمبرؐ کی محفوظ رہے۔ قریش نے مجھے روکا اور کہا تم جو بات بھی پیغمبرؐ سے سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ غصہ اور خوشنودی دونوں کیفیتوں میں کلام فرماتے ہیں۔ میں نے اس پر لکھنا موقوف کر دیا اور یہ بات جا کر رسول اللہ سے کہی، آپ نے اپنی انگلیوں سے دہن مبارک کی طرف اشارہ فرما کر کہا لکھو، خدا کی قسم میری زبان سے حق بات ہی نکلے گی۔

عمر ابن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ سے پوچھا کہ میں جو کچھ آپ کے مُنہ سے سنوں وہ لکھ لوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، میں نے پوچھا غصہ و خوشنودی دونوں حالتوں میں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں چاہے غصہ میں رہوں چاہے رضامندی کے عالم میں زبان سے حق بات ہی نکالوں گا۔[2]

جناب عائشہ سے کسی نے پیغمبرؐ کے خلق کے متعلق پوچھا، انھوں نے کہا تم نے قرآن پڑھا ہے۔ کہا، ہاں! عائشہ نے کہا تو سمجھ لو کہ آں حضرتؐ کا خلق قرآن ہی ہے۔ کتنی اچھی تعریف کی ہے عائشہ نے خلق پیغمبرؐ کی۔ پوری تصویر کھینچ کر

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۲۲ [2] یہ دونوں حدیثیں ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم و فضلہ کے باب الرخصۃ فی کتاب العلم صفحہ ۳۶ میں لکھی ہیں۔

اس نقرہ میں رکھ دی۔ کوئی شبہ نہیں کہ عائشہ نے پیغمبر کو ہمیشہ اس کیفیت سے دیکھا ہوگا کہ قرآن آپ کے پیش نظر ہے، اس کی ہدایتوں پر آپ کا ہر عمل ہے۔ اس کے علم کی روشنی سے دیدہ و دماغ منور، قرآن کے تمام اوامر و نواہی کے آپ پابند، آداب و اطوار قرآنی سانچے میں ڈھلے ہوئے۔ کلام مجید کی یہ آیات پڑھیے پیغمبر کے نظریۂ اخلاق کا اندازہ کیجیے:۔

والذین یوذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا و اثما مبینا، والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا ھم یغفرون ۔ (سورہ احزاب آیت ۵۸)

اور جو لوگ ایماندار مرد اور ایماندار عورتوں کو بغیر کچھ کیے دھرے (تہمت دے کر) اذیت دیتے ہیں تو وہ ایک بہتان اور صریحی گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھاتے ہیں اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچے رہتے ہیں اور جب غصہ آجاتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین (سورہ شوریٰ آیت ۳۸)

اور غصہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطا سے درگذر کرتے ہیں اور نیکی کرنے والوں سے خدا الفت رکھتا ہے۔

واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما ۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۳۵)

اور جب جاہل ان سے جہالت کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سلام (تم سلامت رہو)

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین (سورہ فرقان آیت ۶۳)

اے رسول تم درگذر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو۔

ادفع بالتی ھی احسن

ایسے طریقے سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو

فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم ۔ (سورہ اعراف آیت ۱۹۹)

(ایسا کرو گے تو تم دیکھو گے کہ) جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہے۔

وقولوا للناس حسنا ۔ (سورہ فصلت آیت ۳۴)

لوگوں کے ساتھ اچھی طرح نرمی سے بات کرنا ۔

واجتنبوا قول الزور ۔ (سورہ بقرہ آیت ۸۳)

لغو باتوں سے بچے رہو ۔

ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین ۔ (سورہ حج آیت ۳۰)

حد سے آگے نہ بڑھو کہ خدا حد سے آگے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔

ومالنا ان لا نتوکل علی اللہ وقد ھدانا سبلنا ولنصبرن علی ما اذیتمونا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون ۔ (سورہ مائدہ آیت ۳۷)

اور ہمیں آخر کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ ہمیں (نجات کی) یقیناً اسی نے راہیں دکھائیں اور جو اذیتیں تم نے ہمیں پہنچائیں (ان پر ہم نے صبر کیا) اور آئندہ بھی صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو خدا ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور ۔ (سورہ ابراہیم آیت ۱۲)

اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب خدا دی جا چکی ہے (یہود و نصاریٰ) ان سے اور مشرکین سے بہت سی دکھ درد کی باتیں تمھیں سننا پڑیں گی اور اگر تم ان مصیبتوں کو جھیل جاؤ گے اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین ۔ (سورہ آل عمران آیت ۲۱۵)

اور جو مومنین تمھارے پیرو ہو گئے ہیں ان کے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (خاکساری سے پیش آؤ)

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ۔

(سورہ شعرا آیت ۲۱۵)

(اے رسول یہ بھی) خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم (سا) نرم دل (سردار) ان کو ملا اور اگر تم تیز مزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمھارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے پس (اب بھی) تم ان سے درگذر کرو اور ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور ظاہراً ان سے کام کاج میں مشورہ لیا کرو (مگر) اس پر بھی جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو ۔

یہ تھے ہمارے پیغمبر، اور یہ تھا پیغمبر کا دستور اخلاق اور اس طرح آپ مومنین سے پیش آیا کرتے تھے ہمارے پیغمبر ہی کا یہ قول تھا الرجل من ملك نفسه عند الغضب[1] آدمی وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے من يحرم[2] الرفق يحرم الخير جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا الرفق[3] لا يكون في شئ الا زانه ولا ينزع من شئ الا شانه نرمی جس بات میں بھی ہوگی اسے سنوار دے گی اور جس کام میں بھی نہ کی جائے گی اسے بگاڑ دے گی۔ ان الله رفيق[4] يحب الرفق ويعطي على الرفق ما لا يعطي على العنف وما لا يعطي على ما سواه خداوند عالم مجسمہ نرمی ہے اور نرمی سے کام لینے پر اتنا دیتا ہے جتنا زور زبردستی یا اور کسی بات پر نہیں دیتا ۔ المسلم[5] من سلم الناس من يده ولسانه مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں ۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ [3] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ [4] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ [5] صحیح بخاری پارہ ۱ صفحہ ۶

مختصر یہ کہ کمال اخلاق پیغمبرؐ پر مہر لگادی قدرت نے یہ کہہ کر انک لعلیٰ خلق عظیم اے پیغمبر تم خلق عظیم پر فائز ہو۔ حد ہو گئی! اب اس کے بعد عظمت خلق پیغمبر کا اندازہ کرنا کس کے بس کی بات ہے؟

لہٰذا وہ پیغمبر جو خلق کے اس درجے پر فائز ہو اس کے متعلق یہ تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ وہ غصہ میں آکر ناحق کسی پر لعنت فرمائے، کسی کو گالی دے یا جسمانی اذیت پہنچائے؟ خدا کی پناہ کوئی معمولی عقل والا اس کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا۔

اصل قصہ یہ ہے کہ ابوہریرہ نے معاویہ کے مقربین خاص میں شمار ہونے اور آل ابی العاص بلکہ جملہ بنی امیہ کی خوشامد و چاپلوسی کی غرض سے یہ حدیث گڑھی اور مقصد یہ تھا کہ پیغمبر بنی امیہ کے منافقین اور فرعون خصال افراد پر جو لعنت فرما گئے ہیں وہ لعنت مٹ جائے۔ بنی امیہ لوگوں کو راہِ خدا سے روکتے، گمراہی و ضلالت پھیلاتے تھے۔ پیغمبرؐ نے بارہا ان پر لعنت فرمائی اور دنیا و آخرت میں ہمیشہ کے لیے اُن کی ذلت و رسوائی پر مہر فرما دی تھی تاکہ ہر فرد بشر یہ سمجھ لے کہ اللہ و رسول سے انھیں کوئی تعلق نہیں، اور ان کے نفاق سے دین کو نقصان نہ پہنچنے پائے اور ان کی مفسدہ پردازیوں سے امت اسلام بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے، پیغمبرؐ نے کسی ذاتی عداوت یا خاندانی دشمنی کے بنا پر ان پر لعنت نہیں فرمائی بلکہ محض تقرباً الیٰ اللہ اور کتاب الٰہی اور عام مسلمانوں کی بھلائی و بہبودی کے لیے ایسا کیا۔ پیغمبر خدا نے خواب میں دیکھا تھا کہ جیسے حکم بن ابی العاص کی اولاد آپ کے منبر پر اچک پھاند رہے ہیں جس طرح بندر اچکتے ہیں اور لوگوں کو اُلٹے پیروں پھر کفر کی طرف پلٹائے لیے جا رہے ہیں۔ اس خواب کا اتنا عظیم اثر ہوا پیغمبرؐ پر کہ پھر آپ مرتے مرتے کبھی کھل کر ہنستے ہوئے نہیں پائے گئے[1]، خداوند عالم نے پیغمبر کے اس خواب کا

---

[1] مستدرک امام حاکم جلد ۴ ص ۴۸۰ کتاب الفتن والملاحم۔ امام حاکم نے اس حدیث کو

کلام مجید میں بھی تذکرہ کر دیا ہے۔

وماجعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس والشجرة الملعونة فی القرآن ونخوفهم فما یزیدهم الا طغیانا کفرا (سورہ اسراء آیت ۶۰)

اور ہم نے جو خواب تمھیں دکھلایا تھا تو بس اس سے لوگوں (کے ایمان) کی آزمائش (کا ذریعہ) ٹھہرایا تھا اور (اسی طرح وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی اور ہم باوجودیکہ ان لوگوں کو طرح طرح سے ڈراتے ہیں مگر ہمارا ڈرانا ان کی سخت سرکشی کو بڑھاتا ہی گیا

وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اس سے یہی خاندان بنی امیہ مراد ہے جس کے متعلق خداوند عالم نے پیغمبر کو بذریعہ خواب خبر دی تھی کہ یہ پیغمبر کی جگہ پر زبردستی قبضہ، پیغمبر کے جگر گوشوں کو ہلاک و برباد اور امت اسلام میں فتنہ و فساد پھیلائیں گے۔ اسی کا اتنا صدمہ ہوا قلب پیغمبر پر کہ آپ مرتے دم تک پھر کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے، پیغمبر کا یہ خواب علامات نبوت اور آیات سے شمار کیا جاتا ہے اس کے متعلق متعدد صحیح حدیثیں موجود ہیں جو حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔

پیغمبر اسلام نے ان لٹیروں کی قلعی کھول کر رکھ دی، ان کے متعلق ببانگ دہل اعلان فرما دیا تاکہ ان کی حقیقت سمجھنے کے بعد اُن سے دوستی اختیار کی جائے، یا ان سے نفرت و بیزاری پیغمبر پر کوئی ذمہ داری نہیں منجملہ ان اعلانات کے ایک یہ بھی تھا کہ حکم بن ابی العاص نے ایک مرتبہ پیغمبر کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی پیغمبر اس کی آواز پہچان گئے، آپ نے فرمایا:۔

ائذنوا له علیه لعنة الله

آنے دو اسے خدا کی لعنت اس پر بھی ہو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶) لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کے معیار پر بھی صحیح ہے علامہ ذہبی نے بھی باوجود شدید متعصب ہونے کے اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

۱۔ مستدرک ج ۴ ص ۴۸۱ کتاب الفتن والملاحم

ابوہریرہ

وعلی من یخرج من صلبہ الا المومن، منھم وقلیل ماھم یشرفون فی الدنیا ویضعون فی الاخرۃ ذوومکر وخدیعۃ یعطون فی الدنیا وما لھم فی الاخرۃ من خلاق۔

اس کی اولاد پر بھی سوا ان کے جو ایمان والے ہوں اگرچہ وہ بہت ہی کم ہوں گے۔ اس کی آل اولاد دنیا میں تو بڑی جاہ و منزلت والے ہوں گے۔ مگر آخرت میں انتہائی ذلیل و خوار، مکار و فریبی ہیں انھیں جو کچھ ملنا ہوگا وہ دنیا ہی میں مل جائے گا آخرت میں رتّی برابر ان کا حصہ نہیں۔

نیز فرمایا[1] اذا بلغ بنوالعاص ثلاثین رجلا اتخذوا مال اللہ دولا وعباد اللہ خولا و دین اللہ دغلا۔

جب عاص کی اولاد ۳۰ مردوں تک پہنچ جائے گی تو یہ مال خدا کو کھلونا، بندگان الٰہی کو غلام اور دین کو دھوکہ کی ٹٹی بنائیں گے۔

ایک مرتبہ فرمایا[2] اذا بلغ بنوامیۃ اربعین اتخذوا عباد اللہ خولا ومال اللہ نخلا وکتاب اللہ دغلا

جب بنو امیہ ۴۰ کی تعداد تک پہنچ جائیں گے تو بندگان خدا کو غلام، مالِ خدا کو اپنا مال خاص اور کتاب خدا کو ذریعہ فریب بنالیں گے۔

پیغمبر کے عہد میں دستور یہ تھا کہ جب کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا تو وہ بچہ پیغمبرؐ کی خدمت میں لایا جاتا اور آپ اس کے لیے دعا فرماتے چنانچہ مروان بن حکم جب پیدا ہوا تو یہ بھی آپ کے پاس لایا گیا آپ نے دیکھ کر فرمایا۔

ھوالوزغ بن[3] الوزغ الملعون بن الملعون۔

یہ چھپکلی ہے چھپکلی کا بیٹا، ملعون ہے ملعون کا بیٹا۔

۱؎ مستدرک ج ۴ ص ۴۸۱ علامہ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں بھی اس حدیث کو صحیح قرار دے کر باقی رکھا ہے ۲؎ مستدرک ج ۴ ص ۴۷۹ ۳؎ مستدرک ج ۴ ص ۴۷۹

حضرت عائشہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں یہ نقرہ بھی ہے[1] ولکن رسول اللہ لعن ابامروان ومروان فی صلبہ (قالت) فمروان فضض من لعنۃ اللہ لیکن رسول اللہ نے مروان کے باپ پر لعنت فرمائی اور مروان ابھی باپ کے صلب میں تھا (عائشہ نے کہا) تو اس مروان نے بھی خدا کی لعنت میں پورا حصہ پایا۔

شعبی عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ لعن الحکم وولدہٗ[2] حضرت سرور کائنات نے حکم اور حکم کی اولاد پر لعنت فرمائی۔

غرضکہ بے شمار صحیح حدیثیں ہیں جن میں پیغمبرؐ نے بنی امیہ کے اوپر لعنت فرمائی ہے امام حاکم نے اپنے صحیح مستدرک کے کتاب الفتن والملاحم میں جو حدیث ذکر کی ہے اگر اسی پر غور کیا جائے تو وہی ارباب بصیرت کی عبرت کے لیے کافی ہو۔ امام حاکم کتاب الفتن والملاحم کو ختم کرتے ہوئے یہ فقرہ تحریر فرماتے ہیں:۔

لیعلم طالب العلم[3] ان هذا باب لم اذکر فیہ ثلث ما روی وان اول الفتن فی هذه الامۃ فتنتهم (قال) ولم یسعنی فیما	اس باب میں جتنی حدیثیں موجود ہیں میں نے ایک تہائی بھی ذکر نہیں کیں۔ واقعہ یہ ہے کہ امت اسلام میں بنی امیہ کا فتنہ پہلا فتنہ تھا اس کے بعد امام حاکم تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ خدا کو ایک نہ ایک دن منہ دکھانا ہے لہذا

[1] مستدرک ج ۴ صفحہ ۴۸۱ [2] مستدرک ج ۴ صفحہ ۴۸۱ [3] مستدرک ج ۴ صفحہ ۴۸

امام حاکم کے اس جملہ سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہتی کہ وہ جمہور مسلمین سے خائف تھے ڈرتے تھے کہ ان صحیح حدیثوں کو درج کرنے پر عوام بھڑک نہ اٹھیں اسی لیے انھوں نے معذرت کی کہ میں نے محض اس بنا پر کہ ایک دن خدا کا سامنا کرنا ہے یہ حدیثیں بھی پیغمبرؐ کی درج کرنی ضروری سمجھیں۔

ابوہریرہ

بینی و بین اللہ ان اخلی الکتاب من ذکرھم الخ	بنی امیہ اور ان کے متعلق پیغمبرؐ کے ارشادات کچھ نہ کچھ درج کتاب کرنے ہی پڑے بغیر ذکر کے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

ان حقائق و واقعات کی روشنی میں یہ امر اچھی طرح آشکار ہو گیا کہ ابوہریرہ اور اُن کے ہم مشرب افراد نے اس قسم کی جتنی حدیثیں اختراع و ایجاد کیں ان کے تہ میں درحقیقت یہی غرض پوشیدہ تھی کہ پیغمبرؐ کی کی ہوئی لعنت دُھل جائے جو ہر اموی کو روسیاہ کیے ہوئے تھی۔

لائق ماتم تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں نے لاشعوری طور پر ان ملعون منافقین کی پاسداری کر کے پیغمبر اسلام کا لحاظ ترک کر دیا اور وہ یوں کہ بنی امیہ کی اعانت کرتے ہوئے ان جہلات و خرافات کو صحیح جانا اور یہ نہ خیال کیا کہ ان حدیثوں کی وجہ سے پیغمبر کی عظمت خاک باقی نہیں رہتی۔

مقام عبرت ہے کہ امت والے ان ملعونین کی بگڑی سنبھالنے کی فکر میں سرگردان رہے جن کے نفاق سے مجبور ہو کر پیغمبرؐ نے لعنت فرمائی، ان کی مفسدہ پردازیوں کے پیش نظر انھیں نکال باہر کیا، مگر اس مصلحت و منفعت کو ضائع و برباد کر دیا جو پیغمبر نے انھیں ملعون و مطرود فرمانے میں ملحوظ رکھی تھی، حالانکہ انھیں ملعونوں نے لیلۃ العقبہ جبکہ پیغمبرؐ تبوک سے واپس آرہے تھے پیغمبر کے اونٹ کو بھڑکایا تاکہ پیغمبرؐ گر پڑیں اور ہلاک ہو جائیں، مشہور واقعہ ہے جس کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ[1] پیغمبرؐ نے اس دن ان سب پر لعنت فرمائی، مسلمانوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ ان بنی امیہ کی حمایت میں اتنی سرگرمی دکھاتے ہیں اور انھیں بنی امیہ نے پیغمبر کا عرصۂ حیات

---

[1] مسند امام احمد جلد ۵ حدیث ابی الطفیل عامر بن واثلہ

تنگ کر دیا تھا، ہر طرح کا رنج پہنچایا ہر لمحہ جان لینے کی سازشیں کیں آپ پر اور
آپ کے اہل بیت پر ہر قسم کے حملے کیے، پیغمبرؐ نے ان پر اسی غرض سے لعنت
کی تاکہ خداوند عالم انھیں اپنی رحمت سے دُور رکھے اور امت اسلامی اجتماعی طور پر
ان سے کنارہ کش اور نفور رہے۔ اس لیے نہیں لعنت فرمائی تھی کہ آپؐ کی لعنت
ان کے لیے ذریعہ تقرب الٰہی ہو جیسا کہ ابوہریرہ کے قماش کے لوگ کہتے پھرتے ہیں۔

(۱۵) شیطان کا پیغمبرؐ کو نماز میں ستانا

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے:-

قال: صلی رسول الله صلاة فقال: ان الشیطان عرض لی فشد علی یقطع الصلاة علی فامکننی الله منه فذعتّه (ای فخنقته) ولقد هممت ان اوثقه الی

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ایک مرتبہ نماز پڑھی پھر لوگوں سے فرمایا کہ نماز میں شیطان سے میرا سامنا ہوا اس نے بڑی کوشش کی کہ میری نماز توڑ ڈالے مگر خداوند عالم نے مجھے اتنی طاقت دے دی کہ میں نے اس کا گلا دبوچ لیا اور چاہا کہ ستون سے باندھ دوں تاکہ تم لوگ

سلہ زبیر بن بکار نے امام حسنؑ اور آپ کے حریفوں کی گفتگو نقل کی ہے امام حسنؑ شام میں تشریف فرما تھے آپ میں اور معاویہ، عقبہ برادر معاویہ ابن عاص ابن عقبہ ابن شعبہ وغیرہ میں کچھ تیز باتیں ہوئیں سلسلہ گفتگو میں امام حسنؑ نے فرمایا تھا تم لوگ جانتے ہو کہ پیغمبرؐ نے سات مقامات پر ابوسفیان پر لعنت فرمائی تھی تم لوگ اس کا انکار نہیں کر سکتے پھر آپ نے سلسلہ وار ایک ایک مقام کا تذکرہ کیا پھر ابن العاص کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم بھی جانتے ہو اور یہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ تم نے ستر شعر پیغمبرؐ کی ہجو میں کہے اس پر پیغمبرؐ نے کہا تھا خداوندا میں شعر تو کہتا نہیں نہ مجھے مناسب ہی ہے تو ہر حرف کے عوض ہزار بار اس پر لعنت فرما اس کا واسطے تم پر خدا کی بے حد و حساب لعنت ہوئی بہت طولانی قصہ ہے شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۴ اور احتجاج علامہ طبرسی

ساریة حتی تصبحوا فتنظروا صبح کو آکر دیکھ سکو مگر مجھے سلیمان کا قول یاد
الیه فذکرت قول سلیمان: آگیا کہ "خداوندا مجھے ایسی حکومت عنایت
رب هب لی ملکا لا ینبغی فرما جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو" میں نے
لاحد من بعدی[1] الحدیث اُن کا قول یاد کرکے یہ خیال ترک کر دیا۔

یہ حدیث قابل قبول اس وجہ سے نہیں کہ انبیائے کرام اور برگزیدہ افراد کا شیطان سے محفوظ ہونا ضروری ہے، کیونکہ اگر ان افراد پر بھی شیطان کا قابو چل گیا تو ان کی فضیلت کیا باقی رہی وہ معصوم ہی کیسے ہوں گے خدا کی پناہ اس سے کہ ان حضرات پر شیطان غلبہ حاصل کر سکے یا سامنے آکر ستانے کا ارادہ کرے یا ان حضرات کے متعلق کسی بات کی امید و آرزو رکھ سکے۔ خداوند عالم نے تو شیطان سے فرمایا تھا ان عبادی لیس لك علیهم سلطان الا من اتبعك من الغاوین میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں سوا اُن گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں۔

مسلمانوں کے تہتر[3] فرقے ہیں مگر باوجود تہتر فرقے ہونے کے سبھی مسلمان بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے دنیا میں آتے ہی شیطان مفلوج و مضمحل ہو کر رہ گیا۔ ہمارے پیغمبرؐ نے اپنی ہدایت و رہبری، اپنے اصول و قوانین نظام حیات، نماز و عبادات کا وہ حصار قائم کر دیا کہ شیطان کا اس طرف گذر ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمارے پیغمبرؐ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہر چیز سے یکسو ہو کر خدا کے علاوہ ہر چیز کا خیال دل سے نکال کر مکمل رجوع قلب کے ساتھ اور جب تکبیرة الاحرام کہتے تو حسب ہدایت معبود فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان سے بچنے کے لیے خدا سے پناہ مانگ لیا کرو"

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۳ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۰۴ مسند ج ۲ ص ۲۹۸

آپ خدا کی پناہ مانگ لیا کرتے تھے اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ جب آپ
کی پناہ مانگتے تھے تو خدا آپ کو اپنی پناہ میں لے بھی لیتا تھا۔ شیطان بھی
حقیقت سے بے خبر نہ ہوگا چاہے ابوہریرہ اور ان کے قماش کے لوگ بے خبر ہوں
انھیں ابوہریرہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ "شیطان جب کسی
مسلمان کو نماز کے لیے اذان کہتے سُن لیتا ہے تو حواس باختہ پیٹھ موڑ کے بھاگتا
ہے۔ جب معمولی مسلمانوں کی آواز اذان پر شیطان کا اتنا ہراس ہے تو محبوب
رب العالمین پیغمبر پر اس کا کیا بس انه لیس له سلطان علی الذین آمنوا
وعلی ربهم یتوکلون انما سلطانه علی الذین یتولونه وهم به
مشرکون شیطان کا ان پر کوئی قابو نہیں جو ایمان والے ہیں اور خدا پر بھروسہ
رکھتے ہیں اس کا زور تو بس انھیں پر چلتا ہے جو شیطان کو دوست رکھتے ہیں اور
مشرک ہیں۔ اگر کہا جائے کہ شیطان پیغمبر کے سامنے بالکل بے دست و پا،
اس طرح ناکارہ ہی ہو گیا تھا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے واما ینزغنك
من الشیطان نزغ فاستعذ بالله انه هو السمیع العلیم اگر آپ کو اے
پیغمبر شیطان وسوسہ میں ڈال دے تو آپ خدا کی پناہ طلب کیجیے وہ سننے والا بھی
ہے اور ہر بات سے باخبر بھی" تو اس کی نوعیت سمجھنے کے لیے معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند عالم نے اپنے
حبیب محمد مصطفیٰ کو مخصوص آداب تعلیم فرما کر دو عالم پر فضیلت بخشی ایسے عمدہ
پاکیزہ اخلاق و آداب جس کے سامنے ہر نبی ہر ملک ہر متنفس بلکہ متمرد شیاطین نے
بھی سر جھکا دیا، سبھی نے مقبولیت تسلیم کی، چنانچہ کلام مجید میں جتنے احکام مذکور
ہیں ایک ایک پر آپ نے عمل کیا جن جن باتوں سے اس میں ممانعت کی گئی
ہے ایک ایک آپ سے عمل میں نہیں آئی، ہر حکمت قرآنی سے استفادہ کیا، ہر لمحہ
قرآن کو ملحوظ خاطر رکھا چنانچہ یہ آیت بھی انھیں آداب و اخلاق کے سلسلہ کی

صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۸ کتاب الاذان صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۵۳ باب فضل الاذان

ابو ہریرہ

ایک کڑی ہے۔ اس کے اوپر والی آیت پڑھیے:۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم۔

ایسے طریقوں سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو۔ ایسا کرو گے تو تم دیکھو گے کہ جس اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمھارا دل سوز دوست ہے۔ اس طرز عمل کو وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو صبر کرنے والے ہیں اور جو بڑے نصیبہ ور ہیں۔

یہ انتہائی مدارج تھے اخلاق کے جس پر خداوند عالم نے اپنے بندۂ خاص خاتم المرسلین کو پیدا کیا اور آپ اپنی ابتدائے بعثت سے زندگی کی آخری سانسوں تک انھیں اخلاق کا نمونہ پیش کرتے رہے۔ خداوند عالم نے آپ کے ارادوں کو استحکام، ہمت کو بلندی مرحمت فرمائی کہ آپ ان تعلیمات سے پوری پوری طرح فائدہ اٹھائیں، ہر دل کش و دل آویز اسلوب سے ان اخلاق و آداب کے برتنے کی قوت بخشی، خداوند عالم نے صرف ان اخلاق و آداب کے ساتھ آراستہ کر کے مبعوث کر دینے ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ قدم قدم پر شوق بھی دلایا، ہر لمحہ ان آداب سے کام لینے پر آمادہ بھی فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم ان اخلاق و آداب کو تو وہی دل سے قبول کریں گے جو صبر کے خوگر ہیں اور وہی ان سے منفعت حاصل کریں گے جو بڑے نصیبہ ور ہیں پھر اتنے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ آپ کو اس فطری تحریک انتقام سے جو اپنے ایذا دینے والوں کے خلاف انسان کے دل میں پیدا ہونا ہی چاہیے اور اسی کو شیطانی وسوسہ سے تعبیر کیا ہے، اپنے رسول کو اس سے محفوظ رکھنے کیلئے تنزیہی طور پر اس انداز میں کہ اگر شیطان کی طرف سے تمھیں کچھ تحریک ہو تو

غصہ سے پناہ حاصل کرو"۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ اگر تمھیں کسی وقت غم و غصہ کا
جوش پیدا ہو جو انسان کی طبیعت کا فطری تقاضہ ہے تو اس جوش سے کام
لو اور اس پر عمل کرنے میں اللہ سے پناہ مانگو۔ اسی کے مثل دوسری جگہ
سورہ اعراف میں ہے خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن
الجاھلین واما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ
انہ سمیع علیم (یعنی) عفو و کرم کو اپنا شعار رکھو اور دوسروں کو بھی نیکی
کی ہدایت کرو اور جاہلوں کی طرف توجہ نہ کرو اور اگر شیطان کوئی تحریک کرنا
چاہے تو تم اللہ سے پناہ حاصل کرو۔ وہ سننے والا اور خوب جاننے والا ہے"
اس میں بھی یہی ہے کہ خداوند عالم نے اپنے حبیب کو جاہلوں کا مقابلہ کرنے
سے روکا ہے وہ جو حجت تمام ہونے کے بعد جان بوجھ کر انکار کرتے تھے اور کفر پر
برقرار رہے تھے۔ صرف اللہ اور رسول سے عناد کی وجہ سے۔ اُن کے مقابلہ میں
رسول کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کوئی اعتناء نہ فرمائیں اور پھر رسولؐ کی اخلاقی
بلندی کے انتہائی تحفظ کے لیے آپ کو اس فطری جذبہ سے جو انسان میں طبعی
طور پر پیدا ہوتا ہے جاہلوں کی حماقتوں کے مقابلے میں ڈراتے ہوئے اس فطری
جذبے کو تحریک شیطان سے مجازاً تعبیر کیا ہے تاکہ پیغمبر اُس سے انتہائی متنفر ہو جائیں
جو کہ آپ کے دل و دماغ میں شیطان اور اُس کے وسوسوں سے نفرت انتہائی
درجہ تک جاگزین تھی اس لیے خالق نے اس فطری جوش و غضب کے تقاضے پر
عمل کرنے سے باز رکھتے ہوئے یہ الفاظ صرف کیے کہ اگر شیطان کچھ تحریک کرے
تو اللہ سے پناہ مانگو۔

اس مضمون کو بھلا ابوہریرہ کے اُس بیان سے کیا تعلق جو رسول کی زبانی
انھوں نے کہا ہے کہ شیطان میری طرف آیا کہ میری نماز توڑ ڈالے۔ یہ ایسی

بات ہے جو عقلاً و نقلاً کسی طرح درست نہیں۔

اب اگر کوئی ابوہریرہ کی حمایت میں سورۂ حج کی اس آیت کو پیش کرے

کہ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنیٰ القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ واللہ علیم حکیم لیجعل ما یلقی الشیطان فتنۃ للذین فی قلوبھم مرض والقاسیۃ قلوبھم ان الظالمین لفی شقاق بعید ولیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق من ربک الخ

ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا مضمون ابوہریرہ کی حکایت سے بالکل مختلف ہے۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ "تمہارے پہلے جو بھی نبی و رسول بھیجا گیا اس نے جب بھی آرزو کی شیطان نے اس کی آرزوؤں میں خلل ڈالا۔ ضروریات دین اسلام کی رو سے یقینی ہے کہ ہمارے رسول اور دیگر تمام انبیاء و مرسلین کے لیے ہرگز یہ ممکن نہیں کہ وہ رضائے الٰہی کے خلاف کوئی آرزو کرتے اور یقیناً ان کی آرزو جو کچھ بھی تھی وہ ایسی کہ جس سے خالق کی رضا اور خلائق کی بہبودی ہو۔

ہمارے پیغمبر کی آرزو یہ تھی کہ روئے زمین کے تمام انسان ایمان لے آئیں خصوصاً جو افراد آپ سے زیادہ قرب رکھتے ہیں اور شیطان اس آرزو میں خلل اندازی کرتا تھا اور ایسے پہلو پیدا کرتا تھا کہ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کے عناد میں اور شدت ہوتی تھی یہاں تک کہ انھیں آپ سے جنگ و مقابلہ پر آمادہ کر دیا۔

آپ کی آرزو یہ تھی کہ جو ایمان لائیں وہ سب بالکل خالص اور مخلص ہوں مگر شیطان نے ایسی صورتیں پیدا کیں کہ ان میں سے بہت سے دل میں نفاق کو جگہ دیتے رہے۔

حضرت کی آرزو اپنی امت میں سے ہر فرد کے لیے یہ تھی کہ وہ بالکل آپ کے
اسنے پر قائم و برقرار رہے اور ذرہ بھر بھی اُس سے اِدھر اُدھر منحرف نہ ہو اور
آپ کی انتہائی تمنا یہ تھی کہ تمام امت آپ کی سیرتِ پاک پر متفق ہو اور آپ کے
اوامر و نواہی کو متحدہ طور پر پیش نظر رکھے جس کے متعلق دو شخصوں میں بھی باہمی اختلاف
ہو مگر یہ شیطان نے اس بیش قیمت تمنا میں ایسی دراندازی کی کہ بہت سے
افراد آپ کے طریقوں سے منحرف ہو گئے اور اس کے نتیجے میں اُن کے درمیان
شدید اختلافات رونما ہو گئے اور وہ کثیر التعداد فرقوں میں تقسیم ہو گئے ۔

یونہی شیطان مردود گویا آپ کی تمام تمناؤں کے درپے رہا اور اُن کے
بارے میں ایسے افراد کے دل میں جو اُس کی وسوسہ انگیزیوں میں گرفتار ہو سکتے تھے
ایسی ایسی باتیں پیدا کیں کہ وہ رسولؐ کی تمناؤں کے مخالف ہو گئے ۔

شیطان کی ان وسوسہ خیزیوں اور باطل نوازیوں سے فریب کھانے والے
کثیر تعداد میں ہیں جن کے لیے اُس نے اپنی فوجیں تیار اور پھندے اور جال
تیار رکھے ہیں اور وہ اُن کے گمراہ کرنے کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہے۔ وہ انھیں
اپنی فریب کاری سے حق کو باطل اور باطل کو حق دکھلاتا اور پیغمبرؐ کی آرزوؤں کے
پامال کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتا ہے ۔

یہی وہ چیز تھی جس نے پیغمبر کو بے چین بنا رکھا تھا اس لیے خدا نے
اپنے رسول کو تسلی دی کہ "آپ کے پہلے جو بھی رسول اور نبی آیا ہے اُس کے
ساتھ یہی ہوا کہ جو اُس نے آرزوئیں کیں (جیسی آپ کی آرزوئیں ہیں کہ خلق خدا
راہ راست پر آجائے) تو شیطان نے اُس کی آرزو (کی تکمیل) میں دراندازی کی
(جس طرح آپ کی آرزوؤں کے بارے میں دراندازی کی ہے کہ اکثر آدمی
اُس کی وسوسہ انگیزیوں کی وجہ سے راہِ حق سے دور رہے ہیں۔ چنانچہ انبیاء

ابو ہریرہ

سب ہی آرزو یہ رکھتے تھے کہ تمام لوگ خالص و مخلص اللہ کی عبادت کرنے والے
ہو جائیں اور دو آدمی بھی اس میں اختلاف رکھنے والے نہ ہوں مگر شیطان نے
ان مقدس آرزؤں میں ایسی دراندازی کی کہ انبیاء کی آرزوئیں بہت کم پایۂ تکمیل
تک پہنچ سکیں یہاں تک کہ امتِ موسیٰ کے اکہتر فرقے ہوئے اور امتِ عیسیٰ کے
بہتر فرقے ہوئے اور یہیں تمام انبیاء کی امتیں اُن آرزؤں کی تکمیل سے محروم رہیں
لہذا اے رسول تمھیں اس پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد پیغمبر کو اطمینان
دلاتے ہوئے کہ شیطان تمھاری آرزؤں کے خلاف جتنی بھی کوششیں کرے گا
آخر میں اُسے ناکامی ہوگی۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ شیطان کی وسوسہ انگیزیوں کو
(بالآخر) منسوخ کردے گا (یعنی زائل کردے گا) پھر آپ کو خوشخبری دیتے ہوئے
کہ آخر میں حق ہی کو غلبہ ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ "پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط و مستحکم
کردے گا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا ویحق اللہ الحق بکلماتہ
ولو کرہ المجرمون۔ اور ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ نسخ اور احکام سے
یہاں مراد ان دونوں لفظوں کے اصطلاحی معنی نہیں ہیں بلکہ ان سے مقصود ان کے
لغوی معنی ہیں۔ نسخ یعنی زائل کرنا اور احکام یعنے استحکام پیدا کرنا۔ اس کا مفہوم
وہی ہے جو دوسری آیت کا ہے کہ فاما الزبد فیذھب جفاء واما
ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کذلک یضرب اللہ الامثال" جو
کف دریا کے مثل بے کار چیز ہے وہ فنا ہو جاتی ہے اور جو خلق خدا کے نفع کی چیز ہے
وہ روئے زمین پر برقرار رہتی ہے" پھر رسول کو انبیاء کی کامیابی کے متعلق مزید اطمینان
دلانے کے لیے ارشاد ہوا واللہ علیم حکیم اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے اُسے
معلوم ہے کہ انبیاء و مرسلین کس کس خلوص کے ساتھ اپنی آرزوئیں رکھتے ہیں اور وہ
اس سے بھی واقف ہے کہ شیطان کس کس طرح اُن کی تکمیل میں دراندازی کرتا ہے۔

اور وہ "حکیم" بھی ہے لہذا اپنی حکمت سے وہ شیطان کی ناکامی کے اسباب مہیا
کرتا ہے اس لیے کہ بہبودیٔ خلق کے اسباب فراہم کرنا جو انبیاء کرام کی آرزو ہے اور
بربادیٔ خلق کے ذرائع کو جو شیطان کا منصوبہ ہیں ناکام بنانا ہی حکمت کا مقتضا ہے۔
یہ بھی اُسی کی حکمت ہی ہے کہ انسانوں میں مطیع و عاصی کے تفرقہ کے لیے وہ اُن کی
شیطان کے ذریعہ سے آزمائش کرے ارشاد ہوا (تاکہ اللہ شیطان کی دراندازیوں کو
ذریعۂ آزمائش قرار دے۔ ان لوگوں کے نمایاں کرنے کے لیے جن کے دلوں میں مرض
ہے "یعنی نفاق اور جن کے دل سخت ہیں" ذکر الٰہی سے اُن میں نرمی نہیں پیدا
ہوتی اور قبول حق کے لیے تیار نہیں ہوتے (اور یقیناً ظالمین) یعنی منافقین و
کفار (دور رس اختلاف میں مبتلا ہیں" یعنی) اللہ و رسول کی عداوت اور اُن سے
اختلاف میں جس کی کوئی میعاد ہی نہیں (اور جو ہمارا مقصد ہے کہ صاحبانِ علم
جان جائیں) جو اللہ کی حکمت اور بعثت انبیاء و مرسلین کی حقیقت سے واقف ہیں
کہ یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے حق ہے کہ اس پر وہ ایمان لائیں) شیطان اور
اُس کی وسوسہ انگیزیوں کی طرف مطلق التفات نہ کریں۔ معلوم ہوا کہ اس آیت میں
فتنہ یعنی ذریعہ آزمائش اور لیعلم الذین اوتوا العلم کے جو الفاظ استعمال
کیے گئے ہیں وہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری جگہ ہے احسب الناس ان تترکوا
ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم
فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین اور ایک جگہ ما کان اللہ
لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب۔
ایک اور مقام پر ولیمحص الذین اٰمنوا ویمحق الکافرین۔ اس ازالہ غلط فہمی
کے بعد ہم پھر اصل حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں جس میں ابوہریرہ نے بیان کیا ہے
کہ پیغمبر نے ایک مرتبہ نماز پڑھی اور ارشاد فرمایا کہ شیطان کا میرا سامنا ہوا اس نے

مجھ پر بڑا زور کیا۔ بڑی کوشش کی کہ میری نماز توڑ ڈالے مگر خداوندعالم نے مجھے
اتنی طاقت دے دی کہ میں نے شیطان کا گلا دبوچ لیا اور چاہا کہ ستون سے
باندھ دوں کہ تم لوگ صبح کو آ کر دیکھ سکو۔ مگر مجھے جناب سلیمان کا قول یاد آ گیا کہ
خداوندا مجھے وہ سلطنت دے جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو" میں نے ان کی دعا
یاد کر کے یہ خیال ترک کر دیا"۔

امام بخاری و مسلم اور تمام وہ لوگ جو ابوہریرہ کی حدیثوں کا اعتبار کرتے ہیں
مجھے اس سوال کی اجازت دیں کہ کیا شیطان بھی ایسا جسم رکھتا ہے جس کی مشکیں
کسی جا سکیں ستون سے جسے اتنی دیر تک باندھ کر رکھا جا سکے کہ لوگ صبح کو آئیں تو
اس کا تماشا دیکھیں ـــــ میرا تو خیال یہ ہے کہ کوئی بھی اس کا قائل نہ ہو گا کہ شیطان
ایسا ٹھوس بدن رکھتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آیات قرآن مجید کے معانی و مطالب کو
صحیح طور پر نہ سمجھنے ہی کی وجہ سے ابوہریرہ کو اتنے بڑے اختراع کی جسارت ہوئی۔
ابوہریرہ نے دل میں سوچا ہو گا کہ بعض آیات قرآن مجید سے شیطان کا مقید ہونا
یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے چنانچہ جناب سلیمان کے حالات میں کلام مجید کی یہ آیت
بھی ہے فسخرنا له الريح تجري بامره رخاء حيث اصاب والشياطين
كل بناء وغواص وآخرين مقرنين بالاصفاد ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا
کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے تھے اُن کے حکم کے مطابق دھیمی چال چلتی تھی اور (اسی طرح)
جتنے شیاطین عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے سب کو تابع کر دیا اور دوسروں
کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے"۔

اس آیت کو دیکھ کر ابوہریرہ نے خیال کیا ہو گا کہ جس طرح اور بہت سے انسان
قیدی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اسی طرح شیطان بھی زنجیروں میں جکڑا ہوا
تھا۔ ابوہریرہ کو اس کا شعور نہیں ہوا کہ شیاطین اگر مقید تھے بھی تو اپنے عالم شیطانی میں

جکڑے ہوئے تھے اور اسی عالم شیطانی کی مناسبت سے اُن کی زنجیریں بھی تھیں جو انھیں فتنہ وفساد کے ارادے سے باز رکھتی تھیں مگر یہ کہ کوئی انسان انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے تو یہ قطعاً ناممکن ہے۔

ابوہریرہ نے اس حدیث میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے شیطان کو محض اس خیال کے بناء پر چھوڑ دیا ستون سے جکڑ کر باندھا نہیں کہ آپ کو جناب سلیمان کا قول یاد آگیا اور آپ کو سلیمان ایسی سلطنت منظور نہیں تھی اگر منظور ہوتی تو یقیناً اسے ستون سے صبح تک باندھ کر رکھتے اور آنے والے صبح کو آکے اس کا تماشا دیکھتے اس جگہ بھی ابوہریرہ کو دھوکا ہوا کیونکہ خداوند عالم نے جناب سلیمان کو جو عظیم الشان سلطنت عطا کی تھی اس کی وضاحت کی ہے قرآن نے ولسلیمان الریح غدو ھا شھر و رواحھا شھر و اسلنا لہ عین القطر ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر ۝ یعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات اور ہوا کو سلیمان کا (تابعدار بنا دیا تھا) کہ اس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ (مسافت) کی تھی اور (اسی طرح) اس کی شام کی رفتار ایک مہینہ (کے مسافت) کی تھی اور ہم نے ان کے لیے تانبے (کو پگھلا کر اس کا) چشمہ جاری کر دیا تھا اور جنات (کو ان کا تابع کر دیا تھا کہ ان) میں کچھ لوگ اُن کے پروردگار کے حکم سے اُن کے سامنے کام (کاج) کرتے تھے اور ان میں سے جس نے ہمارے حکم سے انحراف کیا اسے ہم (قیامت میں) جہنم کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے (غرض) سلیمان کو جو بنوانا منظور ہوتا یہ جنات اُن کے لیے بناتے تھے (جیسے) مسجدیں، محل، قلعے اور (فرشتے اور انبیاء کی) تصویریں اور حوضوں کے برابر پیالے اور (ایک جگہ) گڑی ہوئی (بڑی بڑی دیگیں)

تو خداوند عالم نے جناب سلیمان کو وہ زبردست سلطنت بخشی تھی جو بظاہر ہمارے پیغمبر کو نہیں عطا کی لہذا ابوہریرہ والے شیطان کو پیغمبر مقید فرما دیے ہوتے تو صرف اتنی سی بات کی وجہ سے جناب سلیمان کی برابری تو ہو نہیں جاتی کیونکہ صرف شیطان ہی تو مقید ہوتا۔ ہوا کا تابع فرمان ہونا، تانبے کے چشمے کا جاری ہونا، جنات و شیاطین کا کام کاج کرنا اور بہت سے امتیازی خصوصیات سلیمان کے لیے بچ رہتے ہیں لہذا شیطان کو مقید نہ کرنے کا سبب جو ابوہریرہ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے وہ انتہائی واہیات ہے جس طرح پوری کی پوری حدیث مہمل و خرافات ہے۔

(۱۶) پیغمبر کا صبح کی نماز سو کر قضا کر جانا

بخاری و مسلم نے بسلسلۂ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ (عبارت مسلم کی ہے) [۱]

قال عرسنا مع نبی اللہ فلم نستیقظ حتی طلعت الشمس فقال النبی لیاخذ کل رجل منکم براس راحلتہ فان ھذا منزل حضرہ الشیطان قال ابوھریرہ ففعلنا ثم دعا بالماء فتوضا ثم سجد سجدتین ثم اقیمت الصلوۃ فصلی صلاۃ الغداۃ

ہم لوگوں نے ایک مرتبہ پیغمبر کی معیت میں شب بسر کی، طلوع آفتاب تک ہم لوگ سوتے رہ گئے آنکھ نہ کھلی، آں حضرتؐ نے فرمایا! ہر شخص اپنی سواری کا سر پکڑ لے یعنی یہاں سے چل کھڑا ہو کیونکہ اس جگہ شیطان آموجود ہوا ہے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا پھر آپ نے پانی منگایا وضو کیا پھر دو سجدے کیے پھر جماعت کی تیاری ہوئی اور آں حضرتؐ نے صبح کی نماز پڑھی۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۴ باب قضاء الصلاۃ الفائتہ

یہ حدیث بھی پیغمبر کی سیرت کے بالکل برخلاف ہے، وہ عبادت کا والہ وشیدا
پیغمبر جس کے متعلق ارشاد الٰہی ہے یا ایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا
نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ و رتل القران ترتیلا
اے کمبل پوش ہمارے رات کو عبادت الٰہی کے لیے کھڑے ہو مگر کم آدھی رات، یا کچھ
کم و بیش اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ان ربک یعلم
انک تقوم ادنی من ثلثی اللیل و نصفہ تمھارا پروردگار جانتا ہے کہ تم
قریب قریب دو تہائی رات یا نصف شب عبادت الٰہی میں کھڑے رہتے ہو، دوسری
جگہ ارشاد ہوتا ہے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل
وقران الفجر ان قران الفجر کان مشہودا[1] ومن اللیل فتہجد بہ
نافلۃ لک عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا اے رسول سورج
کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز (ظہر عصر مغرب عشا) پڑھا کرو
اور نماز صبح بھی کیونکہ صبح کی نماز پر (دن اور رات دونوں کے فرشتوں کی) گواہی
ہوتی ہے اور رات کے خاص حصہ میں نماز تہجد پڑھا کرو یہ سنت تمھاری خاص فضیلت ہے
قریب ہے کہ قیامت کے دن خدا تم کو مقام محمود تک پہنچا دے یعنی رات ہی سے
نماز پڑھا کرو یہ نماز پنجگانہ کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ تم پر فرض ہے، نماز پنجگانہ

---

[1] خداوند عالم نے اس آیہ مبارکہ میں دلوک شمس یعنی زوال آفتاب سے رات کی تاریکی
تک چار نمازوں کے اوقات ذکر کیے ہیں۔ ظہر و عصر، مغرب اور عشا۔ ظہر و عصر ایک وقت میں
شریک ہیں دونوں نمازیں زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک پڑھی جاتی ہیں مگر ظہر پہلے پڑھی جاتی ہے
اور عصر بعد میں اسی طرح مغرب و عشا غروب آفتاب سے رات کی تاریکی تک مشترک ہیں اور یہاں بھی مغرب
مقدم ہے عشا سے اور نماز صبح کا وقت خداوند عالم نے مستقلاً بیان کیا وقران الفجر الخ لہذا اس آیت سے
نماز پنجگانہ کا وجوب اور ان کے اوقات کی وضاحت اسی صورت سے معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ہم شیعوں کا مسلک ہے

ابوہریرہ

تو ہر مکلف پر فرض ہے لیکن نماز شب خاص کرکے پیغمبر پر فرض کی گئی اور کسی پر واجب نہ تھی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے وتوکل علی العزیز الرحیم الذی یراک حین تقوم وتقلبك فی الساجدین خداوند قوی و رحیم پر بھروسہ کرو جو اس وقت بھی تمہیں نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے اچھی طرح دیکھتا ہے جبکہ کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہوتا اور اس وقت بھی جب تم نمازیوں کے ہمراہ قیام وقعود رکوع و سجود ذکر و تلاوت دعا وغیرہ میں مشغول رہتے ہو۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ومن اللیل فسبحه وادبار السجود۔

ہمارے پیغمبرؐ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ آپ تمام تمام شب عبادت الٰہی میں مصروف رہتے، پوری رات قیام وقعود رکوع و سجود کرتے گذار دیتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پیروں پر ورم آگیا[۱] اس پر جبرئیل خداوند عالم کا یہ پیغام لے کر آئے کہ اپنے نفس پر رحم کیجیے کہ اس کا حق بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور وحی الٰہی پہنچی طٰہٰ ما انزلنا علیك القرآن لتشقی الا تذکرۃ لمن یخشی اے طیب و طاہر ہم نے قرآن اس لیے آپ پر نازل نہیں کیا کہ آپ اپنی جان جوکھم میں ڈال دیں یہ تو خدا سے ڈرنے والے کے لیے نصیحت ہے، جان جوکھم میں ڈالنے کا مطلب یہی ہے ہر وقت مسلسل عبادت کیے جانا جو نفس کے لیے سبب مشقت ہو، مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ مسلسل اتنی عبادت کرتے رہیں کہ جو آپ کیلئے ناقابل برداشت مشقت بن جائے اور آپ عبادت کرکے اپنے کو ہلاک کردیں

---

[۱] تفسیر کشاف علامہ زمخشری تفسیر آیہ طٰہٰ۔ امام بخاری نے صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۵ میں ایک مستقل باب ہی قائم کیا جس میں وہ حدیثیں جمع کی ہیں جو آں حضرتؐ کے کثرت قیام کی وجہ سے قدم مبارک اور پنڈلیوں کے متورم ہو جانے کے متعلق وارد ہوئی ہیں ۱۲

نے قرآن کو نصیحت بنا کر بھیجا ہے لہذا آپ اپنے اوپر رحم فرمائیے ۔
امام بخاری نے صحیح بخاری میں آں حضرتؐ کی نماز شب کے متعلق متعدد ابواب
قائم کیے ہیں ایک باب نماز شب میں طولانی سجدہ کرنے کے متعلق ایک نماز شب
میں طولانی قیام کرنے کے متعلق، ایک باب آپ کے قیام کے متعلق یہاں تک کہ آپ کے
قدم متورم ہوگئے ۔ جب نماز شب میں پیغمبر کا یہ اہتمام تھا تو پنجگانہ نمازوں کی
پابندی کا کیا عالم ہوگا ۔ نماز پنجگانہ تو دین کی ان بنیادوں میں سے ایک بنیاد
ہے جس پر اسلام کی عمارت تعمیر ہوئی لہذا کسی طرح بھی ممکن ہے کہ پیغمبر نماز پنجگانہ
کو غائب کرتا نہیں معاذاللہ، پیغمبر ہی نے تو مسلمانوں کو کلام مجید کی یہ آیات
یاد کرائی تھیں حافظوا علی الصلوۃ والصلوۃ الوسطی، والذین
ہم علی صلاتہم یحافظون واولئک ہم الوارثون الذین
یرثون الفردوس وہم فیہا خالدون، فاقیموا الصلاۃ ان الصلوۃ
کانت علی المومنین کتابا موقوتا، قد افلح من تزکی و ذکر اسم
ربہ فصلی ۔ کلام مجید اس قسم کی روشن و واضح آیات سے بھرا ہوا ہے
جن کی طرف پیغمبر ہر لمحہ اور ہر آن لوگوں کو متوجہ کرتے رہتے اور وعظ و نصیحت
فرماتے رہتے، آپ نے نماز سے بے پروائی کرنے والوں کو یہ کہہ کر جھنجھوڑا ویل
للمصلین الذین ہم عن صلاتہم ساہون الذین ہم یراؤن ۔
منافقین کو یہ کہہ کر رسوا کیا ولا یاتون الصلوۃ الا وہم کسالی ولا ینفقون
الا وہم کارہون ۔
ایک شخص نیند کے غلبہ کی وجہ سے نماز شب نہ پڑھ سکا اس کے متعلق آپ نے
فرمایا بال الشیطان فی اذنہ[1] شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۱۳۳ کتاب الصلوۃ باب اذا نام ولم یصل بال الشیطان فی اذنہ ۔

اللہ اکبر اس فقرے کے ذریعہ پیغمبر نے نماز شب سے غفلت کرنے والوں کی بدحالی کا کتنا بلیغ کنایہ فرمایا ہے، ایسا کاری فقرہ ہے کہ اگر غیرت و انصاف دل میں ہو تو شب کی نیند حرام ہو جائے، اور یہ دنیا جانتی ہے کہ پیغمبر نے جتنے احکام دیے ہیں، جن جن باتوں کی مسلمانوں کو تعلیم دی ہے سب سے پہلے خود ان پر عمل فرمایا، اور سب سے زیادہ ان باتوں کی سختی کے ساتھ خود پابندی کی ہمارے پیغمبر نے زبانی باتوں سے امت کے افعال کو اتنا نہیں سنوارا جتنا اپنے افعال کے ذریعہ اپنا عملی نمونہ پیش کر کے ہدایت و رہبری فرمائی۔ لہذا کس عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ اتنا بڑا دور اندیش اور سوجھ بوجھ والا پیغمبر نماز شب سے بے پروائی کرنے والوں کی تو اتنی مذمت فرمائے اور خود فریضہ سحری سے یوں غفلت کرے نماز صبح نیند سو کر قضا کر جائے۔ معاذ اللہ

انھیں ابوہریرہ نے یہ حدیث روایت کی ہے ان رسول اللہ قال، یعقد[1] الشیطان علی قافیۃ راس احدکم اذا ھو نام ثلاث عقد فان استیقظ فذکر اللہ انحلت عقدۃ فان توضا انحلت عقدۃ فان صلی انحلت عقدۃ فاصبح نشیطا طیب النفس والا اصبح خبیث النفس کسلانا تم میں سے جب کوئی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر میں گرہیں لگا دیتا ہے پس اگر وہ بیدار ہوا اور خدا کو یاد کیا تو ایک گرہ خود بخود کھل جاتی ہے اور اگر وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور وضو کر کے اگر

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۱۳۶۔ امام بخاری پر تعجب ہے کہ اپنی صحیح میں ابوہریرہ کی یہ حدیث بھی لکھتے ہیں اور انھیں کی روایت کردہ اس حدیث کو بھی اپنی صحیح میں جگہ دیتے کہ پیغمبر محو خواب رہ کر صبح کی نماز قضا کر گئے۔ امام احمد نے بھی اس یعقد الشیطان والی حدیث کو مسند جلد ۲ صفحہ ۱۵۳ میں درج کیا ہے۔

...بھی پڑھی تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ شخص آزاد و بشاش صبح کرتا ہے
...سست و کاہل اور بدنفسی کے عالم میں اس کی صبح ہوتی ہے۔

یہ حدیث بھی اوپر والی حدیث کی طرح بلیغ ترین کنایہ ہے۔ یہ دونوں حدیثیں
...پیش کرتی ہیں کہ پیغمبر خدا شیطان سے ڈرانے اور عبادت خدا کا شوق دلانے
میں اپنی امت کے کتنے خیر خواہ تھے۔

اگر ابوہریرہ ان دونوں حدیثوں کے بیان کرنے میں سچے ہیں تو یقیناً
انھوں نے پیغمبر کی نماز صبح کھا جانے کی حدیث بیان کر کے پیغمبرؐ پر بدترین تہمت
...باندھی ہے۔

انھیں ابوہریرہ نے پیغمبر سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ آں حضرتؐ نے
ارشاد فرمایا لیس صلوٰۃ اثقل علی المنافقین من الفجر والعشاء
ولو یعلمون ما فیھما لاتوھما ولو حبوا۔ لقد ھممت ان آمر
المؤذن فیقیم ثم آمر رجلا یؤم الناس ثم آخذ شعلا من
نار فاحرق علی من لا یخرج الی الصلوٰۃ بعد[1] منافقین کو جتنا نماز صبح
اور نماز عشا پڑھنا شاق گزرتا ہے اتنا اور کسی نماز کا پڑھنا نہیں اگر انھیں معلوم
ہوجائے کہ ان دونوں نمازوں میں کتنا خیر و برکت ہے تو جس طرح بن پڑے
ضرور شریک ہوں چاہے گھٹنیوں کے بل چل کے سہی، میں نے چاہا کہ موذن کو
حکم دوں کہ بعد اذان اقامت کہے پھر ایک شخص کو نماز پڑھانے کو کہوں، اس کے
بعد آگ روشن کر کے ان تمام لوگوں کو جلا کر خاک کردوں جو اس نماز میں شریک
ہوئے ہوں۔

ملاحظہ فرمائیے پیغمبرؐ نے نماز فجر و عشا کی کتنی شدید تاکید فرمائی ہے صرف

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۱ صفحہ ۸۴ کتاب الصلوٰۃ باب فضل صلاۃ العشاء

تاکید ہی نہیں بلکہ جو لوگ نماز میں شریک نہ ہوں اور سوتے رہ جائیں انھیں جلا کر پھونک دینے کا تہیہ تک کیا۔ جب دوسروں کے ساتھ نماز صبح کے لیے آپ اتنی سختی فرمائیں تو کیا خود اسی فعل کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ خدا جزائے خیر دے عبداللہ بن رواحہ صحابی پیغمبرؐ کو کیا خوب کہا ہے[1]؎

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ   اذا انشق معروف من الفجر ساطع

ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا   بہ موقنات ان ما قال واقع

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ   اذا استثقلت بالعابدین مضاجع

ہم میں خدا کے وہ رسول ہیں جو سپیدۂ سحری کے نمودار ہونے کے وقت تلاوت کلام مجید فرماتے ہیں۔

"ہم گمراہ تھے انھوں نے ہماری ہدایت فرمائی اب ہمارے دلوں کا عالم یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے ہر ارشاد کو حرف بحرف صحیح یقین کرتے ہیں۔

جب کہ اور عبادت گذار بستروں پر محوِ خواب ہوتے ہیں ہمارے پیغمبر بستر سے دور عبادت الٰہی میں شب بسر کرتے ہیں"۔

اب ہم حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے باطل ہونے کے قرائن ذکر کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

یہ حدیث چند وجہوں سے باطل ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ علمائے کرام نے پیغمبرؐ کے خصوصیات جو مختصات میں یہ بات ذکر کی ہے کہ جب آپ محو خواب ہوتے تو آپ کا دل بیدار رہتا۔ بہت سی صریح حدیثیں اس کی صراحت کرتی ہیں[2]۔

---

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۱۳۸ [2] امام بخاری نے اس مسئلہ کے لیے علیحدہ ایک باب قائم کیا ہے ملاحظہ ہو صحیح بخاری پ ۲ ص ۱۰۹

پیغمبر کی نبوت کے علامات اور اسلام کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے لہذا جب
یہ کہ سوتے میں بھی پیغمبر کا دل بیدار رہتا تھا تو نا ممکن ہے کہ پیغمبر سو کر صبح
نماز قضا کر جائیں کیونکہ اگر آنکھیں سوتی بھی رہی ہوں گی تو دل یقیناً بیدار رہا ہوگا
دنیا کی چیزوں سے غافل رہا بھی ہو تو خدا سے تو ہرگز غافل نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ پیغمبر صرف نماز شب پڑھ کر سونے کے لیے لیٹ گئے نماز وتر ابھی نہیں
پڑھی تھی آپ کی کسی بیوی نے کہا حضور پیغمبر نماز وتر پڑھے سو رہے ہیں، تو آپ نے
فرمایا کہ آنکھ میری سوتی ہے مگر دل جاگتا رہتا ہے مطلب یہ کہ نماز وتر فوت نہ ہونے
پائے گی۔ جب نماز وتر کا اتنا دھیان تھا تو پھر نماز صبح کے لیے کتنا دھیان رہنا چاہیے۔

دوسری وجہ اس حدیث کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے وضاحت
کی ہے (جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے) کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ جنگ خیبر
سے لوٹ کر واپس تشریف لا رہے تھے۔ قابل غور یہ ہے کہ ابو ہریرہ جو اس واقعہ کے
کئی دنوں بعد مسلمان ہوئے کیونکر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ میں بھی اس واقعہ میں موجود تھا۔[۳]

---

(۱) صحیح بخاری پارہ ۲ ص ۱۴۹ باب کان النبی تنام عینیہ ولا ینام قلبہ ۔ مسند جلد ۲ ص ۲۵۱
(۲) صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۵۴ باب قضاء الصلاۃ (۳) البتہ ابو ہریرہ اپنی زندگی کے آخری
دنوں میں بیان کیا کرتے کہ میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ قبول اسلام کے لیے مدینہ پہنچا
پیغمبر ان دنوں خیبر کی طرف تشریف لے گئے تھے اور مدینہ میں سباع بن عرفطہ غفاری کو نگراں
بنا گئے تھے ہم لوگوں نے صبح کی نماز انھیں کے پیچھے پڑھی جب ہم لوگ نماز سے فارغ ہوئے
تو سباع بن عرفطہ نے کچھ زاد سفر ہم لوگوں کو دیا جس کی مدد سے ہم لوگ خدمت پیغمبر میں آئے
اس وقت خیبر فتح ہو چکا تھا مال غنیمت کی تقسیم ہو رہی تھی پیغمبر نے مسلمانوں سے ہم لوگوں
کے متعلق سفارش کی مسلمانوں نے اپنے حصوں میں ہمیں بھی شریک کر لیا جس طرح اور تمام مسلمانوں نے
مال غنیمت میں حصہ پایا ہم نے بھی حصہ پایا۔ یہ حدیث تنہا ابو ہریرہ نے بیان کی ہے اور
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ پر)

تیسری وجہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا
لیاخذ کل رجل منکم براس راحلتہ فان ھذا منزل حضرہ الشیطان
قال ففعلنا ہر شخص اپنی سواری کا سر پکڑلے کہ اس جگہ شیطان آموجود ہوا ہے
ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ چنانچہ ہم نے تعمیل حکم پیغمبرؐ کی۔ ہم گذشتہ صفحات میں وضاحت
کر چکے ہیں کہ شیطان پیغمبرؐ کے پاس بھی پھٹک نہیں سکتا تھا اور یہ بھی ہر شخص
جانتا ہے کہ ابو ہریرہ کو اس وقت تو کھانے کو بھی نصیب نہ تھا دوسروں کے
ٹکڑوں پر گذر اوقات تھی سواری ان کے پاس کہاں سے آتی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ
ثم دعا بالماء فتوضا ثم سجد سجدتین ثم صلی صلاۃ الغداۃ
پیغمبرؐ نے پانی منگایا وضو کیا دو سجدے کیے پھر نماز صبح پڑھی۔

نماز صبح تو پیغمبرؐ نے اس لیے پڑھی ہوگی کہ فوت ہوگئی تھی آپ نے قضا کی ہوگی
لیکن دو سجدے کرنے کی وجہ ہماری سمجھ میں خاک نہ آئی۔ فاضل نووی شارح صحیح مسلم
بھی اس چیز کو گول کر گئے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ فوج اور سردار فوج کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا کہ کچھ پہرے دار
ہوا کرتے ہیں جب فوج والے سوتے ہیں تو وہ پہرے دار جاگ کر پہرا دیا کرتے ہیں
خصوصاً وہ پہرا تو اس وقت اور سختی کے ساتھ دیا جاتا ہے جب فوج کے ہمراہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹) کسی صحابی سے اس مضمون کی روایت وارد نہیں ہوئی لیکن جمہور اہل سنت نے
ابو ہریرہ کو حسب عادت سچا سمجھتے ہوئے اس روایت کو بھی صحیح سمجھ لیا اور بطور مسلمات خیبر میں
ان کی موجودگی بھی بیان کرنے لگے۔ مگر حقیقتاً خیبر میں ان کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں۔
صحیح و درست وہی بات ہے جو ہمارے ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے منقول ہے کہ جب پیغمبر
خیبر سے پلٹ کر آ لیے ہیں تب ابو ہریرہ مدینہ پہنچے اور اسلام لائے۔

بادشاہ بھی موجود ہو اور دشمن کے شبخون مارنے کا ہر وقت خطرہ لاحق ہو۔ پیغمبر کے لشکر میں بہت سے منافق تھے جو ہر وقت سازشیں کرتے رہتے اور پیغمبر کی جان لینے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے لہذا کیونکر ممکن ہے کہ پیغمبر فوج کے اس معمولی دستور سے بھی پہلو تہی کرنے کے مرتکب ہوں، آپ نے پہرے دار نہ رکھے ہوں جو جاگ کر فوج کی پہرے داری کریں اور اپنے کو بھی خطرے میں ڈالا ہو اور فوج کو بھی۔ پیغمبر اس ضروری تدبیر سے غافل تصور کیے ہی نہیں جا سکتے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر پیغمبر اور فوج والے سو بھی گئے تھے تو کیا پہریدار بھی سو گئے تھے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اس واقعہ میں ایک ہزار چھ سو لشکریوں کے ہمراہ تھے جن میں دو سو سوار تھے باقی چودہ سو پیادہ تھے اور یہ بات عادتاً ناممکن ہے کہ اس وقت پوری کی پوری فوج محو خواب رہی ہو کوئی بھی نہ جاگا ہو اور نماز صبح کیلئے دوسروں کو نہ جگایا ہو۔ مان بھی لیا جائے کہ سب پر اتنی نیند مسلط تھی کہ کوئی بھی بیدار نہ ہوا تو کیا دو سو گھوڑوں کے ہنہنانے سے بھی کوئی بیدار نہ ہوا ہو گا، کیا گھوڑے بھی سب کے سب سو رہے تھے اور صبح کے وقت اپنے چارہ گھاس تک سے غافل ہے۔ یہ آخر کس نشہ کی نیند تھی کہ ۱۶ سو آدمی سب کے سب محو خواب، دو سو گھوڑے اور بھی نیند میں چور نہ کوئی انسان جاگا نہ حیوان بیدار ہوا۔

(۱۶) گائے اور بھیڑیے کا فصیح زبان عربی میں باتیں کرنا

بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی۔ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں:۔

قال صلی رسول اللہ صلاۃ الصبح ثم اقبل علی الناس فقال بینا رجل یسوق بقرۃ	پیغمبر نے ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھی پھر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا ایک شخص ایک گائے ہنکائے لیے جا رہا تھا کہ

اذ رکبھا فضربھا۔ فقالت! انا لم نخلق لھذا انما خلقنا للحرث! فقال الناس: سبحان اللہ بقرۃ تکلم! قالؐ فانی اومن بھذا انا و ابوبکر وعمر وما ھما ثم۔ وبینا رجل فی غنمہ اذ عدا الذئب فذھب منھا بشاۃ فطلبھا حتی استنقذھا منہ فقال لہ الذئب: استنقذتھا منی! فمن لھا یوم السبع؟ یوم لا راعی لھا غیری! فقال الناس: سبحان اللہ ذئب یتکلم! قالؐ فانی اومن بھذا انا وابوبکر وعمر وما ھما ثم۔ [۱]

اس پر بیٹھ گیا اور اسے مارا، وہ گائے بولی میں سواری کے لیے نہیں پیدا کی گئی بلکہ میں کھیتی کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔ پیغمبرؐ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے کہا سبحان اللہ گائے بھی کہیں بولتی ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا گائے کے بولنے پر میں بھی ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر اور عمر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ابوبکر و عمر وہاں موجود نہ تھے۔ نیز آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا ایک شخص اپنی بکریاں چرا رہا تھا ایک بھیڑیا آیا اور ایک بکری اٹھائے گیا وہ شخص اس بھیڑیے کے پیچھے دوڑا اور بھیڑیے کے منہ سے بکری چھین لی، اس پر بھیڑیے نے کہا تم نے یہ بکری مجھ سے چھین لی؟ یوم السبع میں بکری کو کون بچائے گا جبکہ میرے سوا کوئی اس بکری کا نگراں نہ ہو گا۔ پیغمبرؐ کے ارشاد کو سن کر لوگوں نے کہا سبحان اللہ بھیڑیا بھی بولتا ہے! آں حضرتؐ نے فرمایا میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں ابوبکر و عمر وہاں موجود نہ تھے۔

ابوہریرہ نت نئی باتیں بیان کرنے کے بڑے شائق تھے اس شوق نے ایسی ایسی باتیں اُن کی زبان سے نکلوائی ہیں جو دیدہ نہ شنیدہ جن کا عادتاً وقوع میں

[۱] صحیح بخاری پارہ ۱۴ ص ۱۴۱ و ص ۱۹۰ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۶ فضائل ابی بکر۔ مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۴۶

آنا ممکن! کیا کیا مزے کی حدیث بیان کی ہے کہ سنیے اور سر دھنیے۔ پتھر جناب موسیٰ کے کپڑے لے بھاگا۔ موسیٰ نے ملک الموت کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ جناب ایوب پر سونے کی ٹڈی آ کے گری۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی پالش میں لگادی کرن آفتاب کی

اس حدیث میں ابوہریرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک گائے اور ایک بھیڑیے نے فصیح زبان عربی میں گفتگو کی۔ کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے۔ کوئی شخص اس کا تصور بھی کر سکتا ہے۔ ایسی باتیں اگر ہو بھی سکتی ہیں تو اس وقت جب خداوند عالم کو اپنے پیغمبر کی صداقت اور نبوت کا ثبوت دنیا کو دینا مقصود ہوتا ہے بطور چیلنج اس قسم کے ناممکن و خارق عادت افعال ظہور میں آتے ہیں کہ دیکھو ہمارا پیغمبر اس امر پر قادر ہے کہ ع گنگ کو ماہر انداز تکلم کر دے — لیکن ابوہریرہ نے جس گائے اور بھیڑیے کا ذکر کیا ہے وہاں نہ تو کسی نبی کا ذکر ہے اور نہ نبوت کا نہ کسی چیلنج کا۔ لہذا بے سبب بے ضرورت خواہ مخواہ قدرت کو اس کرشمہ نمائی کی کیا حاجت لاحق ہوئی۔

معجزات و خارق عادت باتیں کھیل ٹھٹھا تو نہیں کہ بے کار فضول ظہور میں آتی رہیں۔ اور ابوبکر و عمر کا نام جو انھوں نے ضمیمہ کے طور پر اس حدیث میں چپکا دیا ہے اس سے کون سی فضیلت ان دونوں حضرات کی ثابت ہو گئی۔ کاش ابوبکر و عمر کے زمانے میں ابوہریرہ نے یہ حدیث بیان کی ہوتی اور یہ دونوں حضرات بھی سنے ہوتے تو اس وقت ابوہریرہ کو اپنی قدر و عافیت معلوم ہوتی مگر ابوہریرہ نے اپنی ندرت پسند طبیعت کی سیری کے لیے یہ حدیث اس وقت بیان کی جب کوئی ٹوکنے والا موجود نہ تھا۔

(۱۸) ابو بکر کا ۹ھ ہجری میں افسر حج مقرر کیا جانا اور اسی سال ابو ہریرہ کا برائت کا اعلان پڑھ کر سنانا

بخاری و مسلم نے حمید بن عبد الرحمان بن عوف سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ نے ان سے بیان کیا۔

ان ابا بکر الصدیق بعثہ فی الحجۃ التی امرہ علیھا رسول اللہ قبل حجۃ الوداع بسنۃ یوم النحر فی رھط یوذنون فی الناس ان لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان[1]

ابو بکر جس سال افسر حج مقرر ہوئے تھے حجۃ الوداع سے ایک سال قبل تو انھوں نے ابو ہریرہ کو قربانی کے دن ایک جماعت کے ساتھ بھیجا تا کہ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

بخاری نے انھیں حمید سے اور انھوں نے ابو ہریرہ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے:۔

قال بعثنی ابو بکر الصدیق فی تلک الحجۃ فی موذنین بعثھم یوم النحر یوذنون بمنی ان لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان (قال) ثم اردف النبی بعلی فامرہ

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ اس حج میں ابو بکر نے مجھے قربانی کے دن اعلان کرنے والوں کے ہمراہ بھیجا تا کہ مقام منیٰ میں یہ اعلان ہم لوگ کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرے۔ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پھر پیغمبرؐ نے علیؑ کو بھی

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۱ صفحہ ۱۹۲ کتاب الحج باب لا یطوف بالبیت عریان صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۵۱۱ باب لا یحج البیت مشرک ولا یطوف بالبیت عریان ۱۲

ان یوذن ببراءۃ فاذن معنا علی فی اهل منی یوالنحر الحدیث[1]

ساتھ کر دیا اور حکم دیا کہ وہ بھی برأت کا اعلان کریں چنانچہ انھوں نے بروز قربانی اہل منی میں ہمارے ساتھ اعلان کیا۔

شام کی سیاست سے نہ تو یہ بات بعید و تعجب خیز تھی کہ ابوہریرہ وحمید کو یہ حدیث بیان کرنے پر مجبور کیا گیا ہو نہ یہی امر چنداں باعث حیرت ہے کہ خود ان دونوں نے شامی حکومت کی خوشامد و چاپلوسی میں یہ حدیث گڑھی ہو۔ ابوہریرہ شام گئے ہی تھے اس لیے کہ اپنے کاروبار کو خوب ترقی دیں اور من گڑھت حدیثیں بیان کرکے درہم و دینار سے اپنا گھر بھر لیں اس وقت دنیا شاہان بنی امیہ کے قدموں میں تھی اور وصی و آل نبی پر تہمت تراشی سے بہتر اور نفع بخش تجارت اس زمانہ میں کوئی نہ تھی۔

یہ حمید منجملہ ان لوگوں کے ایک تھے جو معاویہ کے لیے خاص طور سے تیار کیے گئے تھے تاکہ اس قسم کی حدیثیں جہاں تک ہو سکے اختراع کریں اور دنیا کو دکھانے کے لیے عبادت و پرہیزگاری کا لبادہ اوڑھے رہیں[2] اور دشمنان علی سے حدیثیں سن سن کر روایت کریں۔ یہ علی کی دشمنی و عداوت میں بنی امیہ کی کسی فرد سے بھی پیچھے نہیں تھے اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ ہندہ جگرخوارہ جیسی عورتوں ہی کی کوکھ سے پیدا ہوئے تھے۔ ان حمید کی ماں ام کلثوم عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اور ولید بن عقبہ کی حقیقی بہن تھی اور اُن کی نانی عثمان بن عفان کی ماں تھی یہ تو مادری سلسلہ نسب تھا

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۳۰ صفحہ ۱۹۰ تفسیر سورہ برأت [2] حمید نے معاویہ سے حدیث سنی چنانچہ وہ صحیح بخاری میں موجود ہے نعمان بن بشیر سے حدیث سنی وہ صحیح مسلم میں موجود ہے ان کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ ابن زبیر مروان اور انھیں جیسے بہت سے دشمنان علی سے اس نے حدیثیں سنیں اور روایت کی۔

باپ تھے۔ عبدالرحمان بن عوف[1] اُن کا حال کس سے پوشیدہ ہے۔ علی سے دشمنی اور بروز شوریٰ عثمان کی طرفداری دنیا جانتی ہے لہٰذا کریلا ایک، خود کڑوا دوسرے نیم چڑھا۔ حمید وابوہریرہ نے اس من گھڑت حدیث میں ایکا کر لیا ہو اور دونوں نے مل کر اس حدیث کو شہرت دی ہو تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

ہم جن اسباب سے اس حدیث کو باطل قرار دیتے ہیں اُن میں سے ایک واضح سبب یہ ہے کہ خود انھیں ابوہریرہ نے (بنی امیہ کی حاشیہ نشینی اختیار کرنے کے قبل) یہ حدیث بیان کی تھی[2]

كنت في البعث الذين بعثهم رسول الله مع علي ببراءة فقال له ولده المحرر: فبم كنتم تنادون؟ قال: كنا نقول لا يدخل الجنة الا مومن ولا يحج بعد العام مشرك و لا يطوف بالبيت عريان ومن كان بينه وبين رسول الله

پیغمبر نے جن لوگوں کو علی کے ہمراہ اعلان براءت کے لیے روانہ کیا تھا ان لوگوں میں میں بھی تھا۔ ابوہریرہ کے لڑکے محرر نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے جا کر اعلان کیا کیا؟ ابوہریرہ نے کہا کہ ہم نے یہ اعلان کیا کہ جنت میں مومن ہی جائیں گے اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ خانہ کعبہ کا کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے اور جس کے اور رسول کے درمیان کوئی معاہدہ ہو

---

[1] عبدالرحمان کی زوجہ ام کلثوم بنت عقبہ حضرت عثمان کی مادری بہن اور ولید کی حقیقی بہن تھی [2] امام حاکم نے مستدرک جلد ۲ تفسیر سورہ براءت میں اس حدیث کو لکھا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی اس حدیث کی صحت کی صراحت کرتے ہوئے تلخیص مستدرک میں باقی رکھا ہے۔ امام احمد نے مسند جلد ۲ ص ۲۹۹ میں بھی اس حدیث کو لکھا ہے اُن کی لفظیں یہ ہیں کنت مع علی حین بعثه رسول اللهؐ الی اهل مكه میں حضرت علی کے ہمراہ تھا جبکہ آپ کو آں حضرتؐ نے اہل مکہ کی طرف روانہ کیا۔

عھد فاجلہ الی اربعۃ　　وہ بس چار مہینے تک باقی رہے گا۔ میں نے
اشھر فنادیت حتی صحل　　اس اعلان کو بہت چیخ کر سنایا یہاں تک کہ
صوتی -　　میری آواز پھٹ گئی -

ابوہریرہ کی یہ حدیث مستند و موثق طریقوں سے ثابت و مسلم ہے اس حدیث میں ابوہریرہ نے کہیں بھی ابوبکر کا نام نہیں لیا بلکہ یہ صراحت کی ہے کہ سورہ برائت کے موقع پر پیغمبر نے جن لوگوں کو بھیجا تھا انھیں علی کی ہمراہی میں۔ علی کو حاکم و افسر اور باقی سب لوگوں کو اُن کا تابع بنا کر بھیجا تھا۔ اسی افسری کو ابوہریرہ نے مذکورۂ بالا حدیث میں ابوبکر کے سر منڈھا ہے۔ لہذا جب اس موخر الذکر حدیث میں ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ہمیں علی کی معیت میں بھیجا تھا تو پھر مذکورۂ بالا حدیث کے کیا معنی ؟ کہ قربانی کے دن اعلان کرنے والوں کے ساتھ ابوبکر نے مجھے بھیجا اور یہ کیوں کہا کہ پھر پیغمبرؐ نے علیؑ کو ساتھ کر دیا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ اعلان کریں

ملہ علماء نے ابوہریرہ کے اس فقرہ فاجلہ الی اربعۃ اشھر کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ امیرالمومنین نے اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں یہ جملہ تھا ومن کان لہ عھد من المشرکین فاجلہ الی امدہ بالغا ما بلغ ومن لیس لہ امد فاجلہ الی اربعۃ اشھر۔ جن مشرکین میں سے جس کسی کے ساتھ رسول نے معاہدہ فرمایا ہے تو جو مدت اس عہدنامہ میں مقرر کی جا چکی ہے اس مدت تک وہ معاہدہ برقرار رہے گا اور جس معاہدہ میں کوئی مدت مذکور نہیں وہ صرف چار مہینہ تک نافذ العمل ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ اس موسم حج میں تھے بھی نہیں خواہ مخواہ کے دعوے دار ہیں کہ میں بھی علی کے ساتھ بھیجا گیا تھا اسی لیے اعلان کی صحیح لفظیں انھیں یاد نہ رہ سکیں۔ ابوہریرہ سے یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں وہ اکثر و بیشتر ایسے مواقع پر اپنی موجودگی کا دعویٰ کر دیا کرتے تھے جہاں وہ رہے ہی نہیں اکثر ایسے بات کچھ ہوا کرتی اور بیان کچھ کر دیا کرتے۔ جیسا کہ آئندہ ہم مزید وضاحت کریں گے۔

ابو ہریرہ
ایک حدیث میں علی کو افسر حج بناتے ہیں اور ایک میں ابوبکر کو یک بام و دو ہوا، اسی کا نام ہے۔

میں نمبروار اصل حقیقت کی وضاحت کیے دیتا ہوں۔

۱۔ صحیح واقعہ کیا تھا؟ مختصر تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب سورۂ برأت پیغمبرؐ پر نازل ہوئی تو آپ نے ابوبکر کو اسے دے کر بھیجا تاکہ بروز حج سارے مجمع کو پڑھ کر سنا دیں اور اعلان کر دیں کہ "اللہ اور رسول مشرکین سے بے تعلق ہیں اُن سے اب تک جو معاہدے تھے وہ ختم کیے جاتے ہیں اور اس سال کے بعد پھر مکہ میں کوئی مشرک قدم نہ رکھے نہ کوئی شخص خانۂ کعبہ کا برہنہ طواف کرے۔" ابوبکر سورہ کو لے کر زیادہ دور نہ گئے ہوں گے کہ خداوند عالم کی طرف سے پیغمبرؐ پر وحی نازل ہوئی کہ لا یودی عنک الا انت او رجل منک اے پیغمبر اس کام کو یا تو خود انجام دو یا اسے بھیجو جو تم سے ہو۔ آپ نے علی کو بلایا حکم دیا کہ جلد جا کر ابوبکر سے ملو اور سورۂ برأت لے کر مکہ جاؤ اور خدا و رسول کی طرف سے یہ اعلان تم جا کر کر آؤ اور اس موسم حج کی افسری پیغمبرؐ نے علیؑ کو بخشی[1] انھیں حکم دیا کہ ابوبکر کو اختیار دینا کہ چاہے تمھارے ساتھ تمھاری ماتحتی میں جائیں یا مدینہ لوٹ آئیں۔ علیؑ پیغمبرؐ کے ناقہ عضبا پر سوار ہوئے اور ابوبکر کو راستہ میں جا لیا، ابوبکر نے علیؑ سے پوچھا کیسے آنا ہوا ابوالحسن؟ علی نے کہا پیغمبرؐ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سے آیات لے لوں اور اپنی زبان[2] سے جا کر معاہدہ کی منسوخی کا اعلان کروں تمھیں اختیار ہے میرے ساتھ چلو یا رسول کے پاس پلٹ جاؤ۔ ابوبکر نے کہا میں پلٹ ہی جاؤں گا۔ علیؑ

---

[1] علامہ طبرسی مجمع البیان جلد ۳ ص ۳ میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے حضرت کو موسم حج کا افسر مقرر کیا اور آپ نے جب جا کر ابوبکر سے سورہ برأت لے لیا تو وہ مدینہ پلٹ آئے ۱۲

[2] اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیونکر ممکن ہے کہ پیغمبر سورہ برأت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) ابوبکر کو دیں کہ جا کر حج کے مقام پر مشرکین کو پڑھ کر سنا دو اور قبل
اس کے کہ حج کا وقت آئے آپ انھیں معزول کر دیں عمل کا وقت آنے سے پہلے حکم کو
منسوخ کر دینے کے کیا معنی؟ یہ تو نہ خدا ہی کے لیے جائز نہ رسول ہی کے لیے جائز کہ ایک
معین کے لیے کوئی حکم دیں اور قبل اس کے کہ وہ وقت آئے اس حکم کو منسوخ کر دیں
اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ پیغمبرؐ کا ابوبکر کو جانے کا حکم دینا اور پھر حج کا
وقت آنے سے پہلے ان کو واپس بلا لینا بتاتا ہے کہ حضرت ابوبکر حقیقۃً صرف مکہ کی
طرف جانے کے مکلف کیے گئے تھے۔ تبلیغ سورہ برأت تو بعد کی چیز تھی اصل حکم انھیں یہ تھا
کہ وہ فقط مکہ کی طرف سورہ برأت لے کر روانہ ہو جائیں۔ تاکہ وہ جب کچھ راستہ طے کر لیں
تو انھیں واپس بلا لیا جائے اور ان کی جگہ علیؑ کو بھیجا جائے اور اس طرح علی کی فضیلت
ظاہر ہو جو شروع ہی میں بھیج دینے پر ہرگز ظاہر نہ ہوتی۔ مثال کے طور پر یوں سمجھا جائے
کہ خداوند عالم نے بظاہر حالات جناب ابراہیم کو ذبح اسماعیل کا حکم دیا اور جب
ابراہیم آمادہ ذبح ہوئے اسماعیل کو زمین پر لٹایا، خدا کا حکم پہنچا کہ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا
معلوم ہوا کہ فی الحقیقت جناب ابراہیم ذبح کر دینے پر مامور نہیں ہوئے تھے بلکہ ذبح کے
ابتدائی مراحل، ذبح کے مقدمات بجا لانے پر مامور تھے تاکہ اس قوت قلب کے مظاہرہ کی
وجہ سے ابراہیم و اسماعیل دونوں کے وہ عظیم الشان فضائل آشکارا ہوں جس سے جاہل لوگ
لاعلم تھے لہٰذا جس طرح اس واقعہ کے متعلق "عمل کا وقت آنے سے پہلے حکم کا منسوخ
ہونا" نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح ابوبکر کا حکم دیا جانا اور پھر راستہ سے پلٹا لیا جانا بھی نہیں۔
وہاں درحقیقت مقدمات ذبح عمل میں لانے پر ابراہیم مامور تھے۔ یہاں ابوبکر مکہ کی طرف سفر کرنے کے مامور
تھے نہ وہاں ذبح کر دینے ہی کا حکم تھا نہ یہاں تبلیغ سورہ برأت ہی کا حکم تھا۔ وہاں خلیل کو مقدمات
ذبح کا حکم دیا گیا تاکہ ابراہیم و اسماعیل کی فضیلت آشکارا ہو۔ یہاں ابوبکر کو مکہ جانے کا
حکم دیا گیا تاکہ راستے سے انھیں پلٹا کر علی کو بھیجا جائے اور علیؑ کی فضیلت آشکارا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰)

باقی حاجیوں کو لے کر مکہ پہنچے اور ابو بکر مدینہ واپس آ گئے اور خدمت پیغمبر میں آ کر عرض کی یا رسول اللہ پہلے تو آپ نے مجھے امتیازی درجہ دیا حج کی افسری اور سورہ براءت کی تبلیغ کا شرف عنایت فرما کر روانہ کیا اور جب میں روانہ ہو گیا تو آپ نے واپس بلا لیا، کیا خطا مجھ سے ہوئی؟ کیا میرے بارے میں قرآن کی کوئی آیت اتری؟ آں حضرتؐ نے فرمایا، نہیں۔ البتہ جبریل امین خدا کا یہ پیغام میرے پاس لے کر آئے کہ اس کام کو یا تو تم خود انجام دو یا وہ انجام دے جو تم سے ہو۔ اور علی مجھ سے ہیں میری طرف سے علی ہی کاموں کو انجام دے سکتے ہیں۔ یہ مختصر واقعہ ہے اور اس کے متعلق ائمہ طاہرین سے متواتر حدیثیں مروی ہیں (دیکھیے تفسیر قمی اور ارشاد جناب شیخ مفیدؒ)

۲۔ جمہور اہلسنت کی روایتوں سے بھی مذکورہ بالا عبادت کی پوری پوری تائید ہوتی ہے خود حضرت ابو بکر کی یہ صریح واضح حدیث ہے۔ حضرت ابو بکر بیان کرتے ہیں:۔

قال: ان النبیؐ بعثنی ببراءۃ لاھل مکۃ لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت

پیغمبر نے مجھے سورہ براءت دے کر روانہ کیا تاکہ میں اہل مکہ کے سامنے جا کر اعلان کر دوں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹) کی جائے اسی طرح جنگ خیبر کے موقع پر پیغمبرؐ نے اظہار فضیلت علی کے لیے پہلے ابو بکر کو سردار فوج مقرر کر کے بھیجا وہ شکست خوردہ واپس آئے پھر عمر کو بھیجا وہ بھی شکست کھا کر واپس آئے۔ ان دونوں کے واپس آجانے کے بعد پیغمبرؐ نے فرمایا کہ کل میں علم اسے دوں گا جس کے ہاتھوں پر خدا فتحیابی بخشے گا جو اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے اور جسے اللہ و رسول دوست رکھتے ہیں اور پیغمبر نے علم علی کو دیا اور خدا نے علی ہی کے ہاتھوں پر فتح عنایت فرمائی اور آپ کی وہ عظمت و جلالت واضح ہوئی جو شروع ہی میں بھیج دینے پر نہ ظاہر ہوتی۔ ایسے بہت سے واقعات تاریخ میں ڈھونڈھنے سے ملیں گے۔ ۱۲

ریان ولا یدخل الجنة
الا نفس مسلمة ومن کان
بینه وبین رسول الله مدة
فاجله الی مدته والله بری
من المشرکین ورسوله (قال)
فنادیت بها ثلاثا ثم قال
رسول الله لعلی: الحق ابا بکر
فرده علیّ وبلغها انت
(قال) ففعل علی ذالک
ورجعت الی المدینة فلما
قدمت علی النبیؐ بکیت
الیه وقلت یا رسول الله حدث
فیّ شیءٌ؟ قال: ما حدث
فیک الا خیر ولکنی امرت
ان لا یبلغها الا انا او رجل منی۔

(مسند امام احمد جلد ۱ ص ۲)

نہ خانہ کعبہ کا کوئی شخص برہنہ طواف کرے اور
اور جنت میں مسلمان ہی جائے گا اور جس کے
اور رسول کے درمیان کوئی معاہدہ پہلے سے
ہے وہ بس مقررہ وقت تک نافذ رہے گا۔ توسیع
نہ ہوگی۔ اور اللہ اور اُس کا رسول مشرکین سے
بری ہیں۔ ابو بکر کہتے ہیں کہ میں نے تین دن
کی راہ طے کی ہوگی کہ پیغمبر نے علی سے کہا کہ
ابو بکر سے جا کر ملو اور انھیں میرے پاس واپس
کر دو اور خود جا کر تبلیغ کرو چنانچہ علی نے ایسا
ہی کیا اور میں مدینہ واپس گیا جب میں حاضر خدمت
پیغمبر ہوا تو رو پڑا اور عرض کی یا رسول اللہ
کیا میرے متعلق کوئی نئی بات ہوئی؟ پیغمبر نے کہا
کوئی نئی بات نہیں جو ہوا اچھا ہی ہوا البتہ
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سورہ برأت کی تبلیغ یا تو
خود کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ سے ہو۔

غور کرنے کی بات ہے اگر تبلیغ سورہ برأت ابو بکر ہی کیے ہوتے تو پھر روتے
کیوں، رونا اسی وجہ سے تو ہوا کہ عہدہ پانے کے بعد معزول کر دیے گئے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی سے مروی ہے جس میں آپ فرماتے
ہیں جب سورہ برأت کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو پیغمبر نے ابو بکر کو بلایا اور انھیں
یہ آیتیں دے کر بھیجا کہ اہل مکہ کو جا کر سُنا آؤ پھر آپ نے مجھے بلا کر کہا جا کر

ابوہریرہ

ابوبکر سے ملو جہاں بھی ان سے ملاقات ہو جائے نوشتہ اُن سے لے لو اور خود اہل مکہ کے پاس جاکر پڑھ کر سنا دو۔ چنانچہ میں ابوبکر سے جا ملا اور ان سے وہ نوشتہ لے لیا اور ابوبکر پیغمبر کے پاس پلٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی آیت اُتری ہے آپ نے فرمایا نہیں، البتہ جبرئیل یہ حکم لے کر آئے تھے کہ تمھاری طرف سے ادائے فرائض یا تو تم خود کرو یا وہ شخص کرے جو تم سے ہو۔" (مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۱۵۱)

ایک اور مقام پر امیر المومنینؑ نے فرمایا "پیغمبرؐ نے تبلیغ برأت کے لیے ابوبکر کو اہل مکہ کی طرف روانہ کیا پھر مجھے اُن کے پیچھے بھیجا اور ارشاد فرمایا نوشتہ ابوبکر سے جاکر لے لو اور تم خود لے کر جاؤ۔ چنانچہ میں نے ابوبکر کو راستہ میں جا لیا اُن سے نوشتہ لے لیا وہ محزون و غمگین مدینہ پلٹ آئے اور آکر خدمت پیغمبرؐ میں عرض کی یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی؟ آپ نے فرمایا نہیں البتہ مجھے یہ حکم ہوا کہ یا تو میں خود تبلیغ کروں یا میرے اہلبیت میں سے کوئی مرد کرے۔ (خصائص نسائی صفحہ ۲ مسند امام احمد۔ نیز دیگر محققین و محدثین نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

یہی مضمون ابن عباس کی ایک مشہور حدیث میں ہے انھوں نے ایک مرتبہ امیر المومنینؑ کے دشمنوں کو قائل کرتے ہوئے حضرت کے فضائل اور اسباب فضیلت میں ایک طولانی تقریر کی تھی جس میں یہ بھی کہا تھا۔

ثم بعث رسول اللہ ابا بکر	پھر پیغمبرؐ نے ابوبکر کو سورۂ برأت دے کر
لسورۃ التوبہ فبعث علیا	بھیجا اور اُن کے پیچھے فوراً ہی علی کو روانہ کیا
خلفہ فاخذھا منہ و	علی نے اُن سے وہ سورہ جاکر لے لی اور
قال: لا یذھب بھا الا رجل	آں حضرتؐ نے ابوبکر سے کہا اس سورہ کو

یا تو میں خود لے کر جا سکتا ہوں یا وہ جو مجھ سے ہو۔ | ھو منی وانا منہ [1]

دشمنان و حاسدین علی نے ابن عباس کی زبانی علی کی یہ فضیلت سن کر چون و چرا تک نہ کی۔ اگر حضرت ابوبکر اس موسم حج کے امیر ہوتے تو دشمنان علی چپ نہیں رہتے ابن عباس کے آگے سر نہ جھکا دیتے مگر ابن عباس نے بات ہی ایسی کہی تھی جسے جھٹلانا ناممکن تھا۔

ابن عباس جو حبر الامۃ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں انھیں نہ جانے کتنے مواقع ایسے پیش آئے جہاں انھوں نے ببانگ دہل علیؑ کی افضلیت کا تذکرہ کیا اور اعلان حق سے باز نہ رہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ انھیں ابن عباس کی لفظوں میں سنیے "میں ایک مرتبہ مدینہ کے راستوں میں کسی راستہ پر عمر کے ہمراہ چل رہا تھا عمر نے کہا اے ابن عباس میں تو تمھارے صاحب (حضرت علیؑ) کو مظلوم ہی تصور کرتا ہوں" میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ آج مجھ سے بازی نہ لے جا سکیں گے۔ میں نے کہا سرکار! تو ان پر جو ظلم ہوا ہے اس کی تلافی کر دیجیے (یعنی خلافت ان کے حوالہ کر دیجیے) اس پر انھوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے نکال لیا اور غراتے ہوئے آگے بڑھ گئے پھر ٹھہرے، میں جلدی سے آگے بڑھ کر جا ملا۔ انھوں نے کہا اے ابن عباس میرا خیال ہے کہ لوگوں نے علی کو جو خلیفہ نہ ہونے دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے انھیں کم سن سمجھا میں نے عرض کیا مگر خدا کی قسم اللہ و رسول نے تو اس وقت بھی

---

[1] مستدرک امام حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت علی کے فضائل کے ضمن میں لکھا ہے اور صحیح قرار دیا ہے علامہ ذہبی نے بھی اس حدیث کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے تلخیص مستدرک میں باقی رکھا ہے۔ امام نسائی نے خصائص نسائی صفحہ ۶ میں اور امام احمد نے مسند جلد اول صفحہ ۳۳۱ بہ سلسلہ احادیث ابن عباس ذکر کیا ہے۔

ابو ہریرہ

اُن کو کم سن نہ جانا جبکہ حکم دیا تھا کہ ابو بکر سے جا کر ملو اور سورہ برات لے لو۔ اس پر عمر نے میری طرف سے مُنہ پھیر لیا اور آگے بڑھ گئے۔[1]

---

[1] اس حدیث کو زبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر نے اپنی تاریخ موفقیات میں روایت کیا ہے جسے اس نے متوکل خلیفہ کے بیٹے موفق باللہ کے لیے تحریر کیا تھا یہ خدائی کرشمہ ہے کہ زبیر بن بکار ایسا دشمن علی اپنی اس کتاب میں جو متوکل ایسے عدوئے امیرالمومنین کے بیٹے کے لئے اس نے تالیف کی تھی اس حدیث کو لکھ جائے، ابن بکار کی عداوت علی واہلبیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں دُنیا جانتی ہے۔ یہ وہی زبیر ہیں کہ اولاد امیرالمومنین میں سے ایک شخص نے قبر رسول و منبر رسول کے درمیان حلف لینے کو کہا تو اس نے جھوٹا حلف اٹھانے میں تامل نہ کیا اور خداوند عالم نے برص میں اسے مبتلا کیا یہ علویوں اور حضرت علی کی بہت منقصت کیا کرتا تھا علویوں نے اسے قتل کرنا چاہا تو بھاگ کر اپنے چچا مصعب ابن عبداللہ بن مصعب کے پاس پہنچا اور التجا کی کہ معتصم (خلیفہ) سے امان دلا دیجیے مگر یہ آرزو پوری نہ ہوئی کیونکہ اس کا چچا علویوں سے ٹکر لینے کا حامی نہ تھا (تاریخ کامل حالات معتصم) زبیر کا باپ بکار یہ حضرت امام رضاؑ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا چنانچہ امام نے اسکے لیے بددعا فرمائی اور یہ اپنے قصر سے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اس کا دادا عبداللہ بن مصعب وہ شخص ہے جس نے ہارون کو یحییٰ بن عبداللہ بن امام حسنؑ کے قتل کا فتویٰ دیا تھا اور کہا تھا کہ یحییٰ کو قتل کر ڈالیے ان کا خون میری گردن پر۔ ہارون نے کہا میں یحییٰ کو امان نامہ لکھ کر اپنے ہاتھوں سے دے چکا ہوں کیسے قتل کروں۔ عبداللہ نے کہا امان کیسی؟ انھیں کوئی امان نہیں اور یحییٰ کی طرف بڑھ کر اُن سے زبردستی امان نامہ لے کر پھاڑ ڈالا۔ یہ پورا کا پورا خاندان زبیر سے لے کر اس کے مورث اعلیٰ عبداللہ بن زبیر تک سبھی عداوت و بغض علی میں شہرہ آفاق ہے۔ اسی عداوت ہی کی وجہ سے زبیر بن بکار نے متوکل کے دربار میں رسائی پائی اور متوکل نے اپنے لڑکے موفق کی تعلیم کیلئے اسے مقرر کیا اور دس ہزار درہم، دس صندوق کپڑے اور دس خچر دیے کہ وہ اپنے سامان سمیت سامرا جائے۔ چنانچہ اس نے موفق کو پڑھایا اور اسکے لیے کتاب موفقیات تالیف کی۔ یہ بلند پایہ کتابوں میں شمار کی جاتی ہے ہم اکثر اسکے حوالوں کا ذکر کرینگے

خدا بھلا کرے ابن عباس نے حضرت عمر کو کیسا قائل کیا تمام راہیں مسدود کر دیں اور حضرت عمر سے کچھ بن نہ پڑا سوا اس کے کہ منہ موڑ لیا اور جلدی سے آگے بڑھ گئے اگر تبلیغ سورہ برات والے سال موسم حج کے افسر و امیر ابوبکر ہی ہوتے (جیسا کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث میں کہا ہے) تو حضرت عمر تیزی سے آگے کیوں بڑھ جاتے ابن عباس کو جواب دیتے۔ اُن کی بات کی سختی سے تردید کرتے۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت عمر بھی تو ابوبکر کے ساتھ ساتھ سورہ برات کی تبلیغ کرنے گئے تھے اور حضرت ابوبکر ہی کے ساتھ پلٹ آئے تھے لہذا انھیں اصل واقعہ کی بخوبی اطلاع تھی وہ ابن عباس کو جھٹلاتے کیونکر؟

حسن بصری سے حضرت علیؑ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا "میں اس شخص کے متعلق کیا لب کشائی کروں جس نے چاروں بزرگیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا پیغمبر نے سورہ برات کی تبلیغ پر انھیں امین بنایا، غزوہ تبوک کے موقع پر پیغمبر کا قیمتی فقرہ ان کے متعلق اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبوة بعدی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمھیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوا اس کے کہ میرے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے پیغمبر نے یہاں صرف نبوت کو مستثنیٰ کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر فضیلت و بزرگی میں پیغمبرؐ کے دوش بدوش تھے سوا نبوت کے اگر اور کسی بات میں علی کم ہوتے تو جس طرح پیغمبرؐ نے نبوت کا استثنا فرمایا تھا اسی طرح اس چیز کا بھی استثنا فرما دیتے۔

پیغمبرؐ کا فرمانا کہ میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا دوسری میری عترت، آپ پر کوئی حاکم نہیں مقرر کیا گیا آپ ہمیشہ حاکم ہی رہے۔ آپ کے علاوہ کوئی حاکم بنایا گیا بھی تو آپ پر نہیں دوسروں پر بنایا گیا"[1]

دنیا جانتی ہے کہ حسن بصری ابوبکر کے کتنے بڑے مخلصین میں سے تھے،

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد اول ص ۳۶۹

ابوہریرہ

ابوبکر کے فضائل بیان کرنے کی ہر وقت تمنا رہتی تھی، لہذا اگر سورہ برائت والے سال علی نہیں ابوبکر افسر حج ہوتے تو حسن بصری ہرگز اُن کی افسری کو نہ چھپاتے نہ حق محبت ابی بکر ادا کرنے میں کوتاہی کرتے۔ اور نہ یہ گواہی دیتے کہ علی کبھی محکوم نہیں بنائے گئے۔ اور حضرت ابوبکر کی طرف یہ اشارہ نہ کیے ہوتے کہ اگر آپ کے علاوہ کوئی حاکم بنایا گیا تو دوسروں پر بنایا گیا آپ پر نہیں۔

حسن بصری کی لفظوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انھوں نے تبلیغ سورہ برائت پر امین بنایا جانا بہت بڑی بات بہت بڑا فضل و شرف اعلیٰ ترین منزلت سمجھی ایسی کہ جس کے لائق و سزاوار علی کے علاوہ کوئی تھا ہی نہیں صحابہ کا عالم یہ تھا کہ جب عہد ابوبکر و عمر میں علی کے فضائل کا تذکرہ کرتے تو اس تبلیغ سورہ برائت کو بھی آپ کے خصوصی فضائل و مناقب میں بیان کرتے اور کوئی بھی معترض نہ ہوتا۔

سعد بن ابی وقاص مشہور صحابی پیغمبرؐ ان کا بیان ہے[1] "پیغمبرؐ نے ابوبکر کو سورہ براءت دے کر بھیجا جب وہ راستے میں تھے آں حضرتؐ نے علی کو بھیجا علی نے سورہ براءت جا کر اُن سے لے لیا اور خود لے کر مکہ گئے اس پر ابوبکر دل میں بہت غمگین ہوئے، پیغمبرؐ نے کہا میری طرف سے ادائیگی یا تو میں کرسکتا ہوں یا وہ جو مجھ سے ہو[2]

انس صحابی پیغمبرؐ کا بیان ہے[3] "پیغمبرؐ نے سورہ براءت دے کر ابوبکر کو روانہ کیا پھر انھیں واپس بلایا اور کہا اس سورہ کو کسی دوسرے کا لے جانا مناسب نہیں یا تو میں لے جاؤں یا میرے اہل میں سے کوئی شخص، چنانچہ آپ نے علیؑ کو بلایا اور انھیں سورہ براءت دے کر روانہ کیا۔

---

[1] خصائص نسائی صفحہ[2] مسند امام احمد ج ۱ [3] خصائص نسائی صفحہ[1] مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۶

عبداللہ بن عمر[1] سے جمیع بن عمیر اللیثی نے حضرت علیؑ کے متعلق پوچھا عبداللہ
نے جھڑک دیا اور کہا میں نے تمھیں علی کے متعلق بتایا نہیں ؟ یہ مسجد کے اندر
پیغمبر کا گھر ہے اور یہ علی کا گھر ہے ، رسول اللہؐ نے ابوبکر و عمر کو سورہ براءت دے کر
مکہ کی طرف روانہ کیا وہ دونوں روانہ ہوئے جا ہی رہے تھے کہ ایک سوار کو
آتے دیکھا ، دونوں نے پوچھا کون ؟ سوار نے کہا میں ہوں علی ، اے ابوبکر وہ
نوشتہ جو رسول نے تمھیں دیا ہے مجھے دو ۔ ابوبکر نے کہا میرے متعلق کیا ہوا
علی نے کہا مجھے تو کوئی بات معلوم نہیں ! علی نے وہ نوشتہ اُن سے لے لیا اور
ابوبکر و عمر مدینہ پلٹ آئے اور آکر پیغمبرؐ سے کہا ، ہمارے بارے میں کیا ہوا حضورؐ ؟
آں حضرتؐ نے فرمایا ، کچھ نہیں ، البتہ مجھ سے کہا گیا کہ تمھاری طرف سے تبلیغ یا
میں کر سکتا ہوں یا تم سے کوئی شخص ؟

اس مسئلہ میں بے شمار حدیثیں ہیں اور سبھی صراحۃً بتاتی ہیں کہ ابوبکر راستہ
ہی سے مدینہ پلٹ آئے تھے رنجیدہ و ملول ہراساں کہ کہیں میرے متعلق کوئی
وحی نہ نازل ہو گئی ہو ۔ لہٰذا اس سال ابوبکر کا امیر حج ہونا تو کسی طرح درست ہو ہی
نہیں سکتا ہاں علی کی دشمنی کی وجہ سے لوگ زبردستی بنا دیں تو بنا دیں ۔

۳ ۔ مشرکین سے کیے ہوئے معاہدوں کو ختم کر دینے سے جو مفید نتائج پیدا ہوئے

---

[1] مستدرک امام حاکم ج ۳ ص ۵۱ ۳ اس موقع پر حضرت عمر حضرت ابوبکر کی ماتحتی میں
تھے کم و بیش ۳۰۰ صحابہ اس مہم پر روانہ کیے گئے تھے عبدالرحمان بن عوف بھی تھے ۔ چونکہ
حضرت عمر حضرت ابوبکر سے بہت گہرے تعلقات رکھتے تھے لہٰذا جب وہ واپس ہوئے تو عمر بھی
واپس آ گئے باقی اصحاب حضرت علی کے علم کے نیچے آ گئے اور حضرت علی اُن تمام اصحاب کو
مکہ کی طرف لے کر گئے ۔ اس مہم میں جتنے اصحاب موجود تھے انھوں نے ابوبکر کو معزول ہوتے
اور دل گرفتہ ہو کر مدینہ واپس جاتے دیکھا ۱۲

اور اس خدمت کو انجام دینے کی وجہ سے اہل عرب کے نزدیک امیرالمومنینؑ کی جو بلندی مرتبت ظاہر ہوئی اور امیرالمومنین کو اس خدمت پر مامور کرنے سے اور وہ بھی ابوبکر کو معزول کرکے جو عزّ و شرف ملا نیز دیگر خصوصیات جن سے آپ کا افضل امت اور مستحق جانشینی رسول ہونا ثابت ہوتا ہے، کا اجمالی تذکرہ بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پیغمبر اسلام کا مشرکین کے معاہدوں کو منسوخ کرنا اور انھیں حج سے روک دینا یہ اعلان کرنا کہ جنت ان پر حرام ہے اور بیزاری و براءت کا اعلان اپنے دامن میں ہزاروں خوبیاں لیے ہوئے تھا اس میں دین کے مکمل ہونے کا بھی اعلان تھا مسلمانوں کی بھلائی بھی اور حق و صاحبان حق کی قوت کا مظاہرہ بھی اور باطل و اہل باطل کی طاقت شل ہو جانے کا قطعی فیصلہ بھی براءت کے بعد مسلمانوں کو مکمل غلبہ و اقتدار حاصل ہو گیا، شان و شوکت اسلام میں چار چاند لگ گئے، شرک و کفر کا ابال ٹھنڈا پڑ گیا۔ مشرکین کی پیشانیاں خاک سے مل گئیں اور دین کا ہر طرف ڈنکا بجنے لگا۔ خداوند عالم کی مصلحت و مشیت یہی ہوئی کہ یہ ساری باتیں اپنے بندۂ خاص وصی پیغمبر علی ابن ابی طالب کے ہاتھوں انجام پائے تاکہ علی کا نام روشن ہو آپ کی بزرگی کی طرف لوگ متوجہ ہوں آپ کا شہرۂ عالم میں پھیلے اور آپ کی بلندی منزلت کا اعلان عام ہو جائے اور خلافت پیغمبر کی ابھی سے داغ بیل پڑ جائے اور آئندہ سال (حجۃ الوداع میں) جو اعلان عام پیغمبر کرنے والے ہیں[۱] اس کی تمہید قائم کر دی جائے چنانچہ اس مقصد میں پوری کامیابی حاصل ہوئی پیغمبر نے علی کے ذمہ یہ مہم سپرد کی اور علی کا نام ہر زبان پر

---

[۱] ۹ ہجری میں سورہ براءت کی تبلیغ اور کفار کے معاہدہ کی منسوخی ہوئی اور آپ کی خلافت کا اعلان ۱۰ھ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ہوا۔

یا جانے لگا، عرب کی ایک ایک فرد علی سے واقف ہو گئی، اس کا سبب یہ تھا کہ
معاہدہ کو توڑنا ہر کسی کے لیے ممکن نہ تھا بس خود معاہدہ کرنے والا فرمانروا توڑ سکتا تھا
یا اس معاہدہ کرنے والے فرمانروا جیسا اس کا نائب و قائم مقام مجاز ہو سکتا تھا جو
کمزوری سے بری لغزش سے بے خطر ہو، اپنے احکام میں مستقل مزاج، اپنے افعال
میں غیر متزلزل ہو۔ پیغمبرؐ کے فقرہ سے ان مذکورہ صفات پر پوری روشنی پڑتی ہے۔
جب آپ نے علیؑ کو روانہ کیا کہ جا کر ابوبکر سے سورہ برأت لے لو اور خود لے کر مکہ جاؤ
تو آپ نے فرمایا تھا لا بد ان اذھب بھا انا او تذھب بھا انت لازمی ہے
کہ ان آیات کو یا تو میں خود لے کر جاؤں یا تم لے کر جاؤ۔ علی نے کہا اگر ایسا ہی ضروری
ہے تو میں جا رہا ہوں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا فانطلق فان اللہ یثبت لسانک [1]
ویھدی قلبک جاؤ خدا تمھاری زبان کو استواری اور تمھارے دل کو استقامت بخشے۔
یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ وہ مہم جو صرف پیغمبر سے سر ہو سکے یا جو لگ بھگ پیغمبر
کے ہو اس سے انجام پا سکے وہ انتہائی زبردست مہم ہی ہو سکتی ہے اور اس عظمت و
جلالت اور بلندی منزلت کی حامل ہو گی جس کے ملنے کی تمنا کسی کو خواب میں بھی
نہ ہوگی۔ یہ حقیقت اس وقت اور اظھر من الشمس ہو جاتی ہے جب آپ اس مہم سے
ابوبکر کو معزول کر کے پلٹا لینے اور علی کو مقرر کر کے بھیجنے پر اچھی طرح غور فرمائیں۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کے اس فقرہ لا بد ان اذھب بھا انا
او تذھب بھا انت پر بھی ذرا غور کرتے چلیں۔ پیغمبرؐ نے اپنے جانے یا علی کے
جانے کو ضروری اس وجہ سے قرار دیا تھا کہ جاءنی جبرائیل فقال لن یودی
عنک الا انت او رجل منک۔ جبریل نے آ کر مجھ سے کہا آپ کی طرف سے
ادائے فرائض ہرگز کوئی کر ہی نہیں سکتا یا تو بس آپ کریں گے یا وہ جو آپ سے ہو

---

[1] مسند جلد ۱ صفحہ ۱۵۰ بہت مشہور حدیث ہے اور حدیث کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔

اس فقرہ میں دو چیزیں بہت زیادہ غور طلب ہیں ایک یہ کہ حرف لن کے ذریعہ نفی کی گئی ہے جو دائمی نفی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لہذا لن یودی عنک کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے اور علی کے سوا کوئی بھی شخص کبھی بھی ادائے فرائض نہیں کر سکتا دوسری چیز یہ کہ پیغمبر نے اپنے فقرے میں مفعول نہیں ذکر کیا صرف لن یودی کہا ہے ہرگز نہیں ادا کر سکتا کیا نہیں ادا کر سکتا اس کا کوئی ذکر نہیں کوئی صراحت نہیں لہذا یقینی طور پر عبارت یوں بنتی ہے لن یودی عنک شیئا من الاشیاء الا انت او رجل منک کار ہائے نبوت فرائض پیغمبری میں سے کوئی بھی فریضہ یا تو بس پیغمبر انجام دے سکتے تھے یا علی انجام دے سکتے تھے لہذا ان دونوں حقیقتوں کے پیش نظر ہر شخص ایک بات تو یہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ کوئی بھی کار نبوت پیغمبر و علی کے علاوہ کوئی نہیں انجام دے سکتا، دوسرے یہ کہ علی ہر کار نبوت کو انجام دینے کی اہلیت کے مالک تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ جملہ عمومی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ تبلیغ سورہ برائت کے محل وقوع سے مخصوص ہے مطلب یہ ہے کہ تبلیغ سورہ برائت یا تو پیغمبر کر سکتے تھے یا جو آپ سے ہو لہذا جب خاص محل، مخصوص موقع سے مختص تھا تو پھر یہ کہنا کہ علی ہر کار نبوت کو انجام دینے کی اہلیت رکھتے تھے کیونکر صحیح ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مورد و محل کے خاص ہونے سے حکم مخصوص نہیں ہو سکتا صرف تبلیغ سورہ برائت کے موقع پر یہ جملہ وارد ہونے کی وجہ سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ علی بس تبلیغ سورہ برائت ہی کے اہل تھے۔ علاوہ بریں یہ فقرہ صرف تبلیغ سورہ برائت کے موقع ہی پر وارد نہیں ہوا بلکہ صحیح حدیثوں سے اور مواقع کا بھی پتہ چلتا ہے اور بھی کئی مرتبہ پیغمبر نے یہ لفظیں استعمال کیں بغیر کسی امر خاص کی تخصیص کے۔ منجملہ ان مواقع کے ایک موقع حجۃ الوداع کا تھا جبکہ عرفہ کے دن اپنے ناقہ پر سوار ہو کر پیغمبر نے ایک اہم تقریر فرمائی اور اثنائے تقریر میں فرمایا علی منی وانا من علی ولا یودی عنی الا انا او علی۔ (سنن ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۹۲ جامع ترمذی سنن نسائی مسند جلد ۴ صفحہ ۱۶۴)

کنز العمال وغیرہ) علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور میری طرف سے ادائیگی خود میں کر سکتا ہوں یا علی کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی خاص موقع نہ تھا نہ یہاں کسی خاص کے انجام دہی کے متعلق پیغمبر فرماتے ہیں بلکہ عمومی حیثیت سے علی الاطلاق اعلان کرتے ہیں کہ میرے کام یا تو خود میں کر سکتا ہوں یا علی کر سکتے ہیں۔

اللہ اکبر دیکھنے میں تو ایک مختصر سا فقرہ، مگر اسم تقرب کے وزن کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ پیغمبر کی لفظیں علی کے متعلق ادائے فرائض کی بعینہ وہی صلاحیت ثابت کرتی ہیں جس صلاحیت کے پیغمبر خود حامل تھے۔ اسی صلاحیت، علی کی اسی اہلیت کو دیکھ کر پیغمبرؐ نے انھیں اپنے کار نبوت کا شریک، اپنے رازوں کا امین بنایا تھا جیسے کہ ہارون موسیٰ کے کار نبوت میں شریک و رازدار تھے سوا اس کے کہ ہارون نبی بھی تھے مگر علیؑ نبی نہ تھے بلکہ وصی و وزیر پیغمبر تھے اور پیغمبر ہی کے سانچے میں ڈھلے تھے۔

یہ وہ بلند منزلت تھی، وہ بام شرف تھا جس پر علیؑ کے سوا خدا اور رسول نے کسی کو جگہ نہ دی فارجع البصر ھل تریٰ من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا و ھو حسیر آنکھیں اٹھا کر ذرا آسمان کی بلندی کو دیکھو کوئی شگاف اس میں تمھیں نظر آتا ہے پھر دوبارہ دیکھو تمھاری نگاہ ہی تھک ہار کے پلٹ آئے گی۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کو امت کی سطح سے بلند و بالا رکھا، ان کے گوشت کو اپنا گوشت، اُن کے خون کو اپنا خون، ان کے کانوں کو اپنا کان، ان کی نگاہوں کو اپنی نگاہ، اُن کے قلب و روح کو اپنے قلب و روح ظاہر کیا اور ارشاد فرمایا علی منی وانا من علی علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہ بھی فرمایا ولا یودی عنی الا انا و علی یہ کہہ کر ہر پہلو اور ہر حیثیت میں اپنا برابر کا شریک و سہیم قرار دے دیا۔ ارباب نظر غور فرمائیں پیغمبرؐ کا

بلند منزل حاصل کی کہ ہر ایک کے دل تڑپ کر رہ گئے۔

خطا تھی اگر علیؑ کی تو یہی خطا تھی، قصور تھا تو یہی تھا، اسی وجہ سے منافقین کے دلوں میں حسد کے بچھو کروٹیں لینے لگے، اس پر مزید یہ کہ معاویہ نے ان لوگوں کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے، ہر ایک کو اپنا زر خرید بنا لیا، ان منافقین نے معاویہ کو خوش کرنے کے لیے دشمنی و عداوت کے طرح طرح کے مظاہرے کیے، حیل و فریب، دغا بازی و مکاری کی کوئی صورت اٹھا نہ رکھی، خلافت سے محروم رکھا، پیغمبر کی قرابت کا ذرا بھی لحاظ نہ کیا، محبت کے بدلے جی کھول کر عداوت برتی، ہر ایرے غیرے کو اپنا امیر بنا گوارا کیا مگر جو واقعی مستحق تھا اس کی رتی برابر پروا نہ کی بلکہ اُلٹے خون کے پیاسے ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ منبروں پر لعنت تک کی، معلوم ہوتا ہے انھوں نے پیغمبر کی وہ حدیثیں سُنی ہی نہ تھیں جو پیغمبر نے علی کی عظمت و جلالت کے متعلق ارشاد فرمائیں جبھی تو صحیح و متواتر احادیث فضائل علیؑ کو موضوع قرار دیا۔ صریحی حدیثوں کی من مانی تاویلیں کیں، جن لوگوں نے ان احادیث کی روایت کی تھی انھیں رافضی ہونے کی تہمت لگائی ثقہ و معتمد ترین افراد کو ضعیف سمجھا اور حضرت کے بکثرت مخصوص فضائل کو اپنی حیلہ طرازیوں سے مشتبہ کر دیا، بہترین فضیلتیں مسخ کر دیں اکثر و بیشتر حدیثیں اُدل بدل کر علیؑ کے بجائے دوسروں سے منسوب کر دیں جیسا کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث سورہ برات میں کیا ہے۔ واقعہ و حقیقت تو یہ کہ پیغمبر نے ابو بکر کو معزول کر کے علی کو افسر حج مقرر کیا اور علی نے جا کر تبلیغ سورہ برات کی مگر ابو ہریرہ نے افتراء و جعلسازی کی کہ پیغمبرؐ نے ابو بکر کو افسر حج مقرر کیا اور علیؑ مثل دیگر اصحاب کے متابعت و ماتحتی میں ابو بکر کے گئے یعنی تبلیغ سورہ برات میں علی کی نہ تو کوئی اہمیت تھی نہ کوئی خاص فضیلت جیسے اور بہت سے لوگ

ابو بکر کی ماتحتی میں گئے اسی طرح علی بھی تھے۔

ابو ہریرہ سے اس قسم کی جسارت و جرأت کوئی تعجب خیز بات بھی نہیں وہ تو برجستہ فوری طور پر حدیث گڑھنے کی مہارت رکھتے تھے بغیر سانس لیے اور پلک جھپکائے جاہل و عقل سے کورے، عوام کے مذاق کے مطابق، سواد اعظم کی پسند کے لائق، غاصب و ظالم ارباب حکومت کے خوشنودی کے موافق وضع کر کے پیش کر دیتے تھے۔

ملاحظہ فرمائیے اس حدیث کو کتنی بے عنوانی سے غارت کیا ہے اور کس کی بلا کس کے سر باندھی ہے چونکہ حکومت ابو بکر کے نام لیواؤں کی تھی لہذا ہوا کے رخ کو دیکھتے ہوئے بیان کر دیا کہ سورہ برات کی تبلیغ کے موقع پر افسر و امیر ابو بکر تھے، آپ جانتے ہیں کہ کتنی زبردست چال چلی ہے ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان کر کے اور ابو بکر کو حاکم بنا کر؟ انھوں نے بڑے بڑے ثقہ اور مستند و معتمد افراد کی زبانوں پر قفل لگا دیے اب کس کی شامت آئی تھی کہ ابو ہریرہ کو جھٹلاتا اور اصل حقیقت زبان پر لا کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالتا۔

ابو ہریرہ نے اس حدیث کو بیان کر کے حضرت علی کی اس بلند و بالا شان فضیلت کو مٹانے کی پُر فریب کوشش کی ہے جو خداوند عالم نے تبلیغ سورہ برات کے موقع پر مخصوص علی کو مرحمت کی تھی۔ ابو ہریرہ کی اس حدیث سے دو نتیجے برآمد ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ تبلیغ سورہ برات کی مہم (جسے حقیقتاً علی نے سر کیا تھا) ابو بکر کے ہاتھوں انجام پائی کیونکہ وہی امیر و حاکم اور اس سال موسم حج کے افسر تھے۔ اور علیؑ اتنی معمولی حیثیت کے تھے کہ ابو بکر نے مہم کی انجام دہی میں صرف علیؑ کو کافی نہ سمجھا بلکہ اُن کے ساتھ ابو ہریرہ کو بھیجا اور اُن جیسے بہت سے دیگر صحابیوں کو بھی دوسرا یہ کہ اس مہم میں علی کو کوئی خصوصیت حاصل نہ تھی بلکہ جیسے ابو ہریرہ

ابوہریرہ

اور دیگر افراد تھے ویسے ہی علیؑ کیونکہ سبھی نے مل کر ابوبکر کی ماتحتی میں یہ مہم انجام دی۔

ابوہریرہ نے یہ چال چلنے کو چلی، علیؑ کی فضیلت چھین کر ابوبکر کے سر

منڈھنے کی کوشش کی مگر کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ خداوند عالم نے ابوبکر کو

اس مہم کے انجام دینے کے لائق سمجھا ہی نہیں اسی لیے سورہ برائت ہاتھوں میں

دے کر واپس لے لیا تھا اور اُن مستحق ہاتھوں کے سپرد کیا تھا جو واقعاً اہل تھے

اس کے لیے۔ کیونکہ سوائے پیغمبر اور وصی پیغمبر حضرت علی ابن ابی طالب کے کوئی

اس مہم کو سر کرنے کی اہلیت ہی نہ رکھتا تھا جیسا کہ آپ اوپر پیغمبر کا یہ فقرہ

ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ لا بد ان انا ھب بھا انا او تذھب بھا انت قال

علی فان کان ولا بد فتما ذھب بھا انا کوئی چارہ کار ہی نہیں سوا

اس کے کہ یا تو میں اس سورہ کو لے جاؤں یا تم لے کر جاؤ۔ علیؑ نے کہا جب ایسا

ہے تو میں ہی لے کر جاؤں گا۔ حضرات اہلسنت کی اس کے متعلق اتنی بے شمار

حدیثیں ہیں جن کا اندازہ حساب ہی نہیں کیا جا سکتا۔

تماشا یہ کہ جب تک ابوہریرہ بنی امیہ کے ہاتھوں بکے نہیں تھے اس

حدیث کے بیان کرنے میں ابوبکر کی امارت و افسری کا کبھی ذکر نہیں کیا، اُن کا

نام تک نہ لیا، متعدد حدیثیں ان کی موجود ہیں جن میں انھوں نے حضرت علیؑ کی

امارت بیان کی ہے اور اُن کی ماتحتی میں اپنے ہونے کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ

اس مضمون کی حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ مگر بخدا میرا تو دل کہتا ہے کہ ابوہریرہ نے

دونوں حدیثوں میں جھوٹ بولا اس حدیث میں بھی جس میں ابوبکر کی افسری ذکر

کی ہے اور اس حدیث میں بھی جس میں علیؑ کی افسری اور ان کی معیت میں اپنا ہونا

بیان کیا ہے وہ اعلان کرنے والوں میں رہے ہی نہ ہوں گے نہ اس سال حج

کرنے گئے ہوں گے محض اپنی بڑائی جتانے کے لیے انھوں نے یہ حدیثیں

یان کی ہوں گی کہ ہم بھی پانچویں سوار ہیں۔

۵۔سیاسی بازیگروں نے احادیث پیغمبرؐ کی جو مٹی پلید کی فریبی و سازشی انسانوں نے حکومت کی خوشامد و چاپلوسی میں جو من گڑھت حدیثیں بنائیں اور حمید وابوہریرہ کی حدیث کو صحیح قرار دینے کے لیے جو اسناد و طرق گڑھے گئے اُن کا بھی حال سُن لیجیے۔

معاویہ کے عہد میں وضع حدیث بڑا منفعت بخش پیشہ تھا حکومت و ارباب حکومت کے خوشامدیوں کی بہترین تجارت حدیث سازی تھی، ان سوداگروں کو اپنی تجارت چلانے اور غیر محسوس طریقہ پر اپنے کارخانہ کی بنائی ہوئی حدیثوں کے مقبول بنانے کے بڑے گر آتے تھے صرف تھوڑے سے صاحبانِ عقل و بصیرت تھے جو ان کی ملمع سازی و جعل فریب سے باخبر تھے باقی سبھی کھوٹے کو کھرا سمجھنے کے عادی تھے۔ ان کی پشت پناہی میں بہت سی ممتاز و مخصوص ہستیاں تھیں جو ان سوداگروں کی عزت بڑھاتے، بہت سے حافظان حدیث تھے، بہت سے دنیادار ارباب علم تھے، بہت سے دنیا دار دکھاوے کے زاہد و عابد تھے جیسے حمید بن عبدالرحمان، محمد بن کعب قرظی اور انھیں جیسے افراد کہ ان تاجروں کی من گڑھت حدیثوں کو رواج دیتے ان کی اشاعت میں سرگرمی سے کام لیتے۔ شہروں میں دیہاتوں میں بہت سے سرداران قبائل تھے جو ان تاجروں کی تجارت کو فروغ دینے پر کمر بستہ رہا کرتے، ان سب لوگوں کی حالت یہ تھی کہ جب ان جعلیوں فریبیوں کی کوئی حدیث سنتے تو جاہل عوام میں اس کی اشاعت کرتے ان مسلمانوں میں جو بعد وفات پیغمبر لڑائیوں کے نتیجے میں مسلمان ہوئے خوب پروپاگنڈہ کرتے منبروں پر پڑھتے، اسے دلیل و حجت بتاتے اور مسلمات مذہب میں شمار کرتے تھے۔

جو افراد کہ واقعاً ثقہ و معتمد اور حافظان احادیث نبوی تھے اس زمانے میں اُن کو

لب کشائی کی ہمت ہی نہ تھی ان فریبی اور جعلیے اشخاص کو ٹوکنے کی طاقت دل میں لاتے کہاں سے ؟ جبکہ حکومت اُن کی پشت پناہ، ارباب حکومت ان پر مہربان، ان غریبوں کی حالت یہ تھی کہ جب ان جعلیوں کی من گڑھت حدیثوں کے بارے میں کوئی ان سے پوچھتا تو انھیں عوام کے روبرو سچی بات کہنے کی مجال نہ ہوتی کہ کہیں جان کے لالے اور لینے کے دینے نہ پڑجائیں خصوصاً اگر وہ حدیثیں ابوبکر یا عمر کی فضیلت میں ہوتیں تب تو اور بھی قیامت تھی کسے اپنی زندگی دوبھر ہوتی جو حقیقت کا پردہ چاک کرتا اور سچ بات زبان سے نکالتا مجبوراً یہ کرتے تھے کہ جھٹلاتے تو نہیں مگر اُن کے مقابلے کی حدیثیں بیان کر دیتے، یہی وجہ ہوئی کہ صحیح حدیثیں رفتہ رفتہ ضائع ہوتی چلی گئیں اور باطل و غلط حدیثیں زبان زد عوام و خواص۔

یہ حدیث باطل یعنی حمید بن عبدالرحمان کی حدیث جو زیر بحث ہے ہمیشہ سے دشمنانِ اہلبیت کی توجہوں کا مرکز بنتی آئی، دشمنوں نے اس حدیث کو صحیح بتانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا اس کی تائید میں بہت سی ہم معنی حدیثیں اختراع کی گئیں ان تائیدی حدیثوں کے بڑے بڑے سلسلے ملائے گئے کسی کا سلسلہ خود حضرت علیؑ سے جوڑا گیا کسی کا عبداللہ بن عباس سے کسی کا جابر بن عبداللہ انصاری سے کسی کا امام محمد باقرؑ سے ـ یہ مکر و فریب ان دشمنوں کی خمیر میں داخل تھا اُن کی ساری زندگی انھیں چالوں میں گذری۔ اہلبیت سے ہٹ دھرمی کرنا۔ اُن کے دوستوں کو روحانی اذیت پہنچانا ایسے غیر شعوری طور پر کہ سادہ لوح عوام کو پتہ نہ چل سکے اُن کی عادت بن چکا تھا۔ بعد میں آنے والی نسلیں جو آئیں تو انھوں نے رطب و یابس سبھی حدیثوں کو جمع کیا اور دھوکہ میں مبتلا ہو کر صحیح حدیثوں کے ساتھ ان باطل و صریحی غلط احادیث کو بھی ثابت و مسلم قرار دے لیا۔

حمید کی حدیث کی تائیدی حدیثوں میں جو حدیث کہ حضرت علیؑ کی طرف

منسوب کرکے بیان کی گئی ہے اس کے سلسلۂ اسناد میں ابو زرعہ، وہیب بن راشد ایسا
شدید ترین ناصبی ہے جس نے اپنے استاد ابو یزید یونس بن یزید بن نجاد ایلی غلام
معاویہ بن ابی سفیان سے بنی ہاشم خصوصاً علی کی دشمنی حاصل کی ہے[1]
ابن عباس کی طرف جو حدیث منسوب کرکے بیان کی گئی ہے اس کے سلسلۂ اسناد
میں ابو القاسم مقسم بن بجزاۃ ایسا دشمن اہلبیت ہے جو علانیہ امیر المومنین کی عداوت کا
اظہار کیا کرتا تھا۔ امام حاکم کو اس شخص کے متعلق دھوکہ ہو گیا اور انھوں نے اسے
بخاری کے رجال میں خیال کیا چنانچہ مستدرک ج ۳ ص ۵۱ پر اس شخص کی من گڑھت
حدیث (درباره امامت ابی بکر) درج کر گئے ہیں حالانکہ مقسم منجملہ ان ضعیف و ناقابل اعتبار
اشخاص کے ہے جن کی نا اعتباری کی بخاری نے صراحت کی ہے۔ علامہ ذہبی نے
بھی بخاری و ابن حزم سے اس کے نامعتبر ہونے کو نقل کیا ہے۔
ابن سعد نے اپنی طبقات جلد ۵ ص ۲۵۶ پر اس کے حالات میں لکھا ہے کان
کثیر الحدیث ضعیفاً "یہ بہت حدیثیں بیان کیا کرتا اور ضعیف و نامعتبر ہے"
میں کہتا ہوں کہ اس کے ضعیف ہونے ہی کی وجہ سے بخاری و مسلم نے اسے
ناقابل اعتبار جانا نہ اس کی کوئی حدیث اپنے صحیح میں رکھی۔ البتہ بخاری نے عبد الکریم
بن مالک جزری سے روایت کی ہے کہ اس نے مقسم کو کہتے سنا کہ ابن عباس نے
بیان کیا لا یستوی القاعدون من المومنین سے جو جنگ بدر میں شریک

---

[1] ابو نصر کلا باذی، ابو بکر اصبہانی، ابو الفضل شیبانی جو ابن قیسرانی کے نام سے مشہور
ہیں سبھوں نے اپنی کتابوں میں اسی یونس بن یزید کا ذکر کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ وہ معاویہ ابن
ابی سفیان کے غلاموں میں سے تھا ملاحظہ کیجیے ابن قیسرانی کی کتاب ص ۵۸۵ اسی یونس ایلی نے
روایت کی ہے کہ جناب ابو طالب بحالت کفر مرے جسے مسلم نے صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۰ میں درج کیا ہے یہ
یونس ابو زرعہ کا استاد اور مربی تھا (میزان الاعتدال علامہ ذہبی)

نہ ہوے، بیٹھے رہے وہ ان مومنین کے برابر نہیں ہو سکتے جو جنگ بدر میں شریک تھے۔

امام بخاری نے ابن عباس کی اس تفسیر کو مقسم کے واسطہ سے صحیح بخاری میں دو جگہ لکھا ہے ایک غزوۂ بدر کے سلسلہ میں (صحیح بخاری ج ۳ ص ۲) دوسرے سورہ نساء کی تفسیر میں (صحیح بخاری جلد ۳ ص ۸۱)

پوری صحیح بخاری میں سوا اس تفسیر کے اور کوئی حدیث مقسم سے روایت نہیں کی امام بخاری نے مقسم کو ضعیف جاننے کے باوجود یہ تفسیر اس کے واسطہ سے اس لیے لکھی کہ امت کا اجماع ہے کہ اس قسم کی حدیثوں میں تسامح جائز ہے کیونکہ وہ کسی حکم شرعی پر مشتمل نہیں ہوتی۔ مزید براں امام بخاری نے اس تفسیر کو پیغمبر کی طرف نسبت نہیں دی کہ اس صورت میں یہ تفسیر بھی سنن پیغمبر میں سے ہو جاتی جن کی صحت کا امام بخاری نے خاص التزام رکھا ہے (یعنی صحیح بخاری میں صرف وہی سنن پیغمبر انھوں نے درج کیے ہیں جو اُن کے نزدیک صحت کے معیار پر پورے اترتے ہیں لیکن مقسم کی تفسیر کو پیغمبر کی طرف منسوب کرکے بیان ہی نہیں کیا تاکہ شرط صحت کی پابندی ضروری ہوتی)۔

جابر بن عبد اللہ انصاری کی طرف جو حدیث منسوب کرکے بیان کی گئی ہے اس کے سلسلہ اسناد میں ابو صالح اسحاق بن نجیح ملطی ہے اور وہ بڑا خبیث، اول نمبر کا لپاڑیا اور حدیث گڑھنے میں دلیر، ماہرین علم حدیث کے نزدیک بالاتفاق پایہ اعتبار سے ساقط۔ علامہ ذہبی نے اس کے حالات لکھتے ہوے یہ تمام باتیں ذکر کی ہیں۔

جو حدیث کہ امام محمد باقرؑ کی طرف منسوب کرکے بیان کی گئی ہے اس کے سلسلہ اسناد میں محمد بن اسحاق ہیں جنھوں نے اپنی کتاب سیرۃ ابن اسحاق میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق نے اپنی سیرۃ کو اسی قسم کی بے شمار باطل چیزوں سے مزین کیا ہے جس کا نہ کوئی ثبوت، کوئی دلیل اُن کے پاس تھی۔

غرضکہ جتنی حدیثیں حمید کی مؤید اختراع کی گئیں سبھی لغو و مہمل ہیں، کیونکہ اُن کا سلسلۂ رواۃ درجۂ اعتبار سے پست تر ہے اور ان حدیثوں کا مضمون بھی غلط و مہمل اور حدیث صحیح و ثابت کے خلاف و برعکس نیز پیغمبرؐ کے طرزِ عمل کے بھی سراسر مخالف ہے کیونکہ پیغمبرؐ کا طرزِ عمل ہمیشہ یہ رہا کہ آپ نے اپنی زندگی بھر علیؑ پر کسی کو افسر و حاکم نہیں بنایا بلکہ علیؑ ہی حاکم ہوا کیے اور ہر جنگ و معرکہ میں وہی علمدارِ لشکر رہے برخلاف ابوبکر و عمر وغیرہ کے کہ یہ حضرات اکثر دوسرے کی ماتحتی میں رکھے گئے چنانچہ انتقال سے پیشتر پیغمبرؐ نے جو لشکر ترتیب دے کر اسامہ کی ماتحتی میں روانہ کیا تھا اس میں ابوبکر و عمر دونوں ماتحتی میں رکھے گئے تھے، غزوۂ ذات السلاسل میں بھی یہ دونوں حضرات عمرو بن عاص کی ماتحتی میں رہ چکے تھے اس کا ایک قصہ بھی تاریخ کے صفحات پر مذکور ہے[۱] مگر علیؑ تمام مدت حیات پیغمبرؐ سوا پیغمبرؐ کے کسی کے تابع و محکوم نہیں بنائے گئے۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کو نہ تو جیش اسامہ میں بھیجا نہ ابن عاص کے لشکر میں رکھا نہ عمر و ابوبکر کی ماتحتی میں جنگ خیبر میں بھیجا بلکہ جب یہ دونوں حضرات شکست کھا کر واپس آئے اور پیغمبرؐ نے علیؑ کو علم لشکر دے کر روانہ کیا تو ابوبکر و عمر کو علیؑ کی ماتحتی میں روانہ کیا اور خداوند عالم نے علیؑ کو فتح عنایت کی۔ اور جب پیغمبرؐ نے خالد بن ولید کو یمن کی طرف لشکر دے کر روانہ کیا تو علیؑ کو دوسرے ایک لشکر کی افسری عنایت فرما کر بھیجا اور حکم دیا کہ راستہ میں خالد اپنے لشکر کے سردار اور علیؑ اپنے لشکر کے سردار رہیں گے مگر وقت جنگ علیؑ دونوں لشکر کے سردار رہیں گے (مسند جلد ۵ ص ۳۵۶)

ابن عباس کا قول ہے کہ علیؑ کو چار ایسی خصوصیتیں حاصل ہیں جو کسی کو حاصل نہ ہو سکیں وہ عرب و عجم میں پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ کے ساتھ

---

[۱] امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک جلد ۳ ص ۴۳ میں درج کیا علامہ ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیتے ہوئے تلخیص مستدرک میں باقی رکھا ہے ۱۲

نماز پڑھی اور علی ہی وہ شخص ہیں جو ہر معرکہ میں علمدار لشکر پیغمبرؐ رہے (ارجح المطالب)
ابھی اوپر حسن بصری کا یہ قول حضرت علیؑ کے متعلق گذر چکا ہے کہ میں اس شخص کے متعلق کیا کہوں جسے چار مخصوص فضیلتیں حاصل ہیں، پیغمبرؐ نے سورہ برات کی تبلیغ پر انھیں امین بنایا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ فرمایا۔ اسی سلسلہ میں حسن بصری کہتے ہیں وانہ لم یؤمر علیہ امیر قط وقد امرت الامراء علی غیرہ۔ علی پر کبھی کوئی امیر نہیں بنایا گیا اور اگر علی کے علاوہ دوسرے کو امیر بنایا گیا تو علی پر نہیں بلکہ علی کے علاوہ دوسرے دوسرے لوگوں پر۔

(۱۹) ملائکہ عمر سے کلام کرتے تھے

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے [۱]

لقد کان فی من کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن من امتی منھم احد فعمر [۲]

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا، تم لوگوں سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسی ہستیاں بھی گذری ہیں جو اگرچہ نبی نہ تھیں مگر ملائکہ اُن سے گفتگو کیا کرتے۔ اگر میری امت میں کسی کو یہ شرف ملتا تو عمر کو (یعنی پوری امت میں عمر ہی اس قابل ہیں کہ ملائکہ ان سے گفتگو کر سکیں)

---

[۱] صحیح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۱۹۴ باب مناقب عمر [۲] علامہ قسطلانی شرح صحیح بخاری ارشاد الساری جلد ۷ صفحہ ۳۴۵ میں تحریر فرماتے ہیں یُکَلَّمُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ اُن سے کلام کرتے تھے۔ نیز پیغمبر کا یہ جملہ فان یکن من امتی منھم احد (میری امت میں سے کوئی اگر ایسا ہوتا جس سے ملائکہ گفتگو کرتے) میں لفظ ان یکن تردید کے لئے نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ کوئی اس قابل ہے نہیں اگر ہوتا تو عمر ہوتے بلکہ تاکید کے لیے یعنی ہماری امت میں اس

انھیں بخاری نے ابو ہریرہ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے :-

قال انه قد کان فیما مضی قبلکم من الامم محدثون وانه انکان فی امتی ھذہ منھم فانه عمر ابن الخطاب [1]

ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ پیغمبر نے فرمایا تم سے پہلے جو امتیں گذریں اُن میں ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جن سے ملائکہ باتیں کیا کرتے ہماری امت میں اگر ایسا کوئی ہو سکتا ہے تو وہ عمر ابن خطاب ہیں -

یہ من گڑھت حدیث ہے ابو ہریرہ کی جسے انھوں نے حضرت عمر کے مرنے کے کئی سال بعد ہوا کے رُخ کو دیکھتے ہوے عوام کو خوش کرنے کے لیے گڑھا تھا کیونکہ ناصب وظالم بنی امیہ کے دل کی تمنائیں اس وقت تک پوری ہو ہی نہیں سکتی تھیں ان کے دلوں کو اس وقت تک چین آ ہی نہ سکتا تھا جب تک ابو بکر و عمر کو انبیاء معصومین کے برابر وہم پلہ نہ کر دکھایا جائے - ابو بکر و عمر کے عہد میں آس پاس کے ملکوں پر چڑھائی، لڑائیوں میں فتح اور بے شمار لوٹ کا مال ہاتھ آنے کی وجہ سے جاہل عوام میں ان دونوں بزرگوں کو کافی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی - ابو ہریرہ نے زمانہ کے رنگ کو دیکھتے ہوے حکام وقت کو خوش کرنے کے لیے اس جیسی حدیثیں کثرت سے اختراع کیں اور سچ بات یہ ہے کہ گھاٹے میں رہے بھی نہیں ، دل کی جو مُراد تھی وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲) منزلت کا انسان موجود ہے جس سے ملائکہ گفتگو کریں اور وہ عمر ہیں جیسے ہم یہ کہیں اگر ہمارا کوئی دوست ہوتا تو فلاں ہوتا ۔ مطلب یہ ہے کہ فلاں ہی ہمارا دوست ہے ۔ اور جب یہ بات ثابت ہے قول پیغمبرؐ سے کہ سابق امتوں میں جو ملت اسلام سے کم منزلت رکھتی تھیں ایسے لوگ تھے جن سے ملائکہ گفتگو کیا کرتے تو امت اسلام جو تمام امتوں پر فوقیت رکھتی ہے ہر طرح افضل و بہتر ہے اس میں ایسے افراد بدرجہ اولیٰ ہوں گے جن سے ملائکہ گفتگو کریں ۱۲

[1] صحیح بخاری پارہ ۱۴ باب مناقب عمر میں بھی یہ حدیث موجود ہے امام نسائی نے بھی باب مناقب میں اس حدیث کو درج کیا ہے ۱۲

ہاتھ آئی حکام وقت نے حکومت و جاگیر بخشی، عوام کے دلوں میں عزت بڑھی اگر
عمر کے عہد میں اس قسم کی حدیثیں گڑھے ہوتے تو اُن کی پیٹھ ہوتی اور حضرت عمر کا دُرہ
مگر وہ تو موقع کے منتظر تھے موقع ملا اور اچھا موقع ملا۔ معاویہ کی حکومت میں میدان
صاف تھا کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا وہ جی کھول کے اس قسم کی حدیثیں گڑھتے چلے گئے۔

ارباب علم جانتے ہیں کہ گذشتہ امتوں میں اگر کسی سے ملائکہ نے حقیقتاً یا مجازاً
گفتگو بھی کی ہے تو ان سے جو معصوم تھے نبی تھے یا وصی نبی چنانچہ ہے بھی ایسا کہ
انبیائے کرام سے ملائکہ واقعاً گفتگو کرتے ہیں اور وصی نبی پر خداوند عالم الہام فرماتا ہے
جس کے ذریعہ اس پر امر حق اس طرح روشن وواضح ہو جاتا ہے اور کوئی شبہ باقی نہیں
رہتا جیسے کوئی فرشتہ آکر خدا کی جانب سے بتا جائے ورنہ حقیقتاً کوئی کلام کرنے والا
نہیں ہوتا وہ تو خداوند عالم صحیح بات اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت عمر خلیفہ ہی نہیں سب کچھ رہے ہوں مگر نبی یا وصی یا معصوم تو قطعاً
نہیں تھے، کوئی بھی مسلمان دنیا کے پردے پر اس کا قائل نہیں ملے گا لہذا ملائکہ کا
اُن سے کلام کرنا نہ تو حقیقتاً ہی ممکن ہے نہ مجازاً ہی صحیح ہے ملائکہ تو البتہ اس سے
کلام کرتے تھے جو اس امت محمدی میں منزلت ہارون پر فائز تھا، جو وصی تھا حضرت محمد مصطفٰیؐ کا۔

مزید براں حضرت عمر کی درشت مزاجیوں کو دیکھتے ہوئے (جو عہد رسول و بعد
وفات رسول اُن سے ظہور میں آتی رہیں) کسی کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی
کہ ملائکہ اُن سے ہمکلام ہوئے ہوں چاہے حقیقتاً چاہے مجازاً

(۳۰) پیغمبر کا ترکہ صدقہ ہے

بخاری[1] و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابو ہریرہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۱۲ ص ۱۲۵ کتاب الجہاد باب نفقۃ نساء النبی بعد وفاتہ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۸۴
باب قول النبی لا نورث ما ترکناہ فہو صدقۃ

بوصیۃ منہا) ولم یؤذن بہا ابوبکر (کیونکہ فاطمہ نے اس کی وصیت کی تھی اور ابوبکر کو خبر تک نہ کی۔

ملاحظہ فرمائیے کہ اس حدیث میں کتنی وضاحت ہے اس امر کی کہ فاطمہؑ ابوبکر سے رنجیدہ ہوئیں۔ ان پر غضبناک رہیں، اُن سے مرتے دم تک بات نہیں کی، آپ کا غیظ و غضب کوئی ایک مرتبہ کا نہ تھا بلکہ کئی مرتبہ خاطر اقدس کو ملال پہنچا اور آپ مستقل طور پر ابوبکر سے اس واقعہ کے بعد برہم رہیں۔ (جب ابوبکر نے مطالبہ میراث پدر کو اس حدیث سے ٹھکرا دیا جسے نہ کسی نے سُنا نہ کسی نے روایت کی بلکہ خود ابوبکر ایک اکیلے اس کے سننے والے اور روایت کرنے والے ہیں تو) فاطمہؑ نے چادر اوڑھی، سر پر مقنعہ ڈالا، خاندان کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ اس طرح برآمد ہوئیں کہ آپ کی چادر زمین پر خط کھینچتی جاتی تھی اور رفتار پیغمبرؐ کی رفتار کا منظر آنکھوں کے سامنے پیش کر رہی تھی آپ ابوبکر کے پاس پہنچیں اور وہ مہاجرین و انصار کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے جب پہنچیں تو آپ کے اور مجمع کے درمیان چادر کھینچ دی گئی، آپ نے ایک گہری آہ کھینچی جس پر وہاں بیٹھے ہوئے لوگ ڈاڑھیں مار کر رونے لگے، مجمع میں تہلکہ مچ گیا، آپ نے ان لوگوں کو تھوڑی دیر کا وقفہ دیا جب چیخیں تھمیں، جوش گریہ کم ہوا تو آپ نے خداوند عالم کی مدح و ثنا سے اپنی تقریر شروع کی۔ اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنکھیں چھلک گئیں، دل پگھل گئے، اگر سیاست نے لوگوں کے دل پتھر نہ بنا دیے ہوتے تو کایا پلٹ جاتی اور تاریخ کے صفحات پر کچھ اور نظر آتا مگر سیاست نے کب کسی پر ترس کھایا ہے۔

جناب معصومہ کی اس تقریر[۲] کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو کہ جناب معصومہ نے

۱؎ جیسا کہ بخاری کے شارحین نے اعتراف کیا ہے دیکھیے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۵۷ نیز تحفۃ الباری وغیرہ ۲؎ بزرگان اولاد علی و فاطمہ نسلاً بعد نسل جناب معصومہ کے اس خطبہ کی روایت کرتے آئے ہیں یہاں تک کہ ہم لوگوں تک سلسلہ پہنچا۔ ہم اولاد فاطمہ نے اس خطبہ کو

فابی بکر ان یدفع منہ شیئا فوجدت فاطمۃ علی ابی بکر فھجرتہ فلم تکلمہ حتی توفیت وعاشت بعد النبیؐ ستۃ اشہر فلما توفیت دفنہا زوجہا علی لیلا

کہ ابو بکر نے ایک حبہ بھی میراث پیغمبر سے فاطمہ کو نہ دیا اس سے فاطمہ ابو بکر سے بیحد ناراض ہو گئیں اور اُن سے بات تک کرنے کی روادار نہ ہوئیں مرتے دم تک اُن سے نہ بولیں اور وہ پیغمبر کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے شوہر علیؑ نے انھیں شب میں دفن کر دیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵)

صدقۃً میں صدقۃً حال ہوگا یعنی ہم جو چیز بطور صدقہ چھوڑ جائیں اس کا کوئی وارث نہ ہوگا۔ پیغمبرؐ نے جو چیزیں اپنے بعد چھوڑی تھیں اُن کی قسمیں تھیں بعض تو آپ کے ملک و اختیار میں تھیں اور بعض صدقہ کی حیثیت رکھتی تھیں جسے آپ جہاں چاہتے صرف کرتے جس کو مستحق پاتے دیتے۔ اگر پیغمبر نے واقعاً صدقۃُ فرمایا تھا تب تو سیدہ کو میراث سے محروم کرنے کی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبر فرما گئے ہیں کہ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے لیکن اگر صدقۃً ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سیدہ باپ کی میراث نہ پائیں۔ صرف انھیں چیزوں سے محروم کیا جا سکتا تھا جو پیغمبر اپنی زندگی میں صدقہ کر چکے تھے لیکن باقی املاک جو آپ کی تھیں وہ تو بہر حال پانے کی حقدار تھیں۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں کوئی دلیل نہیں کہ عبارت میں لفظ صدقہ صدقۃُ ہی ہے صدقۃً نہیں بلکہ قرینہ غالب یہ ہے کہ صدقہ ہی ہے پیغمبرؐ نے یہ جملہ آیندہ کے لیے بطور وضاحت فرمایا تھا کہ کہیں دنیا والے یہ نہ سمجھ لیں انبیائے کرام کی اولاد انبیاء کی ایک ایک چیز کی مالک ہوتی ہے خواہ اُن کی ملکیت کی ہو یا صدقہ کی اسلیے پیغمبرؐ نے فرما دیا کہ لا نورث ما ترکناہ صدقۃً ہم جو چیز صدقہ کردہ چھوڑ جائیں اس کی وارث ہماری اولاد نہیں ہوتی ہے بلکہ فقط اسی چیز کی ہوتی ہے جو ہمارے ملک کی ہو۔

بوصیة منها) ولم یوذن بھا (کیونکہ فاطمہ نے اس کی وصیت کی تھی اور ابو بکر کو خبر تک نہ کی۔

ملاحظہ فرمائیے کہ اس حدیث میں کتنی وضاحت ہے اس امر کی کہ فاطمہؑ ابو بکر سے رنجیدہ ہوئیں۔ ان پر غضبناک رہیں، اُن سے مرتے دم تک بات نہیں کی، آپ کا غیظ و غضب کوئی ایک مرتبہ کا نہ تھا بلکہ کئی مرتبہ خاطر اقدس کو ملال پہنچا اور آپ مستقل طور پر ابو بکر سے اس واقعہ کے بعد برہم رہیں۔ (جب ابو بکر نے مطالبہ میراث پدر کو اس حدیث سے ٹھکرا دیا جسے نہ کسی نے سُنا نہ کسی نے روایت کی بلکہ خود ابو بکر ایک اکیلے اس کے سننے والے اور روایت کرنے والے ہیں تو) فاطمہؑ نے چادر اوڑھی، سر پر مقنعہ ڈالا، خاندان کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ اس طرح بر آمد ہوئیں کہ آپ کی چادر زمین پر خط کھینچتی جاتی تھی اور رفتار پیغمبرؐ کی رفتار کا منظر آنکھوں کے سامنے پیش کر رہی تھی آپ ابو بکر کے پاس پہنچیں اور وہ مہاجرین و انصار کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے جب پہنچیں تو آپ کے اور مجمع کے درمیان چادر کھینچ دی گئی، آپ نے ایک گہری آہ کھینچی جس پر وہاں بیٹھے ہوئے لوگ ڈاڑھیں مار کر رونے لگے، مجمع میں تہلکہ مچ گیا، آپ نے ان لوگوں کو تھوڑی دیر کا وقفہ دیا جب چیخیں تھمیں، جوش گریہ کم ہوا تو آپ نے خداوند عالم کی مدح و ثنا سے اپنی تقریر شروع کی۔ اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنکھیں چھلک گئیں، دل پگھل گئے، اگر سیاست نے لوگوں کے دل پتھر نہ بنا دیے ہوتے تو کایا پلٹ جاتی اور تاریخ کے صفحات پر کچھ اور نظر آتا مگر سیاست نے کب کسی پر ترس کھایا ہے۔

جناب معصومہ کی اس تقریر[2] کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو کہ جناب معصومہ نے

---

[1] جیسا کہ بخاری کے شارحین نے اعتراف کیا ہے دیکھیے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ نیز تحفۃ الباری وغیرہ

[2] بزرگان اولاد علی و فاطمہ نسلاً بعد نسل جناب معصومہ کے اس خطبہ کی روایت کرتے آئے ہیں یہاں تک کہ ہم لوگوں تک سلسلہ پہنچا۔ ہم اولاد فاطمہ نے اس خطبہ کو

اپنے دلائل و براہین [1] سے ابو بکر کو کتنی بڑی شکست فاش دی اور اُن کے دعوے کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے، اپنی حقیت میراث پیغمبر پر کلام مجید کی آیتوں سے اتنے واضح ثبوت پیش کیے جن کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷)

اپنے باپ دادا سے سنا ہمارے باپ دادا نے اپنے باپ دادا سے سنا، اسی طرح ہر زمانہ کے بزرگ اپنے بزرگوں سے سنتے آئے یہاں تک کہ سلسلہ زمانہ ائمہ تک پہنچتا ہے: ائمہ کے زمانہ کے لوگوں نے ائمہ طاہرین سے علیؑ و فاطمہؑ کے پوتے پر پوتوں سے سنا۔ بحار الانوار احتجاج طبرسی میں موجود ہے علمائے اہلسنت میں سے علامہ ابو بکر احمد بن عبد العزیز جوہری نے اپنی کتاب فدک و سقیفہ میں ایسے طرق و اسناد سے اس خطبہ کو لکھا ہے جن میں بعض کا سلسلہ جناب زینب تک بعض کا امام جعفر صادق تک بعض کا عبد اللہ بن حسن بن حسنؑ تک پہنچتا ہے دیکھئے شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۷۸ ابو عبد اللہ محمد بن عمران مرزبانی نے بھی سلسلہ اسناد عروہ بن زبیر سے لکھا ہے۔ عروہ نے جناب عائشہ سے سنا اور عائشہ نے جناب معصومہ کی طرف نسبت دے کر بیان کیا ہے۔ شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۹۳ انھیں مرزبانی نے سلسلہ اسناد جناب زید شہید سے بھی اس خطبہ کی روایت کی ہے انھوں نے اپنے والد جناب امام زین العابدینؑ سے انھوں نے اپنے والد امام حسینؑ سے انھوں نے اپنی مادر گرامی سے نقل کیا ہے۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۹۴۔ اسی صفحہ پر علامہ ابن ابی الحدید نے جناب زید سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ میں نے مشائخ آل ابو طالب کو اس خطبہ کی روایت کرتے اور اپنی اولاد کو اس خطبہ کی تعلیم کرتے ہوئے دیکھا۔

[1] جناب معصومہ نے ابو بکر سے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی فرمایا تھا کہ ابو بکر تم مر جاؤ گے تو تمھارا کون وارث ہوگا۔ انھوں نے کہا میرے لڑکے لڑکیاں میری بیوی وارث ہوگی۔ آپ نے پوچھا تو پھر تم رسول اللہ کی اولاد اور گھر والوں کو محروم کر کے رسول کے وارث کیسے بن بیٹھے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۹)

حجت پر استدلال فرماتے ہوئے کہا:۔

"کیا تم لوگوں نے جان بوجھ کر کتاب خدا سے کنارہ کر لیا ہے۔ کتاب خدا تو بتاتی ہے وورث سلیمان داود سلیمان اپنے باپ داؤد کے وارث ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸) ابو بکر نے کہا میں نے تو ایسا نہیں کیا آپ نے کہا یقیناً تم نے ایسا کیا ہے فدک جو رسول کی خاص ملکیت تھی تم نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور خدا کے عام حکم میراث سے جو ہر کہ و مہ کو شامل ہے ہمیں محروم کر دیا" (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص ۸۱ کتاب السقیفہ ابو بکر بن عبد العزیز جوہری) انہیں ابو بکر نے بسلسلہ اسناد جناب ام سلمہ سے یہ بھی روایت کی ہے کہ جب فاطمہ نے اپنا حق مانگا ابو بکر نے کہا پیغمبر کہہ چکے ہیں کہ "نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا" لہذا تم میراث پانے کے حقدار نہیں البتہ پیغمبر جس طرح خاص خاص لوگوں کی امداد کیا کرتے تھے میں بھی کرتا رہوں گا۔ اس پر معصومہ نے کہا ابو بکر تمہاری بیٹیاں تو تمہارے مرنے پر میراث پائیں مگر رسول کی بیٹی باپ کی میراث سے محروم رکھی جائیگی (اسنہ جلد ا کتاب سقیفہ جوہری شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص ۸۱) اور بسلسلہ اسناد ام ہانی بنت ابی طالب سے مروی ہے کہ جناب معصومہ نے ابو بکر سے پوچھا تم مرو گے تو تمہارا کون وارث ہوگا؟ انھوں نے کہا میری اولاد، میرے گھر والے۔ آپ نے فرمایا تو پھر ہمیں محروم کر کے تم کیسے رسول اللہ کے وارث ہوگئے۔ ابو بکر نے کہا آپ کے باپ نے کوئی چیز میراث میں چھوڑی ہی نہیں معصومہ نے کہا چھوڑی کیوں نہیں سہم اللہ جسے خداوند عالم نے خاص کر ہمیں بخشا ہے اور وہ ہماری مخصوص جاگیر ہے اس وقت تم قبضہ کیے بیٹھے ہو ابو بکر نے کہا میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ وہ (فدک) آذوقہ ہے جو خدا نے ہمیں بخشا ہے جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو یہ سارے مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہو جائے گی۔ ابو الطفیل سے بھی ایسی ہی روایت موجود ہے۔ اس باب میں بے شمار متواتر حدیثیں ہیں خصوصاً بطریق اہلبیت طاہرین تو اور زیادہ چنانچہ ایک جناب معصومہ ہی کا خطبہ ہے جس کا ہم نے اوپر اشارۃً تذکرہ کیا ہے۔ جناب معصومہ کا ایک اور مشہور خطبہ خلافت کے مسئلے پر ہے جوہری نے کتاب السقیفہ اور فدک میں عبد اللہ بن حسن بن حسنؑ سے نقل کیا ہے (نہج البلاغہ جلد ۴ ص ۷۸

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۰ پر)

ابو ہریرہ
زکریا پیغمبر کے تذکرہ میں بیان کرتی ہے فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث
من آل یعقوب واجعلہ رب رضیا زکریا نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی خداوندا
اپنے پاس سے مجھے والی و وارث مرحمت فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا
بھی اور بار الٰہا اسے پسندیدہ قرار دے" اسی کتاب کا کہنا ہے واولوالارحام
بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ - صاحبان رحم میں بعض بعض سے از روئے
کتاب خدا زیادہ حقدار ہیں۔ یہی کتاب کہتی ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم
للذکر مثل حظ الانثیین تمہارے اولاد کے بارے میں خدا کا حکم یہ ہے
کہ لڑکے کا دوہرا حصہ ہے بہ نسبت لڑکی کے - اسی کتاب میں ہے کتب علیکم
اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن الوصیۃ تم پر واجب و لازم
کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے تو والدین قریبی
رشتہ داروں کے لیے وصیت چھوڑ جائے" پھر جناب سیدہؑ نے حاضرین سے پوچھا
"کیا خداوند عالم نے تم لوگوں پر کوئی خاص آیت نازل کی ہے جس کی میرے پدر بزرگوار
کو خبر تک نہ کی یا تم قرآن کے مفہوم و معنی سے بہ نسبت میرے باپ اور شوہر کے
زیادہ واقفیت رکھتے ہو یا تم اس کے قائل ہو کہ دو ملتوں والے باہم وارث نہیں ہو سکتے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۹) عبداللہ بن حسن بیان کرتے ہیں کہ جب جناب معصومہ کا مرض بہت شدت اختیار
کر گیا تو آپ کے پاس مہاجرین و انصار کی عورتیں آئیں اور پوچھا کس حال میں ہیں آپ اے دختر پیغمبر
آپ نے فرمایا کہ میں اس حال میں ہوں کہ تمہاری دنیا سے بیزار تمہارے مردوں سے متنفر ہوں الخ
یہ خطبہ اہل بیت علیہم السلام کے بعید بلیغ تبرکات سے ہے - ابوالفضل احمد بن ابی طاہر نے بھی اپنی
مشہور کتاب بلاغات النساء ۲۳ میں بسلسلہ اسناد جناب معصومہ سے روایت کر کے لکھا ہے۔ ہمارے
اصحاب سوید بن غفلہ بن عوسجہ جعفی سے روایت کرتے ہیں اور اس نے جناب معصومہ سے روایت کی ہے۔
علامہ مجلسی نے بحار میں اور علامہ طبرسی نے احتجاج میں بھی اس خطبہ کو درج کیا ہے -

اللہ اکبر! جناب معصومہ نے اولاً جناب داؤد و زکریا والی آیتوں سے کتنا
ذی استدلال فرمایا وورث سلیمان داؤد سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔
اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ پیغمبرؐ کی اولاد پیغمبر کی وارث ہوئی فهب لی
من لدنك ولیا یرثنی زکریا پیغمبرؑ تمنا و آرزو کرتے ہیں سوال کرتے ہیں کہ
بارالہا مجھے کوئی فرزند عنایت فرما جو میرے بعد میرا وارث ہو۔

بات بنانے والوں نے بات یہ بنائی کہ ان آیتوں میں وراثت سے مراد
وراثت مال و جائداد نہیں بلکہ وراثت حکمت و نبوت ہے۔ سلیمان وارث حکمت و
نبوت داؤد ہوئے زکریا نے نبوت و حکمت کے لیے وارث کی دعا کی تھی۔ مگر
خدا کی قسم سیدہ مفہوم و مراد قرآن سے زیادہ واقف و خبیر تھیں بہ نسبت اُن لوگوں کے
جو آیت نازل ہونے کے وقت موجود بھی نہ تھے بلکہ مدتوں بعد پیدا ہوئے اور اب
خلافت مآب افراد کی حمایت میں زبردستی کی تاویلیں کرتے ہیں اور حقیقی معنی کو چھوڑ کر
جو لفظ کے سنتے ہی فوراً ذہن میں آتے ہیں بغیر کسی قرینہ کے مجازی معنی مراد
لیے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا حقیقی معنی نہیں مجازی معنی مراد ہوتے وراثت سے مراد
وراثت حکمت و نبوت ہی تنہا ہوتی تو کیوں نہیں ابوبکرؓ نے اس روز یہ بات بنائی۔
سیدہ کے مطالبہ میراث پر یہی جواب ابوبکرؓ نے کیوں نہیں دے دیا۔ ابوبکر اور اُن کے
حوالی موالی صحابہ کو تو یہ بات سوجھی[1] نہیں سوجھی تھی تو اب ان مدتوں بعد دنیا میں
آنے والوں کو۔

۱؎ حضرت ابوبکر اور اُن کے حوالی موالی سے اس دن کوئی جواب تو بن نہ پڑا ہاں ہٹ دھرمی پر اتر آئے
ابوبکر نے معصومہ کی بات کا جواب یہ دیا کہ دختر پیغمبر خداوند عالم نے اپنے خلائق میں محمد مصطفےٰ کے
علاوہ کوئی ایسی مخلوق نہیں پیدا کی جو مجھے محمد مصطفےٰ سے زیادہ محبوب ہو میری تو تمنا تھی کہ
جس دن پیغمبر کا انتقال ہوا آسمان پھٹ پڑتا۔ خدا کی قسم عائشہ کا نادار ہو جانا مجھے زیادہ محبوب ہے

(باقی صفحہ ۱۹۲ پر)

علاوہ اس کے ایسے روشن قرائن موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ لفظیں یہاں حقیقی معنوں ہی میں مستعمل ہوئی ہیں وراثت سے مراد وراثت حقیقی ہے نہ کہ وراثت مجازی جیسا کہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب شافی میں صراحت فرمائی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱) بنسبت اس کے کہ آپ پر ناداری کی مصیبت پڑے کیا آپ کا خیال ہے کہ میں ہر کالے گورے کو اس کا حق دوں گا اور آپ ہی کا حق مار لوں گا حالانکہ آپ دختر پیغمبر ہیں۔ یہ مال پیغمبر کا ذاتی مال نہ تھا یہ تو مسلمانوں کا مال تھا جس سے آپ لوگوں کی امداد کرتے راہ خدا میں خرچ کرتے اب جبکہ پیغمبر کا انتقال ہوگیا تو میں سب کا مالک مختار ہوا ہوں اسی طرح اس پر متصرف رہوں گا جس طرح پیغمبر متصرف رہا کیے جناب معصومہ نے فرمایا (اچھی بات ہے) خدا کی قسم آج سے پھر کبھی تم سے بات نہ کروں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے میری بیزاری ہے خدا کی قسم میں تم پر بد دعا کروں گی خدا سے۔ ابوبکر نے کہا میں آپ کے لیے دعا کروں گا جب معصومہ کی وفات کا وقت آیا۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ ابوبکر میرے جنازے پر نہ آئیں۔ (نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ) ملاحظہ فرمائیے جناب معصومہ تو ابوبکر کی پیش کردہ حدیث کا معارضہ فرماتی ہیں۔ جناب داؤد و زکریا کے متعلق کلام مجید کی آیتوں سے اور ابوبکر آپ کے معارضہ پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مال پیغمبر کا تھا ہی نہیں۔ جناب معصومہ نے ان کی بات تسلیم نہیں کی اس لیے کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کے حالات سے بہ نسبت اوروں کے زیادہ واقف تھیں۔

۲۔ جناب علم الہدیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ جناب زکریا نے فرزند کی تمنا میں پروردگار سے دعا کی تھی انی خفت الموالی من ورائی یعنی اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں لہذا مجھے ایک جانشین فرزند عنایت فرمایا۔ جناب زکریا کے رشتہ دار و قرابت دار بیوقوف و بدکار تھے اگر جناب زکریا کے کوئی فرزند نہ پیدا ہوتا تو وہی بیوقوف و بدکار رشتہ دار زکریا کے وارث ہوجاتے اور جناب زکریا کو ڈر تھا کہ ہمارے ترکہ کو یہ لوگ فسق و فجور کی نذر کر ڈالیں گے اسی ڈر کی وجہ سے آپ نے فرزند کی دعا کی تھی جناب زکریا کا خوف و ہراس اپنے رشتہ داروں سے ڈرنا بتاتا ہے کہ وراثت مال مقصود تھی نہ کہ حکمت و نبوت

پھر جناب معصومہ نے اپنی حقیت میراث پدر پر آیات میراث اور آیہ وصیت کے
ذریعے ثبوت پیش کیے اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله،
یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین، کتب علیکم
اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة ان تمام آیتوں کی لفظیں
بالکل عام اور امت مسلمہ کی ہر ہر فرد کو شامل ہیں جو بھی مسلمان ہے سبھی کے لیے یہ احکام
ہیں کسی کا استثنا نہیں۔ جب تک کلام مجید کی کوئی آیت یا احادیث پیغمبر میں سے
کوئی حدیث ان آیات کی مخصص نہ مل جائے جو یہ بتائے کہ یہ حکم عام نہیں خاص ہے
فلاں کے لیے ہے فلاں کے لیے نہیں مگر کلام مجید کی تمام آیتیں ایک ایک کر کے
پڑھ جائیے پیغمبر کی صحیح احادیث ایک ایک کر کے پڑھ جائیے مگر کوئی آیت کوئی حدیث
آپ کو نہیں ملے گی جو ان آیات کے عموم کے برخلاف ہو۔ ان آیات کے احکام کی مخصص ہو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۰) یعنی آپ اپنے اموال و جائداد کے لیے وارث کے طلبگار تھے نہ کہ نبوت کے
وارث کے اس لیے کہ نبوت و حکمت نہ تو بدکاروں کو ملتی ہے اور نہ اس کی بربادی کا ڈر ہوتا ہے اگر
جناب زکریا کے فرزند بھی ہوتا تو نبوت آپ کے بدکار رشتہ داروں کو مل نہیں سکتی تھی لہذا حکمت و نبوت کی
تباہی کا جناب زکریا کو ڈر تو ہوگا نہیں مال و جائداد ہی کی تباہی کا ڈر ہوگا اسی لیے آپ نے پروردگار
سے سوال کیا کہ مجھے ایک فرزند عطا کرتا کہ وہ میرے رشتہ داروں کے بہ نسبت میرے اموال و جائداد
کی وراثت کا زیادہ حقدار ہو۔ نیز جناب زکریا نے اپنے جانشین فرزند کے لیے یہ شرط بھی پروردگار
سے کی تھی کہ واجعله رب رضیا پروردگارا میرے جانشین فرزند کو پسندیدہ بنا۔ یہ شرط
بھی بتلاتی ہے کہ جناب زکریا کے پیش نظر وراثت مال ہی تھی اس لیے کہ اگر نبوت ہی کا فقط وارث
مانگتے تو پھر یہ شرط لغو و مہمل تھی کیونکہ نبی تو خود ہی پسندیدہ ہوتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے
کہ کوئی شخص یہ دعا مانگے کہ خداوندا ہمارے لیے ایک نبی کو مبعوث کر اور اسے صادق
بنا کر بھیجنا جھوٹا نہیں۔

کسی مخصص کے قطعی طور پر موجود نہ ہونے ہی کی طرف تو جناب معصومہ نے اپنے اس جملے سے
اشارہ فرمایا تھا اخصکم اللہ بآیۃ اخرج بہا ابی کیا خداوند عالم نے تم لوگوں پر
کوئی مخصوص آیت نازل کی ہے جس کی ہمارے باپ کو خبر تک نہ تھی پھر ارشاد فرمایا
ام انتم اعلم بخصوص القرآن وعمومہ من ابی وابن عمی۔ یا تم خصوص
عموم قرآن سے بہ نسبت میرے باپ اور میرے شوہر کے زیادہ واقفیت رکھتے ہو۔
جناب معصومہ نے یہ دو سوال کر کے ثابت کر دیا کہ کوئی بھی مخصص سرے سے موجود
ہی نہیں کیونکہ اگر کوئی مخصص ہوتا، کلام مجید کی کوئی آیت یا پیغمبر کی کوئی صحیح حدیث
ایسی ہوتی جو یہ بتاتی کہ حکم وصیت و قاعدہ میراث سب کے لیے نہیں ہے بلکہ بعض
کے لیے ہے بعض کے لیے نہیں دنیا بھر کے لیے ہے مگر پیغمبر کی اولاد ہی کے لیے نہیں تو یقیناً
پیغمبر و وصی پیغمبر جناب معصومہ کو اس سے لاعلم نہ رکھتے۔ نہ تو یہی ممکن ہے کہ
کوئی ایسی چیز رہی ہو اور خود پیغمبر و وصی پیغمبر اس سے بے خبر رہے ہوں اور نہ یہ
ممکن ہے کہ مخصص رہا ہو اور پیغمبر و وصی پیغمبر نے سیدہ کو بتایا نہ ہو کیونکہ اس
صورت میں پیغمبر پر ادائے فرائض میں کوتاہی، حق کو چھپانا دھوکے میں رکھنا
سیدہ کی ذلت و توہین کا باعث ہونا لازم آتا ہے اس لیے کہ اگر سیدہ کو پیغمبر
بتا دیے ہوتے کہ بیٹی! پیغمبر کی اولاد باپ کا ترکہ نہیں پایا کرتی تو نہ تو وہ مطالبہ میراث
کرتیں اور نہ دربار خلافت سے کورا جواب پاتیں نہ (معاذ اللہ) جھوٹی بنتیں نہ اس
ذلت و توہین کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ ساری باتیں محالات و ناممکنات سے ہیں لہٰذا کوئی مخصص سرے سے
موجود ہی نہیں۔ پیغمبر کو اپنی پارہ جگر سے جو محبت و الفت تھی وہ دنیا جانتی ہے کسی
باپ نے اپنی اولاد کو اتنا نہ چاہا ہوگا جتنا پیغمبر سیدہ کو چاہتے تھے۔ سیدہ پر تصدق
ہوتے، سیدہ پر اپنی جان نچھاور[1] کرتے اور سیدہ کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ اسی طرح

---

[1] پیغمبر نے ایک مرتبہ جناب سیدہ کا تذکرہ کیا اس موقع پر آپ نے فرمایا فداہا ابوہا

پیغمبرؐ کی ہر لمحہ ہر ساعت انتہائی کوشش انتہائی تمنا و آرزو یہ رہتی تھی کہ اپنے آداب و اخلاق، سلیقہ و تہذیب، علوم و معارف سبھی سیدہ کو تعلیم فرمائیں، پیغمبرؐ نے اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ سیدہ آئینہ بن گئیں اپنے باپ کے کمالات کا، کوئی فضل و شرف، کوئی بزرگی و عزت ایسی نہ رہی جس میں پیغمبرؐ نے اپنی بیٹی کو اپنے برابر نہ کر لیا ہو لہٰذا کسی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ سیدہ کسی شرعی حکم کسی مذہبی فریضہ سے ناواقف رہ گئی ہوں، کوئی عقل و ہوش والا اس کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ پیغمبرؐ نے کوئی دینی مسئلہ خصوصاً وہ بات جس کا سیدہ کی ذات سے گہرا تعلق تھا مخفی رکھ کر یہ بات پسند کی ہو گی آپ کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد سیدہ مصائب و آلام میں مبتلا ہو جائیں جیسا کہ مطالبہ میراث پدر پر آفات و مصائب میں گرفتار ہوئیں بلکہ یوں کہا جائے کہ کیا پیغمبرؐ کے لیے یہ بات سزاوار تھی کہ سیدہ کو مسئلہ میراث سے لاعلم رکھ کر امت پر فتنہ و فساد کا دروازہ کھول دیں جنگ و جدل کے مہلکہ میں ڈھکیل دیں جیسا کہ سیدہ کے مطالبہ میراث پدر اور ابوبکر کی پیش کردہ حدیث کے بناء پر امت فتنہ و فساد میں گرفتار ہوئی اور آج تک چھٹکارا نہ ملا۔

علیؑ سیدہ کے شوہر جو خلیل پیغمبرؐ تھے، اخوت پیغمبرؐ کے مخصوص عزت کے مالک تھے کیا وہ بھی ابوبکر کی پیش کردہ حدیث نحن معاشر الانبیاء لانورث سے قطعاً ناواقف تھے؟ وہ علیؑ جنھیں خدا نے علم و حکمت عطا فرمائی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴)

فداہا ابوہا فداہا ابوہا اس کا باپ اس پر فدا ہو اس کا باپ اس پر فدا ہو اس کا باپ اس پر فدا ہو تین مرتبہ آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ ایک پوری حدیث ہے جسے امام احمد نے نقل کیا ہے اور ان سے نقل کر کے ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص ۱۰۹ باب فضائل اہل بیت میں بیان کیا ہے۔

جو سابق اسلام تھے، داماد پیغمبر تھے، پیغمبر کے اپنے چچا کے بیٹے تھے، پیغمبر کے لیے ایسے تھے جیسے ہارون موسیٰ کے لیے جو ولی پیغمبر تھے وصی پیغمبر تھے ہمراز پیغمبر تھے سبھی باتیں پیغمبر کی انھوں نے سنیں مگر یہ میراث والی حدیث ہی نہیں سُنی۔ کیا پیغمبر نے جان کر علیؑ سے یہ حدیث چھپائی تھی۔ اپنے رازوں کے خزینہ دار، بلاؤں میں سینہ سپر، اپنے علم کے دروازے، اپنے حکمت کے در، اپنے امت کے سب سے بہتر منصف کو اس کی خبر ہی نہ کی۔

جناب عباس پیغمبر کے چچا جو ایک اکیلے بزرگ خاندان بچ رہے تھے کیا انھوں نے بھی پیغمبر کی یہ حدیث نہ سُنی۔ تمام بنی ہاشم جو ملجا و ماویٰ تھے پیغمبر کے کیا اُن میں سے بھی کسی شخص نے یہ حدیث نہ سُنی بعد وفات پیغمبر مطالبہ فاطمہ پر ابوبکر کی زبانی سننے کا اتفاق ہوا ـــــ ازواج پیغمبر امہات المومنین وہ بھی اس حدیث سے جاہل رہیں انھیں بھی معلوم نہ ہوا کہ پیغمبر اپنی میراث صدقہ قرار دے گئے ہیں ناواقفیت ہی کے بنا پر تو انھوں نے عثمان کو بھیجا تھا کہ جا کر ہمارا حصہ بھی مانگو۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صـ۸۳ کتاب سقیفہ و فدک ابوبکر جوہری)

کیا قیامت ہے کہ پیغمبر سے جتنے قریبی تعلق رکھنے والے افراد تھے سبھی اس حدیث سے ناواقف و لاعلم نکلے کسی ایک نے بھی ابوبکر کے بیان کرنے سے پہلے نہ سنا۔ کس طرح مان لیا جائے، کیونکر جائز سمجھا جائے کہ جسے میراث پانی تھی جس کا براہ راست تعلق تھا اس کو تو پیغمبر نے یہ حدیث سُنائی نہیں اور سنائی تو اسے جو کسی طرح پیغمبر کا وارث ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا پیغمبر یوں ہی اوٹ پٹانگ تبلیغ احکام الٰہی کیا کرتے تھے کہ جس کو بتانا چاہیے اس کو تو بتایا نہیں اور جس کو اُن احکام سے کوئی سروکار نہ ہو اس کو بتاتے پھریں۔

جناب سیدہ کا آخری جملہ جس نے لوگوں کی رگ غیرت و حمیت میں نشتر کا کام

...نا ام تقولون اہل ملتین لا یتوارثان یا تمہارا مطلب یہ ہے کہ دو ملتوں
...ہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے،، یہ فقرہ قیامت کا فقرہ تھا۔

...ب یہ کہ کلام مجید میں جتنی آیتیں میراث کے متعلق نازل ہوئیں سبھی عام ہیں
...سلہ کے ہر ہر فرد کو شامل ان میں کوئی تخصیص نہیں۔ اُن آیات کے احکام سے
...مستثنیٰ نہیں البتہ لے دے کے تمام آیات و احادیث میں صرف ایک استثنا
...ہے اور وہ یہ کہ دو مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے،
...مسلمان ہے اور بیٹا عیسائی تو بیٹا باپ کی میراث نہیں پا سکتا لہٰذا تم ہمیں جو
...باپ کی میراث سے محروم کر رہے ہو تو کیا اس بنا پر کہ معاذ اللہ میں اپنے باپ
...مذہب پر نہیں ہیں مسلمان نہیں کیا تم یہ کہنے کی جرأت رکھتے ہو کہ میں ملت اسلامیہ سے
...خارج ہوں؟

مختصر یہ کہ معصومہ کے مطالبہ میراث پدر پر ابو بکر نے یہ حدیث پیش کر کے معصومہ کو
...غیظ و غضب میں مبتلا کر دیا، یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے بیان کرنے والے
...اکیلے ابو بکر ہیں اُن کے عہد میں کسی بھی شخص نے اس حدیث کو پیغمبر کی زبان سے
...کا اقرار نہیں کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابو بکر کے ساتھ ساتھ مالک بن اوس بن
...ان نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر کے
...خلافت میں علی و عباس نے اپنا نزاعی مقدمہ عمر کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کیا
...وقت اُن کے پاس عثمان، عبدالرحمان بن عوف، زبیر، سعد بھی بیٹھے ہوئے
...(صحیح بخاری پارہ ۲۰ ص ۱۲۴) حضرت عمر نے ان حضرات سے مخاطب ہو کر کہا کہ
...آپ لوگ جانتے ہیں نا؟ کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا ہے لا نورث ما ترکنا ہ صدقہ
...ہم کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے" حضرت عمر کے یہ پوچھنے پر

...شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص ۹۱

مجمع میں ایک عجیب اضطرابی کیفیت دوڑ گئی، فرمانروائے وقت ایک بات کا اقرار لینا چاہتا ہے حاضرین کو دلی منشا بھی معلوم ہے سوا بجا! درست! کہنے کے چارہ کار ہی کیا تھا، زمانے کے رنگ کو دیکھتے ہوئے کوئی گنجائش ہی نہ تھی سوا اس اقرار کے کہ سرکار! حضرت ابوبکر بھی سچے تھے اور حضور بھی سچے ہیں، پیغمبر نے ایسا ہی فرمایا تھا۔

ابوبکر و عمر خلافت، مآب افراد تھے جو چاہیں کہیں، کس کو جان دوبھر تھی جو انھیں جھٹلاتا مگر یہ ابوہریرہ تو اس وقت کسی شمار و قطار میں نہ تھے، نہ تین میں تھے نہ تیرہ میں، ان کی باتوں پر تو کوئی کان بھی اس وقت دھرتا نہ تھا کوئی لائق اعتنا سمجھتا ہی نہ تھا، اپنی گفتار میں یہ متہم بھی تھے۔ ان بڑے بڑے صحابہ کی موجودگی میں ان کی مجال ہی نہ تھی کہ حدیث بیان کریں نہ ان کی اتنی بساط تھی کہ خلیفہ وقت کی نظریں جس سے برگشتہ تھیں اس کی طرفداری میں لب کشائی کر سکیں۔ اسی وجہ سے اس وقت ان کے ہونٹوں نے جنبش تک نہ کی۔ ہاں جب بڑے بڑے بزرگان صحابہ دنیا سے اٹھ گئے اور نئے نئے شہر مفتوح ہوئے شام و مصر، افریقہ، عراق، فارس و ہند وغیرہ اور وہاں کے باشندے مسلمان ہوئے اور مسلمان نئے دور میں داخل ہوئے تو اس وقت بنی امیہ نے ابوہریرہ کے نام کو اچھالنا شروع کیا ان کے فضل و شرف کے پروپاگنڈے کیے گئے اور اس طرح انھیں گوشۂ گمنامی سے نکال کر بام شہرت پر لا بٹھایا، اب دنیا ان کے قدموں میں تھی، موقع بہترین تھا جو چاہیں کہیں کس کے منھ میں زبان تھی جو انھیں جھٹلاتا۔ یہ جاہل عوام میں ایسی ایسی حدیثیں وضع کر کے بیان کرتے جس سے بنی امیہ کے دلوں میں ان کی محبت زیادہ ہو، وہ اور زیادہ ان پر مہربان ہوں۔ اس حدیث کو بھی ابوہریرہ نے حکام وقت کی خوشامد و چاپلوسی میں اختراع کیا کیونکہ اس سے جمہور مسلمین اور سواد اعظم کے محبوب خلیفہ کی تائید ہوتی تھی

(۲۱) ابوطالب کا کلمہ شہادتین جاری کرنے سے انکار کرنا

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں :-

قال رسول اللہ لعمہ ابوطالب قل لا الہ الا اللہ اشھد لک بھا یوم القیامۃ قال: لولا ان تعیرنی قریش یقولون انما حملہ علی ذالک الجزع لاقررت بھا عینیک فانزل اللہ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔

(صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۱)

پیغمبرؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا آپ لا الہ الا اللہ کہیں میں قیامت کے دن آپ کے ایمان کا گواہ بن جاؤں۔ ابوطالب نے کہا اگر قریش کے یہ کہنے کا ڈر نہ ہوتا کہ ابوطالب نے موت کی کشاکش میں کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا تو میں ضرور کلمہ توحید زبان پر جاری کرکے تمھاری آنکھیں خنک کرتا۔ اس پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی انک لا تھدی الخ اے پیغمبرؐ آپ جسے چاہیں اس کی ہدایت نہیں کرسکتے خدا جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔

دوسری جگہ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں :-

قال رسول اللہ لعمہ عند الموت: قل لا الہ الا اللہ اشھد لک بھا یوم القیامۃ فابی قال: فانزل اللہ تعالیٰ انک لا تھدی من احببت الخ

پیغمبرؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے اُن کے وقت مرگ فرمایا آپ لا الہ الا اللہ کہیں تاکہ میں بروز قیامت آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں تو ابوطالب نے انکار کیا اس پر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی انک لا تھدی الخ

جناب ابوطالب رحمہ اللہ نے بعثت پیغمبرؐ کے دسویں برس ہجرت سے تین برس پہلے مکہ میں انتقال کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعثت کے نویں برس انتقال کیا۔ بعض کا

خیال ہے کہ آٹھویں سال - بہر حال یہ طے شدہ ہے کہ بعثت کے جس سال میں بھی انھوں نے انتقال کیا ہو ابوہریرہ کے حجاز آنے کے دس برس پہلے یقیناً آپ کا انتقال ہوا - اب جائے انصاف ہے کہ جب ابوہریرہ کا وجود ہی نہ تھا ابوطالب کے مرنے کے دس برس بعد وہ مکہ میں وارد ہوئے تو ابوہریرہ کو کیسے معلوم کہ پیغمبرؐ نے ابوطالب سے کب کلمہ زبان پر جاری کرنے کو کہا اور کب انھوں نے انکار کیا۔ ابوطالب و پیغمبرؐ باہم گفتگو کر رہے تھے تو ابوہریرہ اس وقت موجود کب تھے جو انھوں نے بغیر کسی واسطے و حوالے کے اس نشست اور باہمی گفتگو کی روایت کر دی اور وہ بھی یوں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا چشم دید واقعہ تھا۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دونوں کو باتیں کرتے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا۔

یہ حدیث منجملہ انھیں احادیث کے ہے جو دشمنان آل ابوطالب کی خوشامد میں جعلیوں نے اختراع کیں اور اموی سلطنت نے خزانے لٹا دیے اس حدیث کے پروپاگنڈے میں۔ ہمارے علمائے اعلام نے بحث ایمان ابوطالب پر بڑی گراں قدر کتابیں لکھ ڈالی ہیں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا ہے جو حضرات اصل حقیقت سے واقف ہونا چاہیں وہ ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں[1]۔

(۲۲) دعوت عشیرہ

بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے ابوہریرہ بیان کرتے ہیں:۔

قال قام رسول اللہ حین انزل اللہ	جب خداوند عالم نے پیغمبرؐ پر آیہ انذار

[1] دفتر اصلاح کھجوا (بہار) نے حال میں حضرت امیر المومنینؑ کی عظیم الشان سوانح عمری شائع کی ہے۔ یہ سوانح عمری کئی جلدوں میں ہے اور ہر جلد تحقیقات کا گنج گراں مایہ ہے اس کی چوتھی جلد میں ایمان جناب ابوطالب پر بہت جامع بحث کی جا چکی ہے۔

علیہ وانذر عشیرتک الاقربین فقال: یامعاشر قریش لا اغنی عنکم من اللہ شیئا یا بنی عبد مناف لا اغنی عنکم من اللہ شیئا یاعباس لا اغنی عنک من اللہ شیئا یا صفیہ لا اغنی عنک من اللہ شیئا یا فاطمہ بنت محمد سلینی من مالی ما شئت لا اغنی عنک من اللہ شیئا۔

عشیرتک الاقربین (اے پیغمبر اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈرایئے) نازل کی تو رسالت مآب کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ اے قبیلہ قریش میں تمھیں خدا سے بچا نہیں سکتا۔ اے بنی عبد مناف میں تمھیں بھی خدا سے بچا نہیں سکتا اے چچا عباس میں آپ کو بھی خدا سے بچا نہیں سکتا۔ اے پھوپھی صفیہ میں آپ کو بھی خدا سے بچا نہیں سکتا۔ اے میری پارۂ جگر فاطمہ! تم میرے مال و اسباب سے جو چاہو مانگ لو مگر میں تمھیں خدا سے بچا نہیں سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت بعثت کے ابتدائی دنوں میں مکہ میں اسلام کے پھیلنے کے قبل نازل ہوئی تھی جبکہ ابوہریرہ یمن میں تھے وہ اس آیت کے نازل ہونے کے تقریباً ۲۰ برس بعد اسلام لائے اور حجاز میں پہنچے۔ ابوہریرہ نے ہوا کے رخ پر چلتے ہوئے اور اموی سیاست کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کہ علی و اہلبیت پیغمبر کی عداوت و مخالفت اموی سیاست کا مقصد اولین تھا، اس حدیث کی خوب مٹی پلید کی ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب آیہ وانذر نازل ہوا تو پیغمبرؐ نے اپنے اعزا و اقارب کو جمع کیا ان میں پیغمبرؐ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے۔ پیغمبر نے انھیں خدا کی طرف دعوت دی اس روز آپ نے اُن کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی اس میں یہ بھی کہا تھا:۔

فایکم یوازرنی علی امری ھذا علی ان یکون اخی ووزیری ووصیی ووارثی وخلیفتی فقال

تم میں کون ایسا ہے جو میرے کار نبوت میں میرا بوجھ بٹائے اور میرا بھائی، میرا وزیر، میرا وارث، میرا خلیفہ ہو۔ حضرت علی جو مجمع میں

علی و ھواذ ذاک اصغرھم انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ فاخذ رسول اللہ حینئذ برقبتہ فقال ان ھذا اخی ووزیری ووصیی ووارثی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوہ

سب سے کم سن تھے، انھوں نے کہا یا رسول اللہ میں آپ کا بوجھ بٹانے کے لیے تیار ہوں اس پر پیغمبرؐ نے اُن کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ یہ میرا بھائی ہے میرا وزیر ہے میرا وصی ہے میرا وارث ہے اور تم میں میرا جانشین ہے تم اس کی باتیں سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

ملاحظہ فرمائیے بات کیا تھی اور پیغمبرؐ کی تقریر کا اہم جزو کیا تھا اور ابوہریرہ نے کتر بیونت کر کے کیا بیان کر دیا حالانکہ ان کا وجود بھی اس وقت وہاں نہ تھا اس واقعہ کے ۲۰ برس بعد وہ مسلمان ہوئے اور یمن سے حجاز میں آئے۔

(۲۳) مسجد میں پیغمبرؐ کے سامنے حبشیوں کا ناچ

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال بینا الحبشۃ یلعبون فی المسجد عند النبی بحرابھم دخل عمر فاھوی الی حصی فحصبھم بھا فقال النبی دعھم یا عمر[۲]

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ اس اثنا میں کہ حبشی مسجد میں پیغمبرؐ کے پاس اپنے اسلحے کھیل کود رہے تھے حضرت عمر آ پہنچے انھوں نے جو حبشیوں کو اُچک پھاند کرتے دیکھا تو جھک کر ڈھیلے اٹھائے اور ان حبشیوں کو مارنا شروع کیا، پیغمبرؐ نے کہا اے عمر، جانے بھی دو۔

میں عرض کرتا ہوں کہ پیغمبرؐ کو لہو و لعب سے کیا نسبت، اور عبث افعال سے

---

[۱] یہ بہت مشہور حدیث ہے حدیث، تفسیر و تاریخ کی ہر کتاب میں موجود ہے [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۲۰ کتاب الجہاد والسیر باب اللہو بالحراب ۱۲

کیا تعلق ، پیغمبر حلال و حرام الٰہی کی جو مکمل معرفت رکھتے تھے وہ کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ کسی سمجھ میں کب یہ بات آسکتی ہے کہ پیغمبر جاہلوں کو اپنے سامنے کھیل تماشے کی اجازت دیں اور وہ بھی خانۂ خدا کے اندر، پیغمبر کے اوقات فالتو اوقات نہ تھے، آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دینی یا دنیوی مہمات کی انجام دہی میں بسر ہوتا تھا فضول وقت گذارنے کی نوبت کب آئی - پھر خداوند عالم کو کب گوارا ہو سکتی تھی یہ بات کہ مسجد میں بجائے عبادت، عبث افعال بجالائے جائیں فضولیات و مہملات سے مسجد بھری رہے - کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا (بات بڑی بات ہے جو ان کے لب و دہن سے نکل رہی ہے یہ تو جھوٹ ہی بکتے ہیں)

(۲۴) عمل کا وقت آنے سے پہلے حکم کا منسوخ ہو جانا

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے :-

قال بعثنا رسول اللہ فی بعث فقال ان وجدتم فلانا وفلانا فاحرقوھما بالنار (قال) ثم قال رسول اللہ لنا حین اردنا الخروج انی امرتکم ان تحرقوا فلانا وان النار لایعذب بھا الا اللہ تعالیٰ فان وجدتموھما فاقتلوھما - (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۱۴)	ابوہریرہ ناقل ہیں کہ پیغمبر نے ہمیں ایک مہم پر روانہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم فلاں اور فلاں کو پانا تو ان دونوں کو آگ میں جلا ڈالنا، پھر جب ہم روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا میں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ فلاں اور فلاں کو آگ میں جلا ڈالنا لیکن آگ کے ذریعہ خدا ہی جلا سکتا ہے لہٰذا تم اگر ان دونوں کو پاؤ تو جلانا نہیں بلکہ دونوں کو قتل کر ڈالنا -

میں کہتا ہوں یہ حدیث قطعاً باطل ہے کیونکہ کسی کام کا حکم دینا اور اس کام کے کرنے کا وقت آنے سے پہلے اس کام سے منع کر دینا نہ خدا کے لیے جائز ہے

نہ رسول کے لیے جائز دونوں کے لیے محال جیسا کہ طے شدہ مسئلہ ہے۔ لہذا پیغمبر نے جبکہ ارشاد فرمایا فلاں فلاں کو جلا دینا تو آپ نے اپنے جی سے نہیں کہا بلکہ وحی خدا کی ترجمانی کی وما ینطق عن الھوی الا وحی یوحی پیغمبر اپنے جی سے کوئی کلام کرتے ہی نہ تھے لہذا آپ نے جلانے کا جو حکم دیا تو گویا خدا نے حکم دیا اور جب خدا نے حکم دیا تو کیونکر ممکن ہے کہ عمل کا وقت آنے سے پہلے ہی حکم منسوخ کرے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خداوند عالم معاذ اللہ جاہل تھا ایک کام بے سوچے سمجھے کرنے کو کہہ دیا اور بعد میں جب کچھ خیال ہوا تو منع کر دیا۔

(۲۵) ایک کام کا اتنے مختصر وقت میں انجام دینا جتنے وقت میں اس کام کے کرنے کی گنجائش نہ ہو

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال خفف علی داود القران فکان یامر بدابته فتسرج فیقرا القران قبل ان تسرج۔ (صحیح بخاری پارہ ۲ ص۱۶۴ و پارہ ۳ ص۱۰۱)	ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ جناب داؤد کے لیے قرآن بہت سہل کر دیا گیا تھا، چنانچہ آپ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیتے اور قبل اس کے کہ زین کسی جائے آپ پورا قرآن پڑھ ڈالتے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث دو وجہوں سے محال و ناممکنات سے ہے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ قرآن حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ پر نازل ہوا آپ سے پہلے تھا ہی نہیں داؤد پڑھتے کیونکر۔ بعض لوگوں نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن سے مراد زبور و توریت ہے، ابوہریرہ نے زبور و توریت کو قرآن کی لفظ سے اس وجہ سے ذکر کیا کہ جس طرح قرآن علی سبیل الاعجاز نازل ہوا اسی طرح توریت و زبور بھی۔ لہذا قرآن سے مراد پڑھنے کی چیز ہے نہ کہ خاص کر یہ قرآن جو ہمارے پیغمبر پر نازل ہوا[1]

---

[1] جواب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۵ ص۰۰ میں مذکور ہے۔

گر یہ جواب غلط ہے کیونکہ ابوہریرہ کے فقرہ کی زبردستی کی تاویل ہے ابوہریرہ نے توریت و زبور مراد لی ہی نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زین کسنے کی مدت ہرگز اتنی گنجائش نہیں رکھتی کہ اسمیں پورا قرآن کوئی پڑھ جائے چاہے قرآن سے وہ قرآن مراد لیجیے جو ہمارے پیغمبر پر نازل ہوا یا توریت و زبور مراد لیجیے اور یہ طے شدہ ہے کہ اتنے کم وقت میں جس میں کسی کام کرنے کی گنجائش ہی نہ ہو اس کام کو انجام دینا قطعاً ناممکن ہے اس میں تو معمولی عقل والے کو بھی تامل نہ ہوگا۔

اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اس حدیث کی شرح میں جو عبارت آرائی کی ہے اس کی رکاکت خود ظاہر ہو جاتی ہے۔ ارشاد الساری میں وہ فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث ثبوت ہے اس کا[1] کہ خداوند عالم اپنے جس بندے کے لیے چاہتا ہے زمانے کو بھی اسی طرح سمیٹ دیتا ہے جس طرح مکان کو اس نے اکثر سمیٹا ہے"۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ نووی (شارح مسلم) کہتے تھے کہ بعض خدا کے خاص بندے رات بھر میں چار قرآن ختم کرتے تھے اور دن کو چار۔ اور میں نے ابوطاہر کو ۸۶۷ھ میں دیکھا اور ان کے متعلق سنا کہ وہ رات دن میں دس قرآن ختم کیا کرتے تھے بلکہ مجھ سے شیخ الاسلام برہان ابن ابی شریف نے بیان کیا کہ وہ ۱۵ قرآن رات دن میں ختم کیا کرتے تھے۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں یہ تو فیض ربانی ہے وہ جسے چاہے سرفراز کرے"۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قطعاً ممکن ہی نہیں۔ ہاں اگر اتنی بڑی دنیا کو ایک انڈے میں اس طرح سمو دینا ممکن ہو جائے کہ دنیا کی وسعت بھی باقی رہے اور انڈے کی تنگی بھی دور نہ ہو اور نہ انڈا بڑھے تو شاید علامہ قسطلانی کا خواب شرمندۂ تعبیر بھی ہو جائے۔

---

[1] ارشاد الساری جلد ۷ ص ۱۸۲ و جلد ۰ ص ۵۰۰

ارباب عقل جانتے ہیں کہ زمانے کا سمٹنا اور جگہ کا سمٹنا دونوں کی کوئی حقیقت نہیں نہ کبھی زمانہ سمٹا نہ مکان سمٹا اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ زمانہ بھی سمٹ سکتا ہے اور مکان بھی سمٹ سکتا ہے تو اس جگہ یہ کہنا کیونکر ممکن ہے کہ زمانہ ہی سمٹا، زمانے کے سمٹنے سے شکلیں اور بڑھ جائیں گی، بڑی پیچیدگی پیدا ہو جائے گی۔ ہاں اگر یہ کہیے کہ کلام سمٹ گیا، قرآن ہی اتنا سکڑ سمٹ گیا کہ رات بھر میں دس قرآن ختم ہو گئے تو آپ کے مقصد کے شاید زیادہ موافق ہو اگرچہ یہ بھی قطعاً باطل ہے کلام کا سمٹنا بھی ممکن نہیں۔

یہ کہنا بھی حماقت ہوگا کہ جناب داؤد کا یہ فعل آپ کا معجزہ تھا اس لیے کہ انبیا کے معجزات خارق عادت ہوا کرتے ہیں مگر یہ تو خارق عقل ہے عقل کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔

(۲۶) ایک کنیز جو چوہا بن گئی

بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال فقدت امة من بنی اسرائیل لا یدری ما فعلت وانی لا اراها الا الفار اذا وضع لها البان الابل لم تشرب واذا وضع لها البان الشاء شربت. (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۲۹ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۵۳۶)	ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی ایک کنیز کھو گئی پتہ نہیں وہ کیا ہو گئی، میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ وہ چوہا بن گئی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ چوہے کو اونٹ کا دودھ دیا جائے تو نہیں پیتا اور بکری کا دودھ دیا جائے تو فوراً پی جائے۔

اس بیہودگی و یادہ گوئی کی کوئی انتہا ہے؟ کوئی پاگل بھی اس ڈکا کت پر توجہ دے سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بخاری و مسلم ابوہریرہ جیسے فاسد العقل بکواسی انسان پر پردہ ڈالتے اور ان کی مجذوبانہ بڑ پر بھی اپنا سر دھنتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے ابوہریرہ کے دعوے کو اور اس کی دلیل کو۔ دعویٰ کرتے ہیں کہ کنیز گم ہو گئی اور میرا خیال ہے کہ

پا ان گئی اور دلیل دیتے کہ چوہا اونٹ کا دودھ نہیں پیتا بکری کا پیتا ہے۔ اے سبحان اللہ

اگر ابوہریرہ اسلام کے دامن کو داغدار کردینے والے نہ ہوتے تو ہم اُن کی باتوں کو خاطر

میں نہ لاتے لیکن مقدس و پاکیزہ شریعت اسلام پر جو بھی لب کشائی و تہمت تراشی

کرے ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ اپنی پوری طاقت سے اس کی مدافعت کرے ——————

نہیں بیہودگیوں اور یاوہ گوئیوں سے اسلام پر سب سے زیادہ مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔

(۲۱) ابوہریرہ کو لوگوں نے جھٹلایا تو انھوں نے عذر پیش کیا کہ ہم نے فضل سے سنا تھا

امام مسلم نے عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمن بن ابی بکر کے واسطہ سے روایت

کی ہے وہ کہتے ہیں :۔

سمعت ابا هریرة يقص فی قصصه من ادركه الفجر جنبا فلا يصم : فذكرت ذالك لعبد الرحمان بن الحرث لابيه فانكر ذالك فانطلق عبد الرحمان وانطلقت معه حتى دخلنا على عائشة وام سلمة فسالهما

میں نے ابوہریرہ کو کہتے سُنا وہ اپنے افسانوں[1] کے سلسلہ میں یہ بھی کہتے تھے کہ جو شخص حالت جنب میں صبح کرے تو پھر وہ روزہ نہ رکھے۔ میں نے اپنے باپ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے سختی سے تردید کی، ہم دونوں اُٹھے اور جناب عائشہ اور ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے پوچھا دونوں نے کہا پیغمبر خود حالت جنابت[2] میں صبح کرتے تھے

---

[1] اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالملک جنھوں نے ابوہریرہ کی یہ حدیث روایت کی ہے ابوہریرہ کو کہاں تک سمجھتے ہیں یعنی تو انھیں فسانہ گو بنایا اور فسانہ گو اسی کو کہتے ہیں جو لوگوں کو قصے کہانیاں گھڑ کر سنائے اور ان سے پیسے وصول کرے۔ اکثر فسانہ گو یاوہ گو ہوتے ہیں [2] ہمارے پیغمبر اجل و ارفع اور اولٰی ہیں ایسی باتوں سے کہ پیغمبر حالت جنب میں صبح کریں اور پھر روزے کے دنوں میں بھی؟

عبد الرحمان عن ذالك قال!
فكلتاهما قالت كان النبي يصبح
جنبا من غير حلم ثم يصوم قال
فانطلقنا حتى دخلنا على مروان
وهو والى المدينة من قبل معاويه
فذكر ذالك له عبد الرحمان فقال
مروان عزمت عليك الاما ذهبت
الى ابى هريرة فرددت عليه
ما يقول قال فجئنا ابا هريرة
فذكر عبد الرحمان له ذالك!
فقال ابوهريرة اهما قالتا لك؟
قال نعم قال هما اعلم۔ ثم
رد ابوهريرة ما كان يقول فى
ذالك الى الفضل بن عباس فقال
سمعت ذالك من الفضل ولم اسمعه
من النبى قال فرجع ابوهريرة
عما كان يقول [۱]

پھر روزہ بھی رکھتے تھے۔ ہم لوگ وہاں سے
اٹھ کر مروان کے پاس آئے جو ان دنوں معاویہ
کی طرف سے حاکم مدینہ تھا اس سے اس واقعہ کا
ذکر کیا کہ ابوہریرہ یہ کہتے ہیں اور عائشہ اور ام سلمہ
یہ فرماتی ہیں مروان [۱] نے کہا میں تمھیں حکم دیتا ہوں
کہ تم ابھی ابوہریرہ کے پاس جاؤ اور اُن کے
قول کی تردید کرو چنانچہ ہم لوگ ابوہریرہ کے
پاس آئے اور ماجرا بیان کیا ابوہریرہ نے پوچھا
کیا جناب ام سلمہ و عائشہ نے واقعاً تم لوگوں سے
یہ بات کہی؟ ہم نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا تو وہ
دونوں یقیناً زیادہ علم والی ہیں پھر ابوہریرہ نے
اپنی بات کو فضل بن عباس کے سر منڈھ دیا۔
انھوں نے کہا کہ میں نے یہ فضل سے سنا تھا
پیغمبر سے نہیں۔ پھر ابوہریرہ اپنے قول سے
پلٹ گئے اور وہ بھی یہی کہنے لگے کہ بحالت جنب
صبح کرنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

---

[۱] مروان نے درحقیقت ابوہریرہ ہی کی خیر خواہی کی ان دونوں آدمیوں کو ابوہریرہ کے پاس بھیج دیا تاکہ ابوہریرہ کو اپنی غلطی معلوم ہو جائے اور قبل اس کے کہ یہ خبر پھیلے لوگوں کو اُن کے غلط فتوی اور پیغمبر پر اتہام باندھنے کا علم ہو یہ اپنے فتوے سے باز آ جائیں اور ذلت و رسوائی سے بچ جائیں۔ [۲] صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۴۱۲ کتاب الصوم

میں کہتا ہوں کہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ فضل بن عباس ابوبکر کے زمانہ ہی میں[1] وفات پا چکے تھے اور یہ قصہ معاویہ[2] ہی زمانہ کا ہے اسی وجہ سے ابوہریرہ نے موقع کو غنیمت سمجھا اور غریب فضل کے سر سارا الزام تھوپ دیا اگر فضل زندہ ہوتے تو ابوہریرہ کی مجال نہ ہوتی۔

(۲۸) دو متناقض حدیثیں

بخاری نے بطریق ابوسلمہ ابوہریرہ سے روایت کی وہ ناقل ہیں کہ پیغمبر نے فرمایا[3]

لاعدوی ولاصفر[4] ولاھامہ[5] — چھوت چھات نہیں نہ ماہ صفر کی منحوسیت کی

قال فقال اعرابی یا رسول اللہ — کوئی حقیقت ہے نہ اُلو غریب کا کوئی قصور

فما بال الابل تکون فی الرمل — ہے۔ اس پر ایک اعرابی نے سوال کیا حضور

کانہا انظباء فیخالطہا البعیر — اگر چھوت کی کوئی حقیقت نہیں تو کیا وجہ ہے کہ

---

[1] یہی صحیح بھی ہے بعض کہتے ہیں کہ عہد خلافت عمر میں مرے بہرحال دونوں صورتوں میں فضل اس واقعہ کے قبل یقیناً وفات پا چکے تھے اس پر تمام اہل سیر و تواریخ کا اتفاق و اجماع ہے۔ دیکھیے استیعاب اصابہ، طبقات، اسدالغابہ وغیرہ حالات فضل بن عباس

[2] جبکہ منجانب معاویہ مروان حاکم مدینہ تھا جیسا کہ خود حدیث کی صریحی لفظیں ہیں۔

[3] صحیح بخاری پارہ ۲۴ صفحہ ۱۵ آخر کتاب الطب صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵

[4] بعض لوگ وہم کرتے ہیں کہ ماہ صفر یا ماہ صفر کا آخری چہارشنبہ آفتوں کا دن ہے غالباً اسی وہم کو دور کیا گیا ہے

[5] ھامہ ایک پرندہ ہے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ مرنے والے کی روح بعض کہتے ہیں کہ اس کی ہڈیاں ہامہ پرندہ بن جایا کرتی ہیں۔ اسلام نے اس واہیات عقیدے کو زائل کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے اس حدیث میں ہامہ سے مراد اُلو ہے جسے لوگ منحوس سمجھتے ہیں اسی وہم کو دور کیا گیا ہے۔

الا جوب فیجربها فقال رسول الله فمن اعدی الاول؟

ایک اونٹ بھلا چنگا ہوتا ہے پھر اس کے پاس ایک خارش زدہ اونٹ آجاتا ہے اس کی وجہ سے وہ اچھا اونٹ بھی خارش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا تو پھر اس خارش زدہ کو خارش کہاں سے ملی۔

امام بخاری نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فوراً ہی انھیں ابوسلمہ کے واسطے سے دوسری حدیث روایت کی ہے یہ حدیث بھی انھوں نے ابوہریرہ ہی سے سُنی۔

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں :۔

قال النبیؐ لا یوردن ممرض علی مصح فقال ابوسلمه یا اباھریرہ الم تحدث انه لا عدوی قال فانکر حدیثه الاول ورطن بالحبشیة۔

پیغمبرؐ نے فرمایا بیمار کو تندرست کے پاس نہ لایا جائے (کیونکہ اس سے تندرست بھی بیمار پڑ جائے گا) ابوسلمہ نے کہا اے ابوہریرہ تم پہلے یہ حدیث نہیں بیان کر چکے ہو کہ چھوت چھات کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس اعتراض پر ابوہریرہ بوکھلا گئے، پہلی حدیث کا صاف انکار کر گئے اور لگے ہکلا کر باتیں کرنے۔

میں اس سے زیادہ اور کیا کہوں کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔

(۲۹) دو شیر خوار جو غیب کی خبریں بتاتے تھے

بخاری[1] و مسلم نے ابوہریرہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں ابوہریرہ نے یہ بھی بیان کیا ہے :۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۶۷ کتاب بدء الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم اج ا ص ۱۴۳ و ج ۲ ص ۱۸۴ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۷ کتاب البر والصلۃ والآداب

کان فی بنی اسرائیل رجل
یقال له جریج کان یصلی فجاءته
امه فدعته فقال اجیبها
او اصلی؟ فقال امه اللّٰهم
لاتمته حتی تریه وجوه المومسات
(قال وکان جریج فی صومعته)
فتعرضت له امراۃ فابی فاتت
راعیا فامکنته من نفسها
فولدت غلاما فقالت من
جریج فاتوه فکسروا صومعته
وانزلوه وسبوه فتوضا وصلی
ثم اتی الغلام فقال من
ابوک یا غلام فقال (الغلام
ان ابی لهو) الراعی! قالوا
نبنی صومعتک من ذھب
قال لا الا من طین (قال
ابو هریرہ) وکانت امراۃ
ترضع ابنا لها من بنی اسرائیل
فمر بها رجل راکب ذوشارۃ
فقالت اللّٰهم اجعل ابنی

بنی اسرائیل میں ایک شخص جریج نامی تھا وہ نماز
پڑھ رہا تھا کہ اس کی ماں پکارتی ہوئی آئی جریج
نے دل میں کہا کہ میں ماں کے پکارنے پہ جاؤں
یا نماز پڑھوں۔ اس کی ماں نے بد دعا کی کہ خداوندا
اس کو تو اُس وقت تک دنیا سے نہ اُٹھانا جب تک تو
اسے بازاری عورتوں کا سامنا نہ کرادے۔ ابوہریرہ کہتے
ہیں کہ جریج اپنے صومعہ (عبادت خانہ) میں تھا
کہ ایک عورت اس کے پاس بُری نیت سے آئی مگر
جریج نے اسے ٹھکرا دیا وہاں سے وہ ایک چرواہے
کے پاس گئی اور اُس سے مُنہ کالا کرایا اس سے
ایک بچہ پیدا ہوا، لوگوں سے اس عورت نے
یہ کہا کہ یہ بچہ جریج کے نطفہ سے ہے۔ اس پر
لوگ جریج پر ٹوٹ پڑے اس کا صومعہ ڈھا دیا
اسے نکال باہر کیا خوب گالیاں دیں۔ جریج نے
وضو کیا[1]، نماز پڑھی پھر اس بچے کے پاس آیا
اور کہا لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس لڑکے نے
کہا میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ جن لوگوں نے
جریج کا صومعہ ڈھا دیا تھا وہ بہت نادم ہوئے
اور انھوں نے کہا کہ ہم تمھارا صومعہ سونے سے
بنا دیں گے۔ جریج نے کہا، نہیں، بنے گا تو مٹی ہی کا

---

[1] ابوہریرہ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اسلام سے پہلے وضو تھا ہی نہیں۔

مثله فترك ثديها واقبل على الراكب فقال: اللهم لا تجعلني مثله ثم اقبل على ثديها يمص قال (ابوهريرة) كاني انظر الى النبي ص يمص اصبعه! ثم مرت ام الغلام بامة فقالت اللهم لا تجعل ابني مثل هذه فترك الغلام ثدي امه فقال اللهم اجعلني مثلها! فقالت له امه لم ذاك؟ فقال لها الراكب جبار من الجبابرة وهذه الامة يقول لها الناس سرقت و زنيت ولم تفعل۔

پینے لگا۔ پھر ابوہریرہ نے بیان کیا کہ ایک عورت اپنے بچے کو جو بنی اسرائیل سے تھا دودھ پلا رہی تھی کہ ایک شان و شوکت والا شخص گھوڑے پر سوار ادھر سے گذرا، اس عورت نے کہا خداوندا میرے اس بچے کو بھی اسی جیسا بنانا، اس پر بچے نے ماں کا پستان چھوڑ دیا اور اس سوار کی طرف منہ کر کے کہا خداوندا تو مجھے اس شخص جیسا نہ بنانا پھر پستان ماں کا منہ میں لے کر دودھ پینے لگا۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جیسے یہ منظر اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ پیغمبر اپنی انگلیاں چوس رہے ہیں۔ پھر اس بچے کی ماں کا گذر ایک کنیز کے پاس سے ہوا اس نے کہا خداوندا میرے اس بچے کو اس کنیز جیسا نہ بنانا بچے نے پھر ماں کے سینے سے منہ ہٹا لیا اور کہا خداوندا مجھے تو اس کنیز ہی جیسا بنانا۔ اس پر ماں نے پوچھا یہ کیوں؟ اس بچے نے جواب دیا اس لیے کہ وہ گھوڑے کا سوار جابروں میں سے ایک جابر انسان ہے اور یہ کنیز اس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ اس نے چوری کی، زنا کیا، حالانکہ غریب بالکل بے قصور ہے اس نے نہ چوری کی نہ زنا کیا۔

میں کہتا ہوں کہ جریج نبی نہ تھا۔ اسی طرح یہ دونوں بچے بھی آئندہ چل کر نبی نہ ہوئے لہذا ان کے ذریعہ خارق عادت افعال کا ظہور ناممکن ہے کیونکہ

خارق عادت افعال انبیائے کرام سے ظہور میں آتے ہیں وہ بھی اس وقت جب
بیا کو اپنی نبوت کا ثبوت پیش کرنا ہوتا ہے اور دوسروں کو عاجز و بے بس ثابت
کرنا ہوتا ہے جیسا کہ طے شدہ ہے۔ ان دونوں شیر خواروں کا بولنا اور ان کا
غیب کی خبریں بتانا فطرت انسانی کے بالکل خلاف ہے وہ فطرت انسانی
جس پر خداوند عالم نے تمام لوگوں کو پیدا کیا فطرۃ اللہ التی فطر الناس
علیھا لا تبدیل لخلق اللہ۔

(۳۰) پیغمبر کا زکاۃ فطرہ کی حفاظت پر انھیں معیّن کرنا اور شیطان کا متواتر تین راتیں اُن کے پاس آنا زکوۃ کی رقم چرانے کیلئے

امام بخاری نے بسلسلہ اسناد ابو ہریرہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

وکلنی رسول اللہ ص بحفظ
زکاۃ رمضان فاتانی آت
فجعل یحثو من الطعام فاخذتہ
فقلت واللہ لارفعنک الی
رسول اللہ قال انی محتاج
وعلی عیال ولی حاجۃ شدیدۃ
قال فخلیت عنہ فاصبحت
فقال النبیؐ یا ابا ھریرہ
ما فعل اسیرک البارحۃ؟
فقلت یا رسول اللہ شکا حاجۃ
شدیدۃ وعیالا فرحمتہ

پیغمبر نے مجھے زکوۃ رمضان کی حفاظت پر مقرر
کیا۔ رات کے وقت ایک آنے والا آیا اور غلہ سمیٹنے
لگا۔ میں نے اسے پکڑا اور قسم خدا کی کھائی کہ میں تجھے
پیغمبر کے پاس ضرور پکڑ کر لے چلوں گا اس شخص نے کہا
میں بے حد نادار ہوں، میرے عیال بھی ہیں اور مجھے
شدید احتیاج لاحق تھی اس پر میں نے اسے چھوڑ دیا۔
صبح کو پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا، پیغمبرؐ نے پوچھا
ابو ہریرہ رات کا تمھارا قیدی کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا
یا رسول اللہ اس نے اپنی شدید ناداری اور عیال
کی تکلیف ظاہر کی مجھے ترس آ گیا اور میں نے اسے
چھوڑ دیا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا اس نے تمھیں دھوکا دیا

فخلیت سبیله قال اما انه قد
کذبك وسیعود قال فرصدته
فجاء یحثو من الطعام فاخذته
فقلت لارفعنك الی رسول الله
قال دعنی فانی محتاج وعلی
عیال لا اعود فرحمته فخلیت
سبیله فاصبحت، فقال لی رسول الله
یا ابوهریره ما فعل اسیرك البارحة
قلت یا رسول الله شکا حاجة شدیدة
وعیالا فرحمته فخلیت سبیله قال
اما انه قد کذبك وسیعود قال
فرصدته الثالثة فجاء یحثو من
الطعام فاخذته فقلت
لارفعنك الی رسول الله
قال دعنی اعلمك کلمات
ینفعك الله بها اذا اویت
الی فراشك فاقرأ آیة الکرسی
فانك لن یزال علیك
من الله حافظ ولا یقربنك
شیطان حتی تصبح
فخلیت سبیله فلما

وہ جلد ہی پھر تمھارے پاس آئے گا ابوہریرہ
کہتے ہیں کہ میں تاک میں رہا چنانچہ واقعاً وہ آیا
اور پھر غلہ اُٹھانے لگا میں نے پھر پکڑا اور کہا میں
تجھے پیغمبرؐ کے پاس لے کر چلوں گا۔ اس نے کہا
مجھے معاف کر دو میں بڑا ضرورتمند ہوں، میرے
عیال بھی ہیں اب میں پھر نہ آؤں گا۔ میں نے اس پر
پھر رحم کھایا اور اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی پیغمبرؐ نے
مجھ سے پوچھا ابوہریرہ گذشتہ رات تمھارے
قیدی نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا حضور اس نے
پھر شدید ناداری اور عیال کی تکلیف کا اظہار کیا
اور مجھے ترس آ گیا میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پیغمبرؐ نے
فرمایا اس نے پھر تمھیں دھوکا دیا وہ اب بھی
تمھارے پاس آئے گا چنانچہ میں پھر تاک میں لگا رہا
اور وہ تیسری مرتبہ آکر پھر غلہ اٹھانے لگا۔ میں نے
اسے پکڑا اور کہا تجھے رسول کے پاس لے چلوں گا
اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تمھیں ایسے کلمات تعلیم
کر دیتا ہوں جس سے خداوند عالم تمھیں بے شمار
فائدہ بخشے گا۔ جب تم بستر خواب پر جانے لگو تو
آیۃ الکرسی پڑھ لو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خداوند عالم
کی جانب سے ہمیشہ تمھارا ایک نگہبان رہے گا
اور شیطان تمھارے پاس صبح تک نہ پھٹکے گا۔ میں نے

اصبحت قال لی رسول اللہ! ما فعل اسیرك البارحة فحکیت له القصة فقال اتعلم من تخاطب منذ ثلث لیال یا اباھریرۃ قلت لا قال ذالك شیطان[1]

اسے چھوڑ دیا جب صبح ہوئی تو مجھ سے پیغمبر نے پوچھا کل شب تمھارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے پورا قصہ سنایا۔ پیغمبرؐ نے پوچھا جانتے ہو تم نے تین راتیں کس سے باتیں کیں؟ میں نے عرض کیا، نہیں۔ پیغمبر نے فرمایا وہ شیطان تھا۔

میں کہتا ہوں یہ ایسی مہمل و بیہودہ بکواس ہے جس پر کوئی سڑی اور دیوانہ ہی کان دھرے گا۔ ابوہریرہ نے اس حدیث کو بیان کرنے میں وہ زبردست قلابازی کھائی ہے کہ گہری خندق میں جا گرے کیونکہ انھوں نے بیان کیا مجھے چور پر ترس آگیا اور ترس جبھی آیا ہوگا جب چور کو انھوں نے سچا سمجھا ہوگا اور جب چور کو سچا سمجھا ہوگا تو یقیناً پیغمبرؐ کو جھوٹا جانا ہوگا کیونکہ ایک مرتبہ نہیں تین مرتبہ پیغمبر نے کہا "اس نے جھوٹ کہا، اس نے تمھیں دھوکا دیا" مگر ابوہریرہ نے ہر مرتبہ ترس کھا کر اُسے چھوڑ دیا اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ چور نے جب اپنی ناداری اور عیال کی تکلیف بیان کی تو انھوں نے اسے سچا سمجھا اسی پر تینوں مرتبہ ترس کھا گئے اور پیغمبرؐ کو جھوٹا جانا کہ ہر مرتبہ چھوڑ دیا۔

ابوہریرہ نے اس حدیث میں دوسری ٹھوکر یہ کھائی ہے کہ انھوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں تجھے رسول کے پاس لے جا کر رہوں گا مگر قسم توڑ دی اور پیغمبر کے پاس لے کر نہیں گئے بلکہ اسے چھوڑ دیا اور پہلی مرتبہ دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ ترس کھا کھا گئے — کیا قسم توڑنا اور وہ بھی خدا کی قسم ابوہریرہ کے رائے میں جائز و مباح تھا۔ تیسری زبردست

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۹ ۱۲ [2] جیسا کہ خود ابوہریرہ کی لفظیں اسی حدیث میں ہیں وکلنی رسول اللہ بحفظ زکاۃ الرمضان پیغمبر نے مجھے زکوٰۃ رمضان کی حفاظت سپرد کی۔ علمائے اہلسنت نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ ابوہریرہ کے ذمہ حفاظت ہی بس تھی دینا دلانا نہیں دیکھیے ارشاد الساری جلد ۵ ص ۲۳۱

پہنچنی یہ کھائی کہ ابوہریرہ تقسیم کے محافظ نہیں مقرر ہوے تھے بلکہ بنا بر ان کے دعوے کے زکاۃ کی حفاظت انھیں سپرد کی گئی تھی اور وہ بھی زکاۃ فطرہ لہذا ابوہریرہ نے چور کو اس میں چرانے کیسے دیا؟ اگر کوئی شخص کسی چیز کا محافظ قرار دیا جائے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اس کی حفاظت میں ایک مرتبہ نہیں پے در پے لاپروائی برتے کیا امانت میں خیانت کا مصداق نہیں۔ ابوہریرہ اپنے شیاطین کے متعلق نادر نادر حدیثیں ہم سے بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ اُن کی سبھی باتیں نرالی ہوتی ہیں مگر شیطانوں کے متعلق تو عجیب و غریب چیزیں ہمیں سناتے ہیں کبھی یہ کہا کہ شیاطین غلہ اپنے عیال کے واسطے چُراتے ہیں۔ کبھی یہ بیان کیا کہ شیاطین جب اذان سنتے ہیں تو ضرطہ کرتے ہیں۔ کبھی یہ کہا کہ وہ مسجد کے ستون سے اس طرح سے باندھ دیے جاتے ہیں کہ لوگ انھیں بندھا ہوا دیکھیں۔ اسی طرح کی اور بہت سی مزخرفات و فضولیات جنھیں کوئی بھی عقل والا کبھی سچ نہ جانے۔

(۳۱) پیغمبرؐ کی دعا سے مادرِ ابوہریرہ کا مسلمان ہونا اور پیغمبرؐ کا دعا فرمانا کہ خداوندا ابوہریرہ اور ان کی ماں کی محبت مومنین کے دلوں میں پیدا کر اور مومنین کی محبت ان دونوں کے دل میں

مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال کنت ادعوا امی الی الاسلام وھی مشرکۃ فدعوتھا یوما فاسمعتنی فی رسول اللہ ما اکرہ فاتیت رسول اللہ و انا ابکی قلت یا رسول اللہ اسمعتنی	ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی ماں کو جو مشرک تھیں اسلام کی طرف دعوت دیا کرتا۔ ایک دن میں نے پھر انھیں اسلام کی دعوت دی، اس پر میری ماں نے پیغمبرؐ کو سخت و سست الفاظ کہے جو مجھے بہت ناگوار گذرے۔ میں رسول کی خدمت میں

امی فیك ما اکرہ فادع اللہ ان
یھدیھا فقال اللھم اھد
ام ابی ھریرہ فخرجت مستبشرا
فلما بلغت الباب فاذا ھو
مجاف فسمعت امی وطأ قدامی
فقالت مکانك یا ابا ھریرہ و
سمعت خضخضۃ الماء فاغتسلت
ولبست درعھا وعجلت عن
خمارھا ففتحت الباب ثم
قالت یا ابا ھریرہ اشھد ان
لا الہ الا اللہ واشھد ان
محمدا عبدہ ورسولہ
قال فرجعت الی رسول اللہ
وانا ابکی من الفرح فقلت
یا رسول اللہ البشر قد
استجاب اللہ دعوتك فھدی
ام ابی ھریرہ فحمد اللہ واثنی
علیہ وقال خیرا قال
قلت یا رسول اللہ ادع اللہ
ان یحببنی انا وامی الی
عبادہ المومنین ویحببھم

روتا ہوا آیا اور عرض کی یا رسول اللہ میری
ماں نے آپ کے متعلق بڑی سخت وسست باتیں
مجھے سنائیں آپ خدا سے دعا کیجیے کہ خداوند عالم
میری ماں کی ہدایت کرے۔ آپ نے دعا فرمائی کہ
خداوندا ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے،، میں
خوش خوش پیغمبر کے پاس سے گھر کو روانہ ہوا جب
میں دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ خلاف معمول وہ بند ہے
میری ماں نے میرے پاؤں کی چاپ سُنی تو کہا
ابو ہریرہ ٹھہرے رہو۔ میں نے پانی گرنے کی آواز
سُنی، میری ماں اصل میں نہا رہی تھیں جب وہ
نہا چکیں تو لباس پہنا، اوڑھنی سر پر ڈالی پھر
دروازہ کھولا اور کہا اے ابو ہریرہ اشھد ان
لا الہ الا اللہ اشھد ان محمد عبدہ ورسولہ
ابو ہریرہ کہتے ہیں میں یہ سُن کر پھر رسول اللہ کی
خدمت میں حاضر ہوا اور مارے خوشی کے میری
آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے عرض کی
یا رسول اللہ مبارک ہو خداوند عالم نے آپ کی دعا
قبول فرمائی اور میری ماں کی ہدایت فرمائی۔
آں حضرت حمد و ثنائے الٰہی بجالائے اور کلمات خیر
فرمائے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر سے
درخواست کی کہ آپ خدا سے دعا فرمائیں کہ

الينا قال: فقال رسول الله اللهم حبب عبيدك هذا وامه الى عبادك المومنين وحبب اليهم المومنين فما خلق مومن يسمع بي ولا يراني الا احبني[1]

بندگان مومنین کے دلوں میں میری اور میری ماں کی محبت پیدا ہو اور مومنین کی محبت ہم لوگوں کے دل میں - اس پر آں حضرتؐ نے دعا فرمائی خداوندا اپنے اس بندے (ابوہریرہ) اور ان کی ماں کو اپنے بندگان مومنین کا محبوب بنا اور مومنین کو ان دونوں ماں بیٹوں کا محبوب قرار دے کیونکہ جو ایمان والا بھی بغیر مجھے دیکھے میری باتیں سُنے گا وہ یقیناً مجھے محبوب رکھے گا۔

اس حدیث پر ہمیں کئی اعتراضات ہیں -

پہلا تو یہ کہ اس حدیث کو سوا ابوہریرہ کے کسی بھی دوسرے نے بیان نہیں کیا لہٰذا جس طرح اور بہت سی عجوبہ روزگار حدیثیں ابوہریرہ نے بیان کیں جن کا راوی سوا ابوہریرہ کے کوئی نہیں اسی طرح یہ حدیث بھی انھیں نوادر سے ہے -

دوسرا اعتراض یہ کہ جب مادر ابوہریرہ اتنی پکّی مشرکہ تھیں کہ اسلام کا نام سننے پر چراغ پا ہو جاتیں پیغمبر کو گالیاں تک دینے میں جھجکتی نہ تھیں تو آخر یہ یمن سے ہجرت کرکے مدینہ آئی تھیں کس لالچ میں یمن جو اُن کا وطن تھا جہاں اُن کے عزیز اقارب تھے اسے کیوں چھوڑ کر ابوہریرہ کے ساتھ مدینہ آرہیں جو مرکز تھا پیغمبر کا وہ کیوں نہیں وطن ہی میں بت پرستی میں مشغول رہیں جیسا کہ اس زمانے میں یمن کے اکثر لوگ حالت شرک میں تھے اسلام پوری طرح وہاں پھیلا نہیں تھا کیا وجہ بتائی جا سکتی ہے اُن کے مدینہ آنے کی کیوں آئیں، کس لالچ میں آئیں - مادر ابوہریرہ کے متعلق اور بھی کوئی حدیث اس

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ باب فضائل ابی ہریرہ - مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۹، طبقات ابن سعد قسم ثانی جلد رابع صفحہ ۵۴ - اصابہ بسلسلہ حالات امیمہ مادر ابی ہریرہ و حالات ابوہریرہ - جمع بین الصحیحین و الجمع بین الصحاح الخ

حدیث کے علاوہ ہے؟ ابوہریرہ کے سوا کسی دوسرے نے بھی اُن کی ماں کا کسی حدیث میں ذکر کیا ہے۔ اگر سوا ابوہریرہ کے کسی بھی شخص نے مادر ابوہریرہ کے متعلق کوئی بات بتائی ہو تو ہمیں بتایا جائے۔ خدا شاہد ہے کہ پیغمبر کے ہزاروں ہزار صحابی تھے مگر کسی صحابی نے بھی کبھی مادر ابوہریرہ کا نام تک زبان پر نہیں لیا ہاں تاریخ میں صرف ایک شخص کا نام ملتا ہے جو ابوہریرہ کی ماں کا نام زبان پر لایا اور وہ حضرت عمر ہیں جب انھوں نے ابوہریرہ کو بحرین کی حکومت سے معزول کیا تو انھوں نے ابوہریرہ کو گالی دے کر کہا کہ تمھاری ماں امیمہ نے تمھیں (پائخانہ کے راستہ سے) اسی لیے جنا ہے کہ تم گدھے ہی چراتے رہو۔ لے دے کے بس ایک حضرت عمر مادر ابوہریرہ کا نام لینے والے ملتے ہیں لیکن حضرت عمر کے اس جملہ سے اتنا تو البتہ معلوم ہوا کہ ان کی ماں کا نام امیمہ تھا اور اس کے علاوہ کچھ خاک نہیں معلوم ہوتا ـــ رہ گئے مورخین و ارباب سیر جنھوں نے صحابہ کے حالات لکھے ہیں انھوں نے مادر ابوہریرہ کا جو کچھ بھی حال لکھا بس فقط ابوہریرہ کی زبانی انھیں کا بیان اور کسی دوسرے کے حوالے سے ایک لفظ بھی نہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ابوہریرہ مساکین صفہ میں سب سے زیادہ خستہ حال اور نادار شخص تھے، راستے میں بیٹھ کر بھیک ملنے کے منتظر رہتے جیسا کہ شروع میں ہم ان کے حالات کے سلسلہ میں ذکر کر چکے ہیں وہیں آپ سے ابوہریرہ کا یہ فقرہ بھی ملاحظہ کر چکے ہیں رایتنی وانی لاخر فیما بین منبر رسول اللہ الی حجرۃ عائشۃ مغشیا علیہ میں اپنے کو دیکھتا تھا کہ میں منبر رسولؐ اور حجرہ عائشہ کے درمیان غش میں اوندھے منہ پڑا رہتا تھا آنے والے آتے اور اپنا پیر میری گردن پر رکھ کر گذر جاتے لوگ خیال کرتے کہ میں دیوانہ ہوں حالانکہ مجھ میں کچھ بھی دیوانگی نہیں تھی میں تو فقط بھوک کا مارا تھا" اسی جگہ آپ نے ابوہریرہ کا یہ اقرار بھی

سنا کہ وہ اور تمام اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے نہ کسی کے یہاں جاتے نہ کسی پر اپنا بوجھ ڈالتے کیونکہ اُن کا کوئی گھر ہی نہ تھا جہاں وہ جاتے، وہ مسجد میں رات کو سوتے اور دن کو اسی کے سائے میں رہتے، مسجد کا سائبان رات اور دن دونوں کا ٹھکانہ تھا اور ابوہریرہ تمام ساکنین صفہ میں سب سے زیادہ مشہور تھے، جب تک پیغمبر زندہ رہے صفہ ہی میں رہے وہاں سے ہٹے ہی نہیں، لہٰذا ابوہریرہ جب اتنے نادار تھے کہ بھیک پر گذر ہوتا، اور مسجد میں رات دن کا رہنا توان کے گھر کہاں سے آیا جس کا انھوں نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ابوہریرہ نے اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو یقیناً یہ پیغمبرؐ کا معجزہ اور آیات اسلام سے ایک آیت اور اہل حق کی دلیلوں میں سے ایک دلیل شمار کیا جائے گا کہ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی دعا کو فوری طور پر قبول فرمایا اور مادرِ ابوہریرہ کی ہدایت کی، ان کی حقیقت و ماہیت تبدیل کر دی کہ کہاں تو وہ کفر میں اتنی راسخ، گمراہی میں اتنی ڈوبی ہوئی اور کہاں بہ یک چشم زدن وہ پاکیزہ خصال مومنین میں سے ہوگئیں، شرعی[1] آداب سے آراستہ و پیراستہ اور یہ ظاہر ہے کہ معجزات و آیات نبوت سب کے سب حد تواتر تک پہنچے ہوئے ہیں جن کی چھوٹے بڑے سبھی صحابہ نے روایت کی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے بڑے واقعہ کو پیغمبرؐ کے اس معجزہ کو اور کسی بھی صحابی نے کیوں نہیں بیان کیا تنہا ابوہریرہ ہی کیوں ناقل ہیں

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اگر ابوہریرہ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ پیغمبرؐ نے ابوہریرہ اور ان کی ماں کے متعلق دعا فرمائی کہ خداوندا ان دونوں کو مومنین کا محبوب بنا

---

[1] آداب کا پتہ ابوہریرہ کے بیان ہی سے ملتا ہے کہ اُن کی ماں نے غسل کیا اور دروازہ کھولنے سے پہلے لباس پہنا جلدی سے سر پہ اوڑھنی ڈالی۔

اور مومنین کو ان دونوں کا محبوب قرار دے تو یقیناً اہل بیت نبوت جو راس رئیس مومنین اور قائدین ملت و دین تھے ابو ہریرہ کو دوست رکھتے لیکن تماشہ یہ ہے کہ تمام ائمہ اثنا عشر اور علمائے اہل بیت ابوہریرہ کو بہت سُبک سمجھا کیے ان کی حدیثوں کو درجۂ اعتبار سے ساقط جانا کیے، ابو ہریرہ نے تن تنہا جن حدیثوں کو بیان کیا ہے ان میں سے کسی حدیث کو انھوں نے قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ امیر المومنین[۱] نے تو یہاں تک فرمایا کہ تمام لوگوں میں سب سے بڑا دروغ گو پیغمبر پر سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ابو ہریرہ دوسی ہے۔ اگر ابوہریرہ مومنین کو ایسے ہی محبوب ہوتے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو حضرت عمر بحرین کی حکومت سے معزول[۲] کرتے ہوئے اُن سے یہ کیوں کہتے" اے دشمن خدا و کتاب خدا تم نے اللہ کا مال چرایا ہے الخ" جو شخص خدا اور کتاب خدا کا دشمن ہو وہ مومنین سے محبت رکھنے والا یا مومنین کا محبوب کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر نے ایک مرتبہ عہد پیغمبر میں اُن کے سینے پر اتنے زور کا دوہتڑ[۳] مارا تھا کہ یہ چاروں شانے چت گر پڑے تھے اور بعد پیغمبر ایک مرتبہ دُرّہ سے زد و کوب کی تھی اتنی کہ اُن کی پیٹھ لہولہان ہو گئی تھی اور اُن سے دس ہزار روپیے زبردستی چھین لیے جو انھوں نے مال مسلمین سے چرائے تھے اور چھین کر بیت المال میں واپس کر دیے اور ایک[۴] مرتبہ اور انھیں مارا تھا یہ کہتے ہوئے" تم بہت کثرت سے حدیثیں روایت کرتے ہو میرا اندازہ ہے کہ تم پیغمبر پر تہمت باندھتے ہو" ایک مرتبہ

---

[۱] اس کے بارے میں بے شمار حدیثیں ائمہ طاہرین سے مروی ہیں ابو ہریرہ کے بارے میں امیر المومنین کا یہ فقرہ امام ابو جعفر اسکافی نے بھی لکھا ہے دیکھئے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۳۶۰ [۲] معزولی کا واقعہ شروع کے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے [۳] صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴ [۴] شرح نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۳۶۰

غیظ و غضب کے عالم میں کہا یہ حدیثیں بیان کرنا چھوڑو ورنہ میں تمھیں سرزمین دوس تمھارے وطن کی طرف بھیج دوں گا یا بندروں کی زمین پر۔[۱]

یہ تو حضرت عمر کا سلوک رہا ابو ہریرہ کے ساتھ اس کے علاوہ عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ کے درمیان نیز عائشہ اور ابو ہریرہ کے درمیان بھی اسی قسم کے مزے مزے کے واقعات ہیں جن کو دیکھتے ہوئے کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ عائشہ یا ابن عباس ابو ہریرہ کو محبوب رکھتے تھے یا ابو ہریرہ ان دونوں سے محبت رکھتے تھے۔

ہاں آخر زمانہ میں ابو ہریرہ اور آل ابی العاص آل ابی معیط، آل ابی سفیان میں باہمی محبت کا پتہ ملتا ہے۔ ابو ہریرہ کی اس حدیث نے ان لوگوں کے دلوں میں ابو ہریرہ کی بڑی محبت پیدا کردی تھی کیونکہ انھیں ابو ہریرہ کے ذریعہ دلی مراد ہاتھ آئی ابو ہریرہ سے ان کے منصوبوں میں انھیں بڑی مدد ملی اور ابو ہریرہ کے دل میں ان لوگوں کی محبت یوں پیدا ہوئی کہ ان لوگوں نے مال و زر سے انھیں مالا مال کر دیا، گمنامی سے نکال کر بام عزت پر لا کھڑا کیا، اُن کے انعام و اکرام کی بارش سے سوکھے دھان میں پانی پڑ گیا مروان بن حکم حکومت مدینہ کے زمانے میں جب بھی مدینہ سے باہر جاتا تو انھیں اپنا قائم مقام مقرر کر جاتا۔[۲] مروان ہی نے ابو ہریرہ کی شادی اُن کی ولیہ نعمت یعنی مالکن بسرہ بنت غزوان سے کردی۔ اگر ابو العاص اور ابو سفیان کی اولاد ابو ہریرہ پر شفیق نہ ہوتی تو ابو ہریرہ کو بسرہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی مجال نہ تھی۔ جب ابو ہریرہ مرض موت میں مبتلا ہوئے تو یہ مروان ان کے ساتھ سلوک کرتا، روپیہ پیسے

---

[۱] ابن عساکر نے اس حدیث کی روایت کی ہے کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۳۹ پر بھی موجود ہے دیکھیے حدیث ۴۸۵۱ [۲] جیسا کہ ابو ہریرہ کے حالات میں علامہ ابن سعد نے طبقات میں ابن قتیبہ نے معارف میں، امام احمد نے مسند میں لکھا ہے۔ ہم شروع میں "ابو ہریرہ پر بنی امیہ کے احسانات" کے تحت تفصیل سے لکھ چکے ہیں [۳] دیکھیے اصابہ حالات بسرہ۔

دار کرتا اور اُن پر بڑا مہربان تھا، جب عیادت کے لیے جاتا تو اُن کو صحت کی دعائیں
دیتا۔ آخری گھڑیوں میں مروان عیادت کے لیے گیا جب واپس جا رہا تھا تو راستہ
میں کسی نے آکر خبر دی کہ ابوہریرہ چل بسے[1]۔ جب جنازہ اُٹھایا گیا تو مروان
جنازے کے آگے آگے تھا اور فرزندان عثمان جنازہ اُٹھائے ہوئے تھے، قبرستان
جنت البقیع تک لے گئے وہاں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے نماز پڑھائی اور اپنے چچا
معاویہ کو خبرِ مرگ ابوہریرہ لکھ بھیجی۔ امیر معاویہ نے حکم بھیجا کہ ابوہریرہ کے ورثہ کو
دس ہزار روپے دیے جائیں اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے[2]۔

یہ تھی محبت و الفت بنی امیہ کی ابوہریرہ کے ساتھ اور ایسے ایسے احسانات
تھے اُن کے ابوہریرہ پر جس سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ ابوہریرہ انھیں
بنو امیہ کے ہو رہے تھے۔

کہیں مومنین سے مراد ابوہریرہ نے انھیں بنی امیہ کو تو نہیں لیا؟ جن کی
محبت ابوہریرہ کے دل میں تھی اور ابوہریرہ بھی جن کے محبوب تھے۔

(۳۲) ابوہریرہ کا غلام

بخاری[3] نے بسلسلۂ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے:-

قال: لما قدمت على النبي
قلت في الطريق ؎

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں پیغمبرؐ کی خدمت میں روانہ ہوا تو میں نے راستہ میں یہ شعر پڑھا

یا لیلة من طولها وعنائها
على انها من دارة الكفر نجت

(رات جو اتنی طولانی اور مصیبتیں اپنے دامن میں لیے ہے مگر باوجود اس کے اسی رات نے دار کفر سے مجھے نجات دلائی)

۱؎ طبقات ابن سعد حالات ابوہریرہ ۲؎ طبقات حالات ابوہریرہ ۳؎ صحیح بخاری
جلد ۵ نیز طبقات ابن سعد حالات ابوہریرہ ۱۲۵

قال: وابق غلام لی فی الطریق فلما قدمت علی النبیؐ فبایعته فبینا انی عنده اذ طلع الغلام فقال لی النبی: یا ابا هریرہ هذا غلامك؟ قلت: هو لوجه اللّٰه فاعتقته۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ راستے میں میرا ایک غلام بھاگ گیا۔ میں پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی میں آپ کی خدمت میں ابھی بیٹھا ہی تھا کہ وہ غلام آتا نظر آیا پیغمبرؐ نے فرمایا ابو ہریرہ یہ رہا تمھارا غلام! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے راہِ خدا میں اسے آزاد کیا۔

ابو ہریرہ اپنی حدیثوں سے پاگل بنائے دیتے ہیں، کہاں تو ان کا یہ بیان کہ میں یتیمی کے عالم میں پلا بڑھا، فقر و فاقہ کے عالم میں ہجرت کی، صرف پیٹ بھر کھانے پر فلاں فلاں کی چاکری کی، وہ جب کہیں جاتے تو میں اونٹ ہنکاتا اور جب کہیں وہ ٹھہرتے تو خدمت بجالاتا اور کہاں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہجرت کے موقع پر اُن کے ایک غلام بھی تھا جسے انھوں نے راہِ خدا میں آزاد کیا۔ بظاہر یہ حدیث انھوں نے اپنی آخری زندگی میں بیان کی ہوگی جبکہ مروان و آل ابو سفیان کے نعمتوں کی بارش ان پر روز و شب ہوا کرتی تھی، اس وقت وہ اپنا اگلا زمانہ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کا بھول گئے جبکہ وہ بھوک سے نڈھال، چیتھڑے بدن میں آنتیں قل ہو اللہ پڑھتی ہوئی، پیٹ میں آگ لگی ہوئی، راستے میں پڑے ہوئے بھیک مانگا کرتے تھے جیسا کہ خود انھیں کا بیان ہے۔

واللّٰه الذی لا اله الا هو ان كنت لاعتمد علی لبدی من الجوع وان كنت لاشد الحجر علی بطنی من الجوع خدائے وحدہ لاشریک کی قسم بھوک کے مارے اپنا کلیجہ پکڑے رہتا تھا اور پیٹ پر پتھر باندھے رہتا تھا۔ ابتدائی اوراق میں انھیں ابو ہریرہ کا بیان گذر چکا ہے جس میں انھوں نے

بھیک کے لیے راستہ پر بیٹھنے کا تذکرہ کیا ہے۔

ایک اور حدیث میں انھوں نے بیان کیا کہ میں اپنے کو دیکھا تھا کہ میں منبر رسول اور حجرۂ عائشہ کے درمیان بیہوش پڑا ہوں آنے والے آتے ہیں اور میری گردن پر پیر رکھ دیتے ہیں، لوگ سمجھتے تھے کہ میں دیوانہ ہوں حالانکہ میں دیوانہ نہ تھا۔ مجھے تو بھوک بدحواس بنائے ہوئے تھی" — اسی طرح کے اور بہت سی صریحی بیانات ان کے ایسے ہیں جن سے صاف صاف آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انھیں نہ کسی ذلت سے دکھ ہوتا نہ کسی بے شرمی سے رنج پہنچتا، ان کی انتہائی تمنا و آرزو یہ رہا کرتی کہ پیٹ بھر جائے لہذا انصاف کیجیے کہ جب افلاس کا یہ عالم تھا تو غلام کہاں سے آیا؟

اگر ہم ابوہریرہ سے پوچھیں کہ محض آتے ہوئے دیکھ کر پیغمبر نے کیسے پہچان لیا کہ یہ ابوہریرہ کا غلام ہے تو شاید ابوہریرہ سے کوئی جواب بن نہ پڑے کیونکہ پیغمبر نے پہلے نہ تو ابوہریرہ ہی کو دیکھا تھا نہ ابوہریرہ کے غلام ہی کو۔ شاید ابوہریرہ بڑی عظمت و جلالت والے تھے کہ ان کے اور ان کے غلام کے بارے میں وحی کا نازل ہونا ضروری ہوگیا اور خود جبرئیل امین نے آکر خبر دی ہو پیغمبر کو کہ یہ ہے ابوہریرہ کا غلام!

(۳۳) خیر و خیرات کے اچھے انجام کے متعلق ابوہریرہ کا ایک خیالی قصّہ

امام مسلم ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں:-

قال: بینا رجل بفلاة من الارض فسمع صوتا فی سحابة: اسق حدیقة فلان فتنحی ذالک السحاب فافرغ ماءه کله فی تلک الحدیقة واذا رجل قائم فی الحدیقة

ایک مسافر جنگل میں جا رہا تھا اس نے بادل کے اندر سے یہ آواز آتے سنی۔ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرا چنانچہ وہ بادل ہٹ کر باغ کی طرف چلا گیا اور اپنا سارا پانی اس باغ میں برسا دیا۔ یہ مسافر دیکھتا کیا ہے کہ ایک شخص باغ میں کھڑا کدال سے

يحول الماء بمسحاته - فقال له: يا عبد الله ما اسمك: قال: فلان للاسم الذي سمعه في السحابة فقال له. لم تسألني عن اسمي: قال: اني سمعت صوتا في السحاب الذي هذا ماءه يقول له: اسق حديقة فلان لاسمك فما تصنع فيها؟ قال: اما اذا قلت هذا فاني انظر الى ما يخرج منها فاتصدق بثلثه۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۳۳)

پانی کے لیے راستہ بنا رہا ہے - مسافر نے اس شخص سے پوچھا اے بندۂ خدا تمھارا نام کیا ہے تو اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل سے سنا تھا، اس شخص نے پوچھا بھائی میرا نام کیوں پوچھتے ہو؟ مسافر نے کہا یہ بادل جو تمھارے باغ پر برسا ہے اس کے اندر سے میں نے ایک آواز آتے سُنی، کوئی تمھارا نام لے کر کہہ رہا تھا کہ اس کے باغ کو سیراب کر۔ تو آخر اس باغ میں کرتے کیا ہو۔ اس شخص نے کہا جب تم یہ بات کہتے ہو تو سُنو۔ میں اس بات کی سختی سے پابندی کرتا ہوں کہ جو کچھ اس باغ کی پیداوار ہوتی ہے اس کا ایک تہائی خیرات کر دیتا ہوں۔

یہ بالکل فرضی قصہ ہے - عادتاً اس قسم کی باتیں واقع ہونا ممکن ہی نہیں، قوانین فطرت کے خلاف ہے - لیکن ابوہریرہ کو اس بات کی کیا پروا، فطرت جائے جہنم میں انھیں تو پیغمبر کی طرف اپنی عادت کے مطابق جھوٹی حدیثیں منسوب کرنے سے غرض ہے۔

(۴۴) ایک فرضی قصہ جس میں وفائے عہد کے حسن انجام کا تذکرہ ہے

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے :-

انه ذكر رجلا من بني اسرائيل ان يسلفه الف دينار فقال ائتني بالشهداء اشهدهم فقال

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ایک دوسرے اسرائیلی سے ایک ہزار اشرفیاں قرض مانگیں۔ جس سے

فی بالله شهیدا قال فأتنی
بالکفیل: قال کفی بالله وکیلا
قال: صدقت فدفعها الیه الی
اجل مسمی فخرج فی البحر فقضی
حاجته ثم التمس مرکبا یرکبها
یقدم علیه للاجل الذی اجله
فلم یجد مرکبا فاخذ خشبة
فنقرها فادخل فیها الف دینار
وصحیفة منه الی صاحبه ثم
زجج موضعها ثم اتی بها الی البحر
فقال اللهم انك تعلم انی کنت
تسلفت فلانا الف دینار فسالنی
کفیلا فقلت: کفی بالله کفیلا
فرضی بك، وسالنی شهیدا
فقلت: کفی بالله شهیدا. فرضی
بك وانی جهدت ان اجد مرکبا
ابعث الیه الذی له فلم
اقدر، وانی استودعکها فرمی
بها فی البحر حتی ولجت فیه
ثم انصرف فخرج الرجل
الذی کان اسلفه ینظر

مانگی تھیں اس نے گواہ مانگے۔ اس نے کہا بس
خدا میرا گواہ ہے پھر اس نے ضامن طلب کیا تو اس نے
کہا خدا ہی میرا ضامن ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا
سچ کہتے ہو۔ یہ کہہ کر ایک مدت کے وعدے پر اشرفیاں
دے دیں۔ وہ شخص سمندری سفر پر روانہ ہوا اپنا کام
پورا کیا پھر اس نے کشتی تلاش کی کہ اس پر سوار ہو کر
واپس ہو اور قرض دینے والے کا روپیہ وقت کے اندر
ادا کر دے لیکن کوئی کشتی نہیں ملی تو اس شخص نے
ایک لکڑی لی اس میں سوراخ کیا اور اس میں وہ ہزار
دینار اور ایک خط اس شخص کے نام رکھ کر وہ سوراخ
بند کر دیا اور اس لکڑی کو سمندر میں پھینک دیا اور
خداوند عالم سے عرض کیا بار الہا تو جانتا ہے کہ
میں نے فلاں شخص سے ہزار دینار قرض لیے تھے
اس نے ضامن مانگا تو میں نے کہا اللہ ہی میرا
ضامن ہے۔ اس نے گواہ مانگے تو میں نے کہا
اللہ ہی گواہ ہے، وہ شخص راضی ہو گیا اور اس نے
اشرفیاں مجھے قرض دے دیں، اب میں کشتی کی
تلاش میں ہوں تاکہ اس کا قرضہ جا کر ادا کر دوں
تو کوئی کشتی نہیں ملتی، لہذا میں یہ رقم تیرے ہی
حوالے کرتا ہوں یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر
میں ڈال دی اور چلا گیا، ادھر یہ آدمی جس نے

لعل مرکبا قد جاء بماله فاذا بالخشبة التی فیها المال فاخذها لاهله حطبا فلما نشرها وجد المال والصحیفة (صحیح بخاری پارہ ۲ صـ۲۶ باب الکفالة فی القرض والدیون وغیرہ)	قرض دیا تھا وہ سمندر کے کنارے پہنچا کہ شاید کوئی کشتی آتی ہو اور اس کا مال اس پر آتا ہو دفعۃً اس نے وہی لکڑی دیکھی جس میں دینار بند تھے اپنے اہل کیلئے یہ لکڑی اس نے سمندر سے نکال لی۔ جب وہ لکڑی پھاڑی گئی تو اس میں سے ہزار دینار اور خط نکل پڑا۔

یہ حدیث اتنی بعید العقل ہے کہ کوئی اس پر اعتبار کر ہی نہیں سکتا۔ مزید براں ہزار دینار سمندر میں ڈال دینے کی نہ تو شرع اجازت دے سکتی ہے نہ عقل۔ اگر مال اس کا واپس نہ مل جاتا تو شخص مقروض اس طرح ادائے قرض سے بری الذمہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر صاحب عقل وخرد اس قسم کی حرکت کو حماقت و دیوانگی ہی قرار دے گا۔

اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل یا اور کسی قوم میں ایسا واقعہ ہوا بھی تو رسول اللہؐ اس واقعہ کو اُس وقت تک بیان نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ آخر میں یہ فقرہ بھی نہ بڑھا دیتے کہ تم لوگ بھی اس پر عمل نہ کرنے لگنا۔ کیونکہ اگر رسول اللہ بغیر اس فقرہ کے بڑھائے ہوئے یہ حدیث بیان کرتے تو اپنی امت کو فریب میں مبتلا کر دیتے ہر شخص یہ سمجھنے لگتا کہ قرض کی ادائیگی یوں بھی ممکن ہے کہ کسی لکڑی میں قرض کی رقم رکھ کر اور خط لکھ کر دریا میں ڈال دیا جائے۔ اور پیغمبر کا فریب دینا، دھوکہ میں مبتلا کرنا قطعی محال ہے۔ لیکن ابوہریرہ کو یہ سب باتیں جائز تھیں اپنی تجارت کو نفع بخش بنانے کے لیے پیغمبر کی طرف جھوٹی جھوٹی باتیں منسوب کر دینا کوئی مضائقہ کی بات نہ تھی۔

(۳۵) تیسرا فرضی قصہ جس میں کفران نعمت اور شکر نعمت کا انجام ذکر کیا گیا ہے

بخاری نے بسلسلۂ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے:[1]-

قال ان ثلاثة من بنی اسرائیل ابرص واقرع واعمی بدا لله ان یبتلیهم فبعث الیهم ملکا فاتی الابرص فقال: ای شی احب الیک؟ قال: لون حسن وجلد حسن فقال ای المال احب الیک؟ قال: الابل فاعطی ناقة عشراء فقال: یبارک لک فیها - واتی الاقرع فقال ای شی احب الیک؟ قال: شعر حسن وقد قذرنی الناس قال فمسحه فذهب واعطی شعر احسنا قال: فای المال احب

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک برص تھا دوسرا گنجا تیسرا نابینا، خدا کی مشیت ہوئی کہ ان کی آزمائش کی جائے چنانچہ اس نے ان کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجا وہ فرشتہ پہلے مبروص کے پاس آیا اور پوچھا تمھاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے، اس نے کہا خوبصورت رنگ، خوبصورت جلد کہ لوگ میرے مبروص ہونے کی وجہ سے مجھ سے گھناتے ہیں۔ اس فرشتہ نے اس شخص کے جسم پر اپنا ہاتھ پھیرا اس کا برص جاتا رہا اور خداوند عالم نے خوبصورت رنگت، اور خوبصورت جلد عنایت فرمائی - پھر فرشتہ نے پوچھا مال دولت میں تمھیں کس چیز کی خواہش ہے اس نے کہا اونٹ، اس فرشتہ نے ایک اچھی نسل کا ناقہ دیدیا اور کہا خدا تمھیں برکت دے - پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تمھیں سب سے

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۴۷ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل [2] بدا کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بات خداوند عالم کے علم میں ازل سے تھی لیکن لوگوں پر ظاہر نہ تھی پھر خداوند عالم کا ارادہ ہوا کہ اس بات کو لوگوں پر ظاہر کر دے - یہی وہ بدا ہے جس کے شیعہ قائل ہیں اور مخالفین اس پر طعنہ دیتے ہیں - جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے - اُن کے پیر و مرشد ابوہریرہ کی حدیث ان کے لیے قابل غور ہے -

اليك؟ قال: البقر فاعطاه
بقرة حاملا، وقال
يبارك لك فيها۔
واتى الاعمى فقال اى
شئ احب اليك قال
يرد الله الى بصرى! قال
فمسحه فرد الله اليه
بصره قال فاى المال
احب اليك؟ قال الغنم،
فاعطاه الله شاة والدا
فانتج هذان وولد هذا
فكان لهذا واد من ابل
ولهذا واد من بقر ولهذا
واد من الغنم ثم انه
اتى الابرص فى صورته
وهيئته (التى كان
الابرص اولا عليها) فقال له
رجل مسكين تقطعت بى
الحبال فى سفرى فلا بلاغ
اليوم الا بالله ثم بك، اسالك
الذى اعطاك اللون الحسن

زیادہ کیا پسند ہے، اس نے کہا خوبصورت بال۔
لوگ میرے گنجے پن کی وجہ سے مجھ سے گھناتے ہیں
اس فرشتے نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور اسے
خوبصورت بال دیدیے پھر مال کو پوچھا کہ کون سا مال
تمھیں چاہیے۔ اس نے کہا گائے۔ فرشتہ نے
ایک گابھن گائے دے دی اور کہا خدا تجھے اس میں
برکت دے۔ پھر اندھے کے پاس آیا اس سے پوچھا
تمھاری تمنا کیا ہے۔ اس نے کہا یہ کہ خدا میری
آنکھیں مجھے پلٹا دے۔ اس فرشتہ نے ہاتھ پھیرا
اس کی آنکھیں پلٹ آئیں۔ پوچھا مال کون سا
چاہیے اس نے کہا بکریاں۔ خدا نے اسے ایک
بچہ دینے والی بکری دے دی۔ تینوں کے یہاں
جانوروں کی نسل بڑھی اور گلے کے گلے ہوگئے۔
پھر کچھ دنوں کے بعد وہ فرشتہ اس کے شخص کے
پاس جو پہلے مبروص تھا مبروص کی شکل میں آیا اور
کہا، میں مرد نادار ہوں مسافت بہت طولانی طے
کرنی ہے آج کے دن میں اپنی منزل پر پہنچ ہی نہیں سکتا
جب تک تم میری مدد نہ کرو۔ میں اس خدا کے نام پر
جس نے تمھیں خوبصورت رنگ، خوبصورت جسم
اور اتنا مال دیا ہے ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں
تاکہ میں اس پر سوار ہو کر منزل مقصود تک جا سکوں

والجلد الحسن والمال بعيرا
اتبلغ عليه في سفري، فقال له:
ان الحقوق كثيرة - فقال له
كاني اعرفك الم تكن ابرص
يقذرك الناس فقيرا؟
فاعطاك الله - فقال: ورثت
هذا كابرا عن كابر: فقال
ان كنت كاذبا فصيرك الله
الى ماكنت واتى الاقرع
في صورته وهيئته - فقال
له مثل ما قال لهذا فرد عليه
مثل ما رد عليه هذا فقال:
ان كنت كاذبا فصيرك الله
الى ماكنت واتى الاعمى في
صورته، فقال: رجل مسكين
وابن سبيل تقطعت بي الحبال
في سفري، فلا بلاغ اليوم
الا بالله ثم بك اسالك
بالذي رد عليك بصرك
شاة اتبلغ بها في سفري فقال
كنت اعمى فرد الله بصري

اس شخص نے کہا دوسروں کے حقوق مجھ پر بہت
زیادہ ہیں (تمھیں دینے کی گنجائش نہیں) اس فرشتہ
نے کہا میرا خیال ہے میں تمھیں پہچانتا ہوں تم وہی
فقیر تو نہیں ہو جسے برص تھا اور لوگ گھناتے تھے
خدا نے تمھیں یہ دولت بخشی ہے۔ اس نے کہا یہ مال تو
میرے باپ دادا کے زمانے سے چلا آرہا ہے میں نے
اپنے باپ کے مرنے کے بعد میراث میں پایا میرے
باپ نے دادا کے مرنے پر پایا تھا۔ فرشتہ نے کہا
اگر تم جھوٹے ہو تو خدا کرے تم پھر اگلی حالت پر پلٹ
جاؤ۔ اس کے بعد فرشتہ گنجے کی شکل میں گنجے کے
پاس آیا اس سے بھی یہی باتیں ہوئیں اور اس نے
بھی اسی طرح اس کا سوال رد کیا۔ گنجے سے بھی
فرشتہ نے یہی کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو خدا تمھیں
اسی سابق حال پر پلٹا دے۔ پھر وہ اندھے کے
پاس آیا اس سے کہا میں مرد فقیر ہوں مسافر ہوں
سفر جاری رکھنے کا سامان نہیں تم ہی مدد کرو تو
میں اپنی منزل پر پہنچ سکوں گا، میں اس خدا کا واسطہ
دے کر جس نے تمھاری آنکھیں پلٹائیں تم سے ایک
بکری کا سوال کرتا ہوں کہ میں اس کے ذریعہ (اسے
بیچ کر) اپنے سفر کو جاری رکھ سکوں۔ اس شخص نے
کہا میں اندھا تھا خدا نے مجھے دوبارہ آنکھیں دیں

وفقیرا اغنانی نخذ ماشئت فواللہ لا اجھدك الیوم بشئی اخذتہ للہ: فقال امسك مالك فانما ابتلیتم فقد رضی اللہ عنك وسخط علی صاحبیك -

فقیر تھا مالدار کیا، جو چاہو لے لو۔ تم جو کچھ بھی لوگے میں روکوں گا نہیں۔ فرشتہ نے کہا تم اپنا مال اپنے پاس رکھو میں نے اصل میں تم لوگوں کو آزمایا تھا خداوند عالم تم سے خوش ہوا اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہوا۔

یہ حدیث بھی ابوہریرہ کی من گڑھت حدیثوں میں سے ہے جسے انھوں نے خوب بنا سنوار کر پیش کیا ہے جیسے آج کل قصے کہانیاں لوگ لکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی ایک افسانہ ہے جس میں شکر نعمت و کفران نعمت کا انجام خوشنما پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

(۳۶) چوتھا فرضی قصہ جس میں ظلم کا انجام بُرا ہونا ذکر کیا ہے

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

قال دخلت امراۃ النار فی ھرۃ ربطتھا فلم تطعمھا ولم تدعھا تاکل من خشاش الارض [۱]

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک عورت محض ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں گئی اس نے اس بلی کو باندھ رکھا نہ اسے کھانے کو دیا نہ اسے آزاد کیا کہ وہ ادھر ادھر سے اپنا پیٹ بھرلے۔

یہ حدیث منجملہ ان حدیثوں کے ہے جس کی جناب عائشہ نے سختی کے ساتھ تردید [۲] کی۔ جناب عائشہ نے جب ابوہریرہ کی یہ حدیث سُنی تو آپ نے جو جملہ کہا اس میں

---

[۱] صحیح بخاری پارہ ۲ ص۱۴۹ کتاب بدء الخلق صحیح مسلم جلد ۲ ص۴۲۵ باب سعۃ رحمۃ اللہ ۱۲

[۲] ابوہریرہ کی یہ تردید جناب عائشہ کی طرف سے کافی مشہور ہے۔ شارحین بخاری و مسلم نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ دیکھیے ارشاد الساری جلد ۷ ص۸۴

یہ فقرہ بھی تھا ان المومن اکرم علی اللہ من ان یعذبہ فی ھرۃ فاذاحدثت عن رسول اللہ فانظر کیف تحدث "مومن خداوند عالم کے یہاں زیادہ عزت رکھتا ہے اس سے کہ ایک معمولی بلی کے بارے میں اس پر خداوند عالم عذاب فرمائے۔ جب رسول اللہ کی طرف کوئی حدیث منسوب کرکے بیان کرو تو ذرا سوچ سمجھ کر"۔——

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ایک فرضی قصہ من گڑھت کہانی ہے جس میں ابوہریرہ نے ظلم وسرکشی کے انجام بد کو بیان کیا ہے۔

(۳۷) پانچواں فرضی قصہ مہربانی کا انجام اچھا ہونے کے متعلق

امام بخاری ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں:[۱]

قال غفر لامرأۃ مومسۃ مرت بکلب علی راس رکی یلھث (قال) وکاد یقتلہ العطش فنزعت خفھا واوثقتہ بخمارھا فنزعت لہ من الماء فشرب فغفر لھا بذالک	ابوہریرہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے ایک فاحشہ کو بخش دیا صرف اتنی سی بات پر کہ وہ ایک کتے کی طرف سے گذری جو کنوئیں کے پاس کھڑا ہانپ رہا تھا اور پیاس سے جاں بلب تھا اس عورت نے اپنے موزے اتار کے اسے اپنی اوڑھنی میں باندھا اور کنوئیں میں لٹکا کر پانی بھرا اور کتے کو پلایا۔ خداوند عالم نے اسے بخش دیا۔

(۳۸) ایک اور ایسا ہی فرضی قصہ

بخاری ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں:[۲]

قال بینما رجل یمشی فی طریق	ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص راستے میں

---

[۱] صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۵۱ اور صفحات میں بھی بخاری کے موجود ہے ۱۲
[۲] صحیح بخاری ج ۳ صفحہ ۲۹۱ کتاب الادب و ج ۲ صفحہ ۳۵ کتاب المساقاۃ ۱۲

اپنے لڑکوں کو ایسے وحشیانہ فعل کی وصیت کی کہ میری لاش جلا دینا، میری راکھ سرمہ کر کے ہوا میں اُڑا دینا لہذا وہ ایسا کافر تھا جو خدا کی رحمت سے مایوس بھی تھا اور قدرت خدا کا منکر بھی اور کافر مستحق مغفرت نہیں نہ مغفرت کا سزاوار ہے۔

کسی مسلمان کو بھی اس سے اختلاف نہیں مزید براں اس حدیث کا اسلوب بھی قصہ کہانی کا اسلوب ہے جس میں افسانوی طرز پر انھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے خواہ انسان اپنے نفس پر کتنا ہی زیادتی کرنے والا کیوں نہ ہو نیز یہ کہ ایمان رکھنے کے باوجود انسان عذاب خدا سے قطعی محفوظ نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں حقیقتیں ابوہریرہ کی روایات و خیالی قصوں کے بغیر بھی ظاہر و واضح ہیں کیونکہ قرآن مجید نے خود ہی کہہ دیا ہے ولاتیأسوا من روح اللہ انہ لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکافرون افامنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ کیا وہ خدا کی تدبیروں سے بے خوف ہو گئے۔ خدا کی تدبیروں سے گھاٹے میں رہنے والے ہی اپنے کو بے خوف سمجھتے ہیں۔ اصل بحث پیرایہ بیان سے ہے۔ ابوہریرہ جیسے عجیب و غریب اور نرالے ڈھنگ سے حدیثیں بیان کرتے ہیں پیغمبرؐ کے طرز کلام سے ان کو کوئی لگاؤ ہی نہیں ہوتا۔

مزید براں اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ کوئی کافر زیاں کار تھا اور اس نے اپنے بیٹوں سے ایسی وصیت کی اور یہ بھی فرض کیا جائے کہ محض یہی وصیت اس کافر کے لیے سبب مغفرت بن گئی تب بھی ناممکن ہے کہ پیغمبرؐ نے بغیر اپنی طرف سے کوئی تنبیہی فقرہ بڑھائے اُس حدیث کو یوں ہی بیان کر دیا ہو۔ کیونکہ اگر پیغمبر اس حدیث کو یوں ہی بیان فرماتے جیسا کہ ابوہریرہ نے نقل کیا ہے تو اس صورت میں پیغمبر

اپنی امت کے زیاں کار افراد کو بہکانے کا باعث قرار پائیں گے۔ گنہگار مسلمانوں کو یہ غلط فہمی ہوگی کہ جب کافرانسیسی وصیت سے ناجی ہوگیا تو ہم لوگ بھی ایسی وصیت کرکے آتش دوزخ سے بچ سکتے ہیں اور پیغمبر کا امت کو دھوکہ دینا غلط فہمی میں مبتلا کرنا قطعاً محال و ناممکن ہے۔

(۴۰) ایک گنہگار بار بار توبہ کرتا اور بار بار گناہ۔ خداوند عالم کا اس سے کہنا کہ میں تو تجھے بخش چکا جو تیرا جی چاہے کر

قال ابو هريرة اذنب عبد ذنبا فقال اللهم اغفر لی ذنبی فقال الله تبارك وتعالى: اذنب عبدی ذنبا فعلم ان له ربا یغفر الذنب ویاخذ بالذنب. قال: ثم عاد فاذنب. فقال: ای رب اغفر لی ذنبی. فقال تبارك وتعالى: عبدی اذنب ذنبا فعلم ان له ربا یغفر الذنب ویاخذ بالذنب: ثم عاد فاذنب فقال ای رب اغفر لی ذنبی. وقال تبارك وتعالى اذنب عبدی

ایک بندے نے گناہ کیا پھر اس نے خداوند عالم سے عرض کیا خداوندا میرے گناہ کو بخش دے؛ خداوند عالم نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ اس بندہ نے پھر دوہرا کے گناہ کیا اور گناہ کرنے کے بعد بارگاہ الٰہی میں عرض کی خداوندا میرے گناہ کو معاف کردے۔ خداوند عالم نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا اور یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے۔ اس بندے نے پھر تہرا کے گناہ کیا اور گناہ کے بعد عرض کیا خداوندا میرے گناہ کو معاف کردے۔ خداوند عالم نے فرمایا

ذنبا فعلم ان له ربا یغفر الذنب و یاخذ بالذنب اعمل ما شئت فقد غفرت لك۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۴۵ کتاب التوبہ)

میرے بندے نے گناہ کیا اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ معاف بھی کر دیتا ہے اور گناہ پر سزا بھی دیتا ہے۔ میرے بندے جو تیرا جی چاہے کر میں تو تجھے بخش چکا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث بھی پہلی حدیثوں کے طرز پر ابوہریرہ کی دماغی عیاشیوں کی پیداوار ہے۔ اس قسم کی حدیثوں میں انھوں نے خداوند عالم کی ہمہ گیر بخشش و مغفرت اور رحم و کرم کو قصہ کہانی کے پیرایے میں بیان کیا ہے۔ خداوند عالم کی رحمت عام اور مغفرت بے حساب کون نہیں جانتا مسلمان تو مسلمان یہود و نصاریٰ، کافر و مشرک سبھی اس کی رحمت بے پایاں کا دل سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ ابوہریرہ کی من گھڑت کہانیوں سے اس کی شانِ رحمت کچھ اور نمایاں نہیں ہو جاتی وہ تو آفتاب کی طرح روشن ہے، آفتاب کو چراغ دکھانا عین حماقت ہے۔

مگر آپ اس سے بے خبر نہ ہوں گے کہ خداوند عالم اور کسی شخص کے درمیان کسی قلبی لگاؤ، کسی باہمی رابطہ الفت و محبت کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے، خدا کو کسی سے بھی ایسی محبت نہیں جس کی وجہ سے وہ ناجائز چیز کو اس کے لیے جائز کر دے جس چیز سے جن و انس سبھی کو محروم کیا ہو اس کے لیے مباح کر دے، ملاحظہ فرمائیے ارشاد الٰہی ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین وما منکم من احد عنه حاجزین۔

لہذا کیونکر ممکن ہے کہ خداوند عالم اس شخص کو جو بار بار توبہ کرتا ہے اور پھر توبہ توڑ کر گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اتنا محبوب رکھے کہ اسے گناہ کرنے کی کھُلم کھُلا اجازت دیدے اعمل ما شئت فقد غفرت لك۔ تیرا جو جی چاہے کر میں تو تجھے بخش چکا۔ ایسا شخص آخر کس وجہ سے اتنی بڑی مہربانی کا مستحق ٹھہرا جو انبیاء و مرسلین کو بھی نصیب نہ ہو سکی۔

ابوہریرہ نے نہ جانے ایسے ایسے کتنے خیالی قصے کہانیاں بنائیں جسے وہ سرکش وستم پیشہ افراد کو سناتے تاکہ اُن کے جرائم انھیں سُبک معلوم ہوں اور اپنے ہلاک و جہنم میں لے جانے والے افعال کے خیال سے اُن کا دل نہ میلا ہو جیسے ان کی یہ حدیث :-

سمعت رسول اللہ یقول: حضر ملك الموت رجلا یموت فلم یجد فیه خیرا وشق عن قلبه فلم یجد فیه شیئا ثم فك عن لحییه طرف لسانه لاصقا بفکه یقول لا الٰه الا اللہ فغفر اللہ له[1]

میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا کہ ملک الموت ایک مرتے ہوئے شخص کے پاس آئے، اس میں کوئی بھلائی و نیکی انھوں نے نہ پائی، اس کے دل کو چیر کر دیکھا اس میں بھی کوئی بھلائی نہ ملی پھر انھوں نے اس کی دونوں داڑھوں کو الگ کیا، دیکھا کہ اس کی زبان کا کنارہ ایک ڈاڑھ سے چپکا ہوا ہے اور وہ کہہ رہا ہے لا الٰہ الا اللہ، اس پر خدا نے اسے بخش دیا

انھیں مہملات و مزخرفات سے یہ حدیث بھی ہے :-

اقیمت الصلوۃ وعدلت الصفوف فلما قام رسول اللہ فی مصلاہ ذکر انه جنب۔ (صحیح بخاری پارہ اول ص ۲۱ باب اذا ذکر فی المسجد انه جنب)

• نماز کی تیاری ہوئی صفیں جمیں، جب رسول اللہ اپنی جائے نماز پر کھڑے ہوئے تو یاد آیا کہ وہ جنب ہیں۔

خدا سمجھے ان ابوہریرہ سے اور اُن لوگوں سے جو رسول اللہ کے لیے اس قسم کی ناز یبا باتوں کو جائز سمجھتے ہیں پیغمبر تو ہر لمحہ اور ہر آن پاک و پاکیزہ رہتے تھے

[1] خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد جلد ۹ ص ۱۲۵ پر حالات سعد بن عبدالحمید میں اس حدیث کو درج کیا ہے۔

اور آپ وضو پر وضو جو فرمائے تو وہ نور علیٰ نور کا مصداق ہوتا۔ اس حدیث کے مضمون سے تمام انبیا پاک پاکیزہ اور معصوم ہیں اس قسم کی رکاکتیں تو صدیقین اور صالح مومنین کی شان سے بھی بعید ہیں چہ جائیکہ انبیائے کرام؟

انھیں حدیثوں میں سے ان کی وہ حدیث ہے[1] جس میں پیغمبرؐ نے منع فرمایا ہے کہ مجھے موسیٰ سے افضل نہ کہنا نیز یہ حدیث[2] کہ جس شخص نے یہ کہا کہ پیغمبرؐ (محمد مصطفیٰ) یونس بن متی سے بہتر ہیں وہ جھوٹا ہے۔

حالانکہ تمام امت اسلامیہ کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ ہمارے پیغمبر جملہ انبیا سے افضل ہیں اور آپ کا افضل ہونا واضح نصوص، صریحی احادیث سے ثابت ہے اور یہ بدیہیات اسلام سے ہے۔

نیز ان کی یہ حدیث[3] بانہ لن یدخل احد اعملہ الجنۃ (قال) قالوا ولا انت یا رسول اللہ - قال: ولا انا! کسی کا عمل ہرگز اسے جنت میں نہ لے جائیگا لوگوں نے کہا، آپ کے اعمال بھی یا رسول اللہ؟ آں حضرتؐ نے فرمایا، ہاں میرے اعمال بھی۔

اس حدیث کو دیوار پر پھینک مارنا چاہیے کیونکہ یہ کتاب الٰہی کی آیات کے مخالف ہے کتاب الٰہی تو کہتی ہے ان ھذا کان لکم جزاء وکان سعیکم مشکورا یہ جنت کی نعمتیں تمھیں تمھارے اعمال کی جزا میں دی گئی ہیں اور تمھاری کوششیں قابل شکرگذاری ہیں۔

اسی طرح انکی یہ حدیث[4] کہ جو بھی نبی آیا اس نے بکریاں چرائیں — یہ حدیث جتنی غلط اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے محتاج توضیح نہیں۔

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۴ [2] صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۰۵ کتاب تفسیر القرآن [3] صحیح بخاری پارہ ۲۴ صفحہ ۹ کتاب مرضی باب تمنی المریض الموت [4] صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۲۲ کتاب الاجارہ

اسی طرح ان کی حدیث[1] جناب ابراہیم کے متعلق کہ انھوں نے اپنا ختنہ ۸۰ برس کی عمر میں بسولے[2] سے کرلیا تھا۔

نیز ان کی یہ حدیث[3] کہ جناب عیسیٰ نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا، آپ نے اس سے پوچھا کہ تم چوری کرتے ہو؟ اس نے کہا، نہیں۔ خدا کی قسم نہیں۔ اس پر جناب عیسیٰ نے اس چور کو سچا اور اپنی آنکھوں کو جھوٹا سمجھا۔

نیز یہ حدیث کہ "جب خداوند عالم نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا جس پر اُن کی پیٹھ سے ذروں کی طرح وہ تمام روحیں ٹپک پڑیں جن کو خداوند عالم روز قیامت تک صلب آدم سے پیدا کرنے والا تھا، پھر خداوند عالم نے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور قرار دیا۔ اس کے بعد ان سب کو آدم کے سامنے پیش کیا، آدم نے پوچھا خداوندا یہ کون لوگ ہیں؟ خدا نے کہا یہ تمھاری اولاد ہیں جناب آدم اُن میں ایک شخص کی پیشانی کے نور کو دیکھ کر بیحد متعجب ہوے۔ پوچھا خداوندا یہ کون ہے؟ خدا نے کہا یہ تمھارے فرزند داؤد ہیں۔ آدم نے پوچھا ان کی عمر تو نے کیا قرار دی؟ کہا ۶۰ برس آدم نے کہا خداوندا میری عمر سے ۴۰ برس نکال کر ان کی عمر میں اضافہ کردے تاکہ پورے سو برس ان کی عمر ہو جائے" جب جناب آدم کی مدت حیات پوری ہوئی ملک الموت اُن کی روح قبض کرنے آئے تو آدم نے کہا ابھی تو میری عمر کے ۴۰ برس باقی ہیں۔ ملک الموت نے یاد دلایا کہ آپ نے اپنے فرزند داؤد کو اپنی عمر سے ۴۰ برس نہیں دیے تھے؟ جناب آدم نے انکار کیا کہ میں نے تو

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲۴ ص ۶۵ کتاب الاستیذان باب الختان [2] ابوہریرہ کے خیال میں جناب نوح کا بسولا تھا جس سے جناب نوح نے کشتی تیار کی تھی اُن کے مرنے کے بعد سلسلہ بسلسلہ میراث میں جناب ابراہیم کے ہاتھ آیا۔ [3] صحیح بخاری پارہ ۲ ص ۱۶۸ باب واذکر فی الکتاب مریم

نہیں دیا۔ آدم کے اسی اپنے قول سے پھر جانے کی وجہ سے اولادِ آدم بھی ایک بات کہہ کر انکار کر بیٹھتی ہے۔"[1]

اسی جیسی ان کی وہ حدیث[2] ہے جناب آدم و موسیٰ کے متعلق جس میں ابوہریرہ نے ان دونوں بزرگوں کو باہم حجت و تکرار کرتے دکھلایا ہے اس طرح کہ ان دونوں حضرات کا فرقہ قدریہ جبریہ سے ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس بحث و تکرار میں جناب آدم نے جناب موسیٰ پر بہت سے ایسے الزامات لگائے جو انبیاء کی شان سے بعید تر ہیں اور انبیائے کرام کا ان سے پاک و صاف ہونا واجبات سے ہے۔

غرضکہ کہاں تک ذکر کیا جائے نہ جانے کتنی ایسی حدیثیں انھوں نے بیان کی ہیں جو خارقِ عادت بھی ہیں اور خارقِ فطرت بھی، اوپر کی حدیثیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں اب صرف دو حدیثیں اور ذکر کر کے ہم اس فصل کو ختم کرتے ہیں۔

ابوہریرہ کی ایک حدیث ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ "جب علاء بن حضرمی چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ بحرین کو روانہ ہوا تو یہ بھی اس کے ساتھ تھے یہ لوگ روانہ ہو کر سمندر کی ایک ایسی خلیج پر پہنچے جس میں ان لوگوں کے سوا کوئی نہ سما سکا نہ ان سے پہلے نہ ان کے بعد۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ علاء نے لجام فرس ہاتھ میں لی اور سطحِ آب پر چل کھڑا ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے سارا لشکر چل پڑا خدا کی قسم نہ تو ہم لوگوں کے پیر بھیگے نہ جرابیں اور نہ گھوڑوں کی ٹاپیں تر ہوئیں۔"[3]

---

[1] امام حاکم نے مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ کتاب التفسیر میں آیت و اذ اخذ ربک من بنی آدم الخ کی شرح کرتے ہوئے یہ حدیث لکھی ہے اور صحیح قرار دیا ہے علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں باقی رکھا اور صحیح قرار دیا ہے [2] جسے امام بخاری نے صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۶۳ باب وفات موسیٰ میں درج کیا ہے [3] حیوۃ الحیوان علامہ دمیری بسلسلہ تذکرہ بعوض۔ صاحب استیعاب صاحب اصابہ نے بھی اس قصہ کی طرف حالات علاء بن حضرمی کے تذکرہ میں اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ مشہور قصہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیے ذرا اس حدیث کو اگر یہ واقعہ سچا ہوتا تو اس لشکر میں چار ہزار اصحابی
تھے چاہیے تھا کہ اس غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعہ کو چاروں ہزار اشخاص بیان کرتے
اور یہ حدیث تمام متواتر حدیثوں کا سرتاج ہوتی مگر حیرت بالائے حیرت کہ ایسا غیر معمولی
واقعہ جو چار ہزار اشخاص کو پیش آیا مگر بیان کیا تو صرف ایک ابوہریرہ نے۔

دوسری حدیث حدیث مزود[1] کے نام سے مشہور ہے جس میں ابوہریرہ نے بیان
کیا ہے کہ "اسلام لانے کے بعد مجھ پر تین شدید ترین مصیبتیں پڑیں جیسی مصیبت کبھی نہیں
پڑی۔ ایک تو رسول اللہ کا مرنا، دوسرے عثمان کا قتل ہونا، تیسرے مزود (توشہ دان)
کا گم ہونا۔ لوگوں نے پوچھا جناب یہ مزود کیا شئے ہے؟ انھوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ
رسول اللہ کے ساتھ سفر میں تھے آں حضرتؐ نے پوچھا ابوہریرہ تمھارے پاس کچھ ہے۔
میں نے عرض کیا حضور میرے توشہ دان میں ایک کھجور پڑی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا اسے
میرے پاس لاؤ۔ میں نے کھجور نکالی اور پیغمبر کے پاس لایا۔ رسالت مآب نے اسے
چھوا اور اس کے متعلق دعا فرمائی۔ پھر فرمایا دس آدمی کو بلا لاؤ، میں دس آدمی کو بلا لایا۔
انہوں نے ایک کھجور میں سے پیٹ بھر بھر کے کھایا پھر دوسرے دس آدمی آئے
انہوں نے پیٹ بھر کے کھایا یہاں تک کہ پورا لشکر اس ایک کھجور سے شکم سیر ہو گیا اور
کھجوروں کی توں میرے توشہ دان میں بچ رہی، آں حضرتؐ نے فرمایا اے ابوہریرہ
تمہیں جب کسی چیز کی خواہش ہو اس توشہ دان میں ہاتھ ڈال کر نکال لینا چنانچہ میں
پیغمبر کی زندگی تک اس توشہ دان سے کھاتا رہا پھر ابوبکر کی زندگی تک کھایا کیا پھر
عمر کی زندگی میں کھایا کیا پھر عثمان کی پوری زندگی تک کھایا جب عثمان قتل ہو گئے تو
میرا سارا مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور وہ توشہ دان بھی لٹ گیا۔ میں تمھیں بتاؤں

---

[1] حدیث مزود کو امام احمد نے مسند میں دو طریقوں سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے دوسرے
طریقوں سے بدایہ و نہایہ ابن کثیر جلد ۶ صفحہ ۱۱۶ پر بھی موجود ہے۔

میں نے اس توشہ دان سے کتنی کھجوریں کھائیں دو سو وسق سے زیادہ کھجوریں کھائی ہونگی (ایک وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے یعنی ایک ہزار پچاس من کھجوریں کھا گئے)

میں کہتا ہوں کہ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ پیغمبرؐ نے اپنی زندگی کے اکثر دنوں میں بے شمار لوگوں کو تھوڑے سے کھانے سے شکم سیر کیا ہے اور یہ آپ کے معجزات اور آپ کی نبوت کے علامات میں سے ہے۔ لیکن ابو ہریرہ کی یہ حدیث ان خاص الخاص حدیثوں میں سے ہے جنھیں ابو ہریرہ نے بنی امیہ کے لوگوں اور ان کے حالی موالی عوام الناس جو عثمان کی قمیص اور نائلہ زوجہ عثمان کی کٹی ہوئی انگلیوں پر صف ماتم بچھائے مصروف نالہ و فریاد تھے کو خوش کرنے کے لیے اور ان سے پیسہ کمانے، ان کی بخششوں سے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے گڑھی تھیں۔ بنی امیہ کی خوشامد، ان کی چاپلوسی اور ان سے جلب منفعت کرنے کے لیے ابو ہریرہ نے نئے نئے ڈھنگ اختیار کیے تھے، انھیں میں سے اس قسم کی حدیث سازی بھی تھی۔ اس حدیث کے من گڑھت ہونے کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث کے بیان کرنے میں گرگٹ کی طرح رنگ بدلے ہیں کہیں کچھ بیان کیا ہے کہیں کچھ جیسا کہ اس حدیث مزود کے طرق و اسناد کی تلاش و جستجو سے بآسانی پتہ چل جائے گا کہیں کسی اور طرح آپ کو یہ حدیث ملے گی اور کہیں کسی اور طرح

ابو ہریرہ کے پاس حدیثوں کا ایک پٹارہ تھا ان کے اس مذکورہ بالا توشہ دان سے بھی بڑا جو ان کی لیاقت و ہمہ دانی کا صندوق تھا جب چاہا اس پٹارہ سے طرح طرح کی حدیثیں حسب خواہش و تمنا نکال کر پیش کر دیں۔ اکثر لوگوں نے ان کے حدیث بیان کرتے وقت ان سے پوچھا بھی کہ ابو ہریرہ تم نے اس حدیث کو پیغمبر سے سنا ہے؟ تو وہ کہتے نہیں، یہ ہمارے پٹارے کی خاص چیز ہے۔

۵؎ صحیح بخاری پارہ ۳ ص ۱۹ کتاب النفقات ۱۲

ابوہریرہ کے عجائب ونوادر کہاں تک بیان کیے جائیں "سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے" یہ تو نمونہ کے طور پر چند حدیثیں بیان کی گئیں۔

۱۲

ابوہریرہ کی حدیثیں مرسل کا حکم رکھتی ہیں

ابوہریرہ کا طریقہ پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کرنے میں یہ تھا کہ جو حدیثیں انھوں نے خود پیغمبرؐ سے نہ سُنی ہوتیں بلکہ کسی اور ذریعہ سے انھیں معلوم ہوئی ہوتیں ان حدیثوں کو بھی وہ یوں بیان کرتے جیسے انھوں نے پیغمبرؐ ہی سے سُنا ہو۔ اور غضب یہ کرتے کہ کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں قائم کرتے تھے جس سے سمجھنے والے سمجھ سکیں کہ یہ حدیث انھوں نے پیغمبرؐ سے براہ راست سنی ہے یا کسی اور کے واسطہ سے جو حدیثیں انھوں نے خود پیغمبر کی زبانی سنی تھیں اور دوسروں کی زبانی دونوں کو ایک ہی طرح بیان کرتے اور براہ راست پیغمبرؐ کی طرف نسبت دے کر کہتے تھے حدثنی رسول اللہ اخبرنی رسول اللہ مجھ سے پیغمبر نے حدیث بیان فرمائی۔ مجھے پیغمبر نے خبر دی" اسی خلط ملط نے اُن کی تمام حدیثوں کو مرسل کے حکم میں کر دیا جو نہ حجت بن سکتی ہیں نہ کسی مطلب پر بطور دلیل پیش کیے جانے کے قابل ہیں۔

اگر آپ کو کوئی شبہ ہو تو میں مثال کے طور پر اُن کی وہ حدیثیں پیش کرتا ہوں جو انھوں نے جناب ابوطالب کے متعلق بیان کیں جس میں ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کہیے تاکہ میں بروز قیامت آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں۔ ابوطالب نے کہا کہ اگر قریش والے مجھے عیب نہ لگاتے الخ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد اول ص۲۱ ہم اس پر تبصرہ کر چکے ہیں)

دنیا جانتی ہے کہ جناب ابو طالب کی وفات ابو ہریرہ کے حجاز آنے کے کم سے کم دس برس پہلے ہوئی لہذا بفرض محال پیغمبرؐ و ابو طالب میں اگر یہ باتیں ہوئیں بھی تو ابو ہریرہ اس موقع پر موجود کب تھے کہ انھوں نے یہ حدیث پیغمبرؐ و ابو طالب کی طرف نسبت دے کر بے تکلف بیان کر دی جیسے معلوم ہوتا ہے یہ اس موقع پر موجود تھے اور ابو طالبؑ پیغمبر کو باہم باتیں کرتے ہوئے اپنے کانوں سے سن رہے تھے۔

اسی طرح ان کی وہ حدیث جس میں انھوں نے دعوت عشیرہ کے واقعہ کو بیان کیا ہے کہ "جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو پیغمبرؐ نے کھڑے ہو کر کہا اے معشر قریش میں تم لوگوں کو خدا کے عذاب سے ذرہ برابر بھی بچا نہیں سکتا"[1]

صاحبانِ علم جانتے ہیں اور سب کا باہمی اتفاق و اجماع ہے اس پر کہ یہ آیت مکہ میں اسلام پھیلنے کے بہت قبل ابتدائے دعوتِ اسلام میں نازل ہوئی اور ابو ہریرہ اس وقت کافر و مشرک تھے وہ اس آیت کے اترنے کے بیس برس بعد سرزمین حجاز پر وارد ہوئے مگر وہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے سارا واقعہ ان کا چشم دید واقعہ ہو جیسے

اسی طرح انھوں نے یہ حدیث بیان کی ہے[2] کہ پیغمبر قنوت میں دعا فرماتے "خداوندا سلمہ ابن ہشام کو نجات دے، ولید بن ولید کو نجات دے، عیاش ابن ابی ربیعہ کو نجات دے جو کمزور مومنین ہیں انھیں نجات دے"! (جنھیں مشرکین مکہ نے ہجرت کرنے اور مکہ سے مدینہ جانے سے روک رکھا تھا) ظاہر ہے کہ یہ اشخاص ہجرت سے روکے گئے تھے اسی لیے پیغمبرؐ نے ان کے متعلق دعا فرمائی اور یہ واقعہ ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے سات سال قبل کا ہے وہ اس موقع پر موجود تھے ہی نہیں

---

[1] بخاری ج ۲ صفحہ ۸۶ مسلم و مسند امام احمد۔ ہم اس حدیث پر بھی گذشتہ صفحات میں تبصرہ کر چکے ہیں [2] بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۰۵ باب الدعا علی المشرکین

جو چشم دید واقعہ کی طرح اس واقعہ کو بیان کرنے کے حقدار ہوے۔

ایک اور حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ "ابو جہل نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا محمدؐ تمھاری موجودگی میں اپنی پیشانی خاک پر رکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں[۱] الخ"

اگر واقعتاً ابو جہل نے یہ بات کہی تو ابو ہریرہ کے اسلام لاتے اور یمن سے مدینہ آنے کے بیس برس پہلے کہی ہوگی، انھوں نے ابو جہل کو دیکھا کب جو اس کی طرف منسوب کرکے یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے خود انھوں نے ابو جہل کو یہ فقرہ کہتے سنا ہو۔

نیز یہ واقعہ رجیع میں کب موجود تھے اور اس کے افسر عاصم بن ثابت انصاری کو جو اس واقعہ میں شہید ہوے کب دیکھا تھا جو اس واقعہ کا وہ حدیث[۲] میں یوں تذکرہ کرتے ہیں جیسے خود واقعہ رجیع میں رہے ہوں اور انھوں نے عاصم بن ثابت کو دیکھا بھی ہو حالانکہ یہ واقعہ رجیع ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے تین برس پہلے صفر ۴ھ میں پیش آیا تھا۔

ابو ہریرہ کے سوانح حیات کا مطالعہ کرنے والا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ حرکت ابو ہریرہ کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھی وہ ہر ایسے واقعہ کو جس میں ان کا وجود و نشان بھی نہ ہوتا، یوں بیان کرنے کے عادی ہیں جیسے وہ خود واقعہ میں موجود رہے ہوں۔

احمد امین مصری جو ایک فاضل جید ہیں اُن کی اس روش کو جان گئے چنانچہ ابو ہریرہ کا ذکر کرتے ہوے لکھتے ہیں[۳] کہ "بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف انھیں حدیثوں پر اکتفا نہیں کی جسے انھوں نے خود پیغمبرؐ سے سنا تھا بلکہ انھوں نے پیغمبر کی طرف منسوب کرکے وہ حدیثیں بھی بیان کیں جسے انھوں نے پیغمبرؐ کے علاوہ دوسرے اشخاص سے سُنا تھا۔"

میں کہتا ہوں کہ اس کا اعتراف خود ابو ہریرہ نے کیا ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے پیغمبر کی یہ حدیث بیان کی "جو شخص حالت جنب میں صبح کرے وہ روزہ نہ رکھے اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا"، جب جناب عائشہ و ام سلمہ ازواج پیغمبرؐ نے اُن کی اس حدیث کی

۱؎ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۷۶ ۲؎ صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۱۴ کتاب الجہاد والسیر ۳؎ فجر الاسلام مطبوعہ مصر باب ۹ فصل ۲ صفحہ ۲۶۲

تردید کی اور کہا کہ یہ غلط ہے، پیغمبرؐ کا یہ حکم ہرگز نہیں، تو انھوں نے سارا الزام فضل بن عباس (جو غریب[1] مر چکے تھے) کے سر تھوپ دیا اور کہا کہ میں نے اس حدیث کو فضل سے سُنا تھا پیغمبرؐ سے نہیں سنا۔ اُن کا عذر سچ ہو یا غلط بہر حال یہ بات روشن ہو گئی کہ واقعاً وہ ایسی حدیثوں کو بھی جنھیں پیغمبرؐ سے نہیں سُنے ہوتے پیغمبرؐ ہی کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیتے کہ "پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا" اگر آپ فرمائیے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے ابوہریرہ نے اگر کسی دوسرے صحابی سے پیغمبر کی حدیث سن کر پیغمبرؐ ہی کی طرف منسوب کر کے حدیث بیان بھی کر دی تو اس سے خرابی کیا ہوئی۔ تو میں کہوں گا کہ خرابی تو کچھ نہیں البتہ اس صورت میں اُن کی حدیثیں نہ تو حجت ہو سکتی ہیں اور نہ صحیح مانے جانے کے قابل ہیں، اگرچہ اس حدیث کے راوی عادل ہی کیوں نہ ہوں بلکہ یہ حدیثیں مرسل ہوں گی جب تک سارے راوی اور سلسلہ روایت کی ایک ایک کڑی معلوم نہ ہو جائے اور یہ پتہ نہ چل جائے کہ سلسلہ اسناد کے تمام راوی ثقہ اور عادل ہیں۔ دوسری لفظوں میں یہ سمجھیے کہ راوی کا عادل ہونا حدیث کے صحیح ہونے کی پہلی شرط ہے لہذا سلسلہ اسناد کے ایک ایک راوی کا پتہ چلنا ضروری ہے تاکہ معلوم تو ہو کہ جن جن راویوں کے واسطہ سے یہ حدیث ہم تک پہنچی ہے وہ سب عادل تھے یا اُن میں کوئی غیر عادل بھی تھا۔ اور جب بیچ سے کسی راوی کا نام ہی غائب ہو تو پتہ کیسے چلے گا کہ وہ بیچ والا عادل تھا کہ غیر عادل۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ ایک حدیث کے متعلق زید بیان کرے کہ میں نے بکر سے سنا بکر نے خالد سے اور خالد نے عمرو سے اور عمرو نے پیغمبرؐ سے تو ایک راوی سے دوسرے راوی کا سلسلہ ملا ہوا ہے اب اگر زید، بکر، خالد، عمرو عادل ہیں تو حدیث حجت ہو گی اس پر عمل ضروری ہوگا۔

---

[1] ابوہریرہ نے یہ حدیث اس زمانہ میں بیان کی تھی جب مروان حاکم مدینہ تھا معاویہ کی طرف سے جیسا کہ صحیح بخاری پارہ اول صفحہ ۲۲۵ باب الصائم یصبح جنبا میں صراحت بھی ہے اور شارحین بخاری نے بھی وضاحت کی ہے اور فضل خلافت ابی بکر میں یا خلافت عمر میں شہید ہو چکے تھے اور ابوہریرہ کے حدیث بیان کرنے کے وقت زندہ موجود ہی نہ تھے۔

لیکن اگر اسی حدیث کو زیدؔ یوں بیان کرے کہ میں نے بکرؔ سے سنا اور بکر نے عمروؔ سے اور عمرو نے پیغمبرؐ سے۔ اور یہ معلوم ہے کہ بکر نے عمرو کو دیکھا ہی نہیں، عمرو بکر کے پیدا ہونے یا سن شعور پر پہنچنے کے قبل ہی مرگیا تھا تو یہ حدیث مشتبہ ہو جائے گی کیونکہ بیچ کی ایک کڑی غائب ہو گئی ایک راوی کا نام معلوم نہ ہو سکا تو کیا پتہ کہ وہ بیچ والا عادل تھا کہ غیر عادل لہذا یہ حدیث درجہ اعتبار سے گر جائے گی۔ مختصر یہ کہ ابوہریرہ کی بہت حدیثیں مرسل ہیں جنھیں انھوں نے بغیر پیغمبرؐ سے سنے یا اس موقع پر موجود ہونے کے پیغمبر کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیا ہے اس وجہ سے وہ حدیثیں بالکل ناکارہ ہیں اُن سے کام لیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور چونکہ یہ پتہ نہیں کہ کون سی حدیث اُن کی مرسل ہے اور کون سی مستند۔ کس حدیث کو خود پیغمبرؐ سے سن کر بیان کیا ہے اور کس حدیث کو بغیر پیغمبرؐ سے سُنے ہوے۔ لہذا سبھی حدیثیں اُن کی ایک درجہ میں رکھی جائیں گی اور سند بھی مرسل ہی سمجھی جائے گی۔ اور ساری حدیثیں اکارت جائیں گی کسی پر عمل درست نہ ہوگا جیسا کہ حدیث کے قواعد مقررہ کا منشاء ہے۔

۱۳

ابوہریرہ کا دعویٰ اُن واقعات میں موجود ہونے کا جن میں وہ موجود نہ تھے

ابوہریرہ نے جن جن واقعات میں اپنی موجودگی کو بیان کیا ہے سبھی کے متعلق یہ خیال کرنا حق بجانب ہے کہ وہ ان واقعات میں غالباً موجود ہی نہ ہوں۔ مثال کے طور پر ان کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیے جس میں وہ بیان کرتے ہیں " میں رقیہ دختر پیغمبرؐ زوجہ عثمان کے پاس گیا اُن کے ہاتھ میں کنگھی تھی رقیہ نے بیان کیا کہ ابھی ابھی پیغمبرؐ میرے پاس سے تشریف لے گئے ہیں میں نے آں حضرتؐ کے بالوں میں کنگھی کی، آں حضرتؐ نے مجھ سے پوچھا

تم ابو عبداللہ یعنی عثمان کو کیسا پاتی ہو؟ میں نے عرض کیا اچھا پاتی ہوں۔ آں حضرت نے فرمایا اُن کی عزت و تکریم کرنا کہ وہ میرے خُلق میں تمام صحابہ سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہیں"۔

اس حدیث کو امام حاکم نے (مستدرک ج ۴ ص ۴۸ میں) ذکر کیا ہے اور ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "یہ حدیث صحیح الاسناد ہے (یعنی معتمد و ثقہ افراد سلسلہ بہ سلسلہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے آئے ہیں) مگر مضمون حدیث مہمل و واہیات ہے کیونکہ رقیہ ۳ھ میں مر چکی تھیں اور ابو ہریرہ فتح خیبر کے بعد (۷ھ میں) مسلمان ہوئے"۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس حدیث کو باقی رکھا ہے اور اس حدیث کو درج کر کے لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث صحیح ہے مگر مضمون غلط ہے کیونکہ رقیہ جنگ بدر کے موقع پر فوت ہوئیں اور ابو ہریرہ جنگ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے۔

ایک دوسری حدیث پیغمبرؐ کے سہو فرمانے کے متعلق ابو ہریرہ نے بیان کی ہے کہ پیغمبرؐ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دوسری ہی رکعت میں سلام پھیر کر فارغ ہو گئے، اس پر ذوالیدین نے کہا حضور، نماز میں کمی کر دی گئی یا آپ بھول گئے الخ"

یہ ذوالیدین جنگ بدر میں شہید ہوئے ابو ہریرہ کے مسلمان ہونے کے بہت پہلے جیسا کہ ہم گیارھویں فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔

ابو ہریرہ اکثر خوش ہو ہو کر بیان کیا کرتے کہ "ہم نے خیبر فتح کیا مال غنیمت میں ہم نے نہ سونا پایا نہ چاندی البتہ اونٹ، گائے، مال و اسباب، مکان بہت کثرت سے مال غنیمت میں ہاتھ آئے"۔[1]

حالانکہ ابو ہریرہ خیبر میں تھے ہی نہیں مورخین و محدثین بہ یک لفظ متفق ہیں کہ وہ فتح خیبر کے بعد آئے اسی وجہ سے بخاری و مسلم کے شارحین اس حدیث کی

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۳ ص ۳۷ باب غزوہ خیبر ۱۲

شرح میں عجیب کشمکش میں پڑ گئے اور مجبوراً اس فقرہ کا مطلب انھوں[1] نے یہ لیا کہ "ہم" سے مراد ابو ہریرہ نہیں بلکہ مسلمان مقصود ہیں۔

کبھی یہ بیان کرتے کہ "ہم پیغمبرؐ کے ہمراہ خیبر میں تھے ایک شخص جو آپ کے ہمراہیوں میں تھا اور مدعی اسلام تھا اس کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے چنانچہ جب جنگ چھڑی تو اس شخص نے پیغمبر کی طرف سے بڑی سخت جنگ لڑی یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو گیا قریب تھا کہ لوگ شک و شبہ میں پڑ جائیں (کیونکہ اس شخص نے پیغمبرؐ کی حمایت میں ایسی شدید جنگ کی تھی کہ قریب تھا درجۂ شہادت پر فائز ہو اور پیغمبرؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ وہ جہنمی ہے ظاہر ہے کہ یہ بات بڑے شک و شبہ کی تھی) پس ہوا یہ کہ وہ شخص زخموں کی تکلیف سے بے حد بے چین ہوا پس جھک کر اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور اپنے حلق میں بھونک کر اپنے کو ہلاک کر ڈالا"۔[2]

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث دو وجہوں سے محل نظر ہے ایک تو اس وجہ سے کہ ابو ہریرہ مدعی ہیں کہ میں اس واقعہ میں موجود تھا پیغمبرؐ کے ہمراہ تھا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ اس وقعہ میں موجود ہی نہ تھے اسی وجہ سے شارحین اس حدیث کی شرح میں کشمکش میں پڑ گئے اور کہا کہ ابو ہریرہ نے یہ جو کہا ہے کہ "ہم پیغمبرؐ کے ہمراہ خیبر میں تھے" تو یہ مجازاً کہا ہے "ہم" سے مراد ابو ہریرہ نہیں بلکہ اُن کے اہل جنس مسلمان مراد ہیں کیونکہ یہ طے شدہ ہے کہ ابو ہریرہ بعد فتح خیبر آئے۔ (قسطلانی شارح صحیح بخاری)[3]

---

[1] صحیح بخاری کی دو شرحیں ارشاد الساری للقسطلانی اور تحفۃ الباری للانصاری جو ایک ساتھ چھپی ہیں ان کے جلد ۵ صفحہ ۱۵۴ پر بھی یہ تاویل موجود ہے ساتھ ساتھ یہ صراحت بھی کہ ابو ہریرہ فتح خیبر میں تھے ہی نہیں۔ سندی نے بھی اپنے حاشیہ میں یہی اعتراف و تاویل کی ہے [2] صحیح بخاری پارہ ۳ صفحہ ۱۳۱ پارہ ۲ صفحہ ۱۲۰ [3] ارشاد الساری جلد ۶ صفحہ ۳۲۲

دوسری وجہ یہ کہ جس شخص نے اپنے کو ہلاک کر ڈالا تھا وہ قزمان تھا[1] جو حلیف ظفر منافق ہے۔ ابو ہریرہ نے اس کے متعلق جس واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ کافی مشہور ہے یہ شخص جنگ احد میں مرا ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے بہت پہلے لیکن ابو ہریرہ نے اسے جنگ خیبر میں لا ڈالا اور وہیں کی بات کہہ کر چپکا دی۔

ایک اور حدیث میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ "میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا جن میں کسی کے تن پر ردا نہیں تھی"۔[2]

میں کہتا ہوں کہ یہ ستر کے ستر اصحاب صفہ جنگ بئر معونہ میں شہید ہو گئے تھے۔ پیغمبرؐ اس واقعہ پر بے حد ملول بھی ہوئے اور مہینہ بھر ایک ماہ تک نماز میں قنوت کے اندر ان اصحاب صفہ کے قاتلین پر لعنت فرماتے رہے۔ یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ کے اسلام لانے اور یمن سے مدینہ آنے کے بہت پہلے کا ہے۔ لہٰذا یہ دعویٰ کیونکر صحیح سمجھا جا سکتا ہے۔

علامہ قسطلانی نے ان کے اس قول کی توجیہ کی ہے کہ یہ ستر جنھیں ابو ہریرہ نے دیکھا یہ اس ستر کے علاوہ ہوں گے۔ واللہ اعلم[3]

غرضکہ ابو ہریرہ کے حالات کی چھان بین اور ان کی حدیثوں کو یکجا کر کے

۱؎ واقدی و ابن اسحاق نے بھی ذکر کیا ہے اور ابن حجر اور دیگر ارباب سیر و تواریخ نے بھی۔ یہ قزمان عربی شخص تھا جس نے جنگ احد میں [illegible] بڑی بہادری سے جنگ کی اور متعدد مشرکوں کو قتل کیا یہاں تک کہ پیغمبرؐ سے کہنے والوں نے کہا بھی کہ جیسی قزمان نے داد شجاعت دی ہے ویسی کسی نے بھی نہیں دی۔ پیغمبرؐ نے فرمایا لیکن "ہے وہ جہنمی ہی" یہ قزمان زخموں سے چور چور ہو گیا جس سے گھبرا کر جلد جلد مر جانا چاہا۔ نیزہ کھڑا کر کے دستہ زمین پر رکھا اور پھل اپنے سینہ کی طرف اور اس پر پوری طاقت سے اپنے کو گرا کر مار ڈالا۔

۲؎ صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۲۱ باب لا یقول فلان شہید۔

۳؎ ارشاد الساری جلد ۱۔ ہم شروع حالات ابو ہریرہ میں بھی اس حدیث کو بیان کر چکے ہیں۔

دیکھنے سے ہم اس قطعی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ بہت سی حدیثیں پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے کے عادی تھے جن کو انھوں نے کبھی پیغمبرؐ سے نہیں سنا۔ اور اکثر ایسے واقعات چشم دید شاہد کی طرح بیان کرنے کے خوگر ہیں جن واقعات میں اُن کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

اکثر ایسا ہوا کہ انھوں نے کوئی بات کعب الاحبار یا اور کسی سے کوئی بات سنی، انھیں اچھی معلوم ہوئی انھوں نے پیغمبر کی طرف نسبت دے کر بیان کر دیا جیسا کہ انھوں نے اس حدیث میں کیا ہے کہ خلق اللہ آدم علی صورتہ طولہ ستون ذراعا فی عرض سبعۃ اذرع[1] خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اُن کا طول ۶۰ ہاتھ اور چوڑان سات ہاتھ تھی۔" ابو ہریرہ کی یہ ایسی حرکت تھی جس کی وجہ سے ہر با ایمان مجبور ہے کہ ان کی حدیثوں سے کوسوں بھاگے۔ حیرت تو ہوتی ہے ان صحاح ستہ کے جامعین پر جنھوں نے ابو ہریرہ کی حدیثوں سے اپنے صحیحوں کو بھر دیا لیکن اس کی طرف توجہ تک نہ کی کہ ان حدیثوں میں کیا مہملات وفضولیات موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ کسی طرح صحیح ہو ہی نہیں سکتیں۔ نہ اس بات پر انھوں نے دھیان دیا کہ اُن کی حدیثوں میں من گڑھت اور خود ساختہ ہونے کی کتنی واضح علامتیں موجود ہیں۔

صحیح مسلم وصحیح بخاری کی حدیثوں پر نظر کیجیے تو آسانی سے آپ اس حقیقت کو محسوس کر لیں کہ بخاری ومسلم نے کس طرح آنکھ بند کر کے ابو ہریرہ کی حدیثیں درج کر ڈالی ہیں۔ ایک نمونہ ہم پیش کرتے ہیں جس سے آپ خود ہی فیصلہ کر لیں۔

امام مسلم نے ابو سفیان کے فضائل میں عکرمہ بن عمار عجلی یمامی کے واسطہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ "مسلمان ابو سفیان کو خاطر میں بھی نہ لاتے تھے نہ اس کے پاس اُٹھتے بیٹھتے، ابو سفیان نے پیغمبرؐ سے کہا، حضور! تین سوال میرے پورے کر دیجیے۔

---

[1] گیارھویں فصل میں ہم اس حدیث پر تبصرہ کر چکے ہیں۔

آں حضرتؐ نے فرمایا اچھا کہو! ابوسفیان نے کہا میرے پاس عرب کی حسین و جمیل ترین خاتون میری بیٹی ام حبیبہ ہے میں اس کو آپ کی زوجیت میں دیتا ہوں آں حضرتؐ نے فرمایا میں نے قبول کیا۔ ابوسفیان نے کہا معاویہ کو آپ اپنا کاتب بنا لیجیے۔ پیغمبرؐ نے کہا اچھی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کی بیعت میں اسی طرح کافروں سے جنگ کروں جس طرح میں حالتِ کفر میں آپ سے جنگ کرتا تھا، پیغمبرؐ نے کہا تمھیں اجازت ہے۔" [1]

امام مسلم نے فضائل ابوسفیان میں ایسی بھی ایک حدیث درج کی ہے اور یہ حدیث بھی بالاتفاق باطل ہے اس لیے کہ دنیا جانتی ہے ابوسفیان بروز فتح مکہ مسلمان ہوا فتح مکہ سے پہلے وہ شدید ترین دشمنِ خدا و رسول تھا اور ہر لمحہ برسرِ پیکار تھا پیغمبر سے، لیکن اس کی بیٹی ام حبیبہ جن کا نام رملہ تھا یہ ہجرت سے بھی پہلے اسلام لا چکی تھیں اور اُن کا اسلام مستحسن بھی تھا اور جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اُن کے ساتھ انھوں نے بھی ہجرت کی تھی، اپنے باپ ابوسفیان اور اپنی قوم کے ڈر سے ــــ اور پیغمبر

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۶۱ یہ حدیث عکرمہ یمامی کی خود ساختہ باطل حدیثوں میں سے ہے ابن حزم نے بھی اس کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے جیسا کہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں نقل کیا ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں بسلسلہ حالات عکرمہ بن عمار لکھتے ہیں کہ "صحیح مسلم میں ایک بے سر و پا منکر حدیث اس کی بسلسلۂ اسناد عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ ابوسفیان نے پیغمبرؐ سے تین باتوں کا سوال کیا۔ اس کے علاوہ اسی صحیح مسلم میں تین حدیثیں عکرمہ کی اور بھی ہیں دوسرے اسناد سے۔ میں کہتا ہوں کہ منجملہ اس کے دیگر منکرات و اباطیل کے ایک حدیث یہ بھی ان رسول اللہ قال ابوبکر خیر الناس پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر بہترین خلائق ہیں۔ ابن عدی نے اسے اپنی کتاب کامل میں روایت کیا ہے اس کتاب کامل کے متعلق علامہ ذہبی کا قول ہے اکمل الکتب واجلها فی معرفة الضعفا۔ یہ کامل ضعیفوں کی معرفت میں مکمل ترین جلیل القدر کتاب ہے۔"

بہت پہلے ہی انھیں اپنی زوجیت میں لے چکے تھے جبکہ ابوسفیان بحالت کفر پیغمبرؐ کا جانی دشمن اور ہر لمحہ برسر جنگ رہا کرتا تھا۔ جب اسے خبر ملی کہ اس کی بیٹی ام حبیبہ کو پیغمبرؐ نے زوجیت میں لے لیا ہے تو اس نے یہ فقرہ کہا تھا" ذالك الفحل لا یقدع انفه محمد تو ایسے نر ہیں جن کی ناک موڑی ہی نہیں جاسکتی "۔

اور اس کے بعد وہ صلحنامہ حدیبیہ کی مدت پیغمبرؐ سے بڑھوانے کی غرض سے مدینہ آیا اور اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس پہنچا جب ابوسفیان نے ام حبیبہ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انھوں نے بستر سمیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا، مجھ سے اتنی بیزاری؟ ام حبیبہ نے کہا ہاں یہ پیغمبرؐ کا بستر ہے اور تم مرد نجس و مشرک ہو"۔ اس واقعہ کو تمام علمائے اسلام نے لکھا ہے اور کسی کو بھی اس واقعہ میں شک وشبہ نہیں۔ ام حبیبہ کے حالات جس کتاب میں بھی دیکھیے یہ واقعہ آپ کو ملے گا۔ خود علامہ نووی شارح صحیح مسلم[1] بھی اس حدیث کی شرح میں اس واقعہ کو لکھ گئے۔

۱۴

اگلے لوگوں کی ابوہریرہ سے بیزاری

خود ابوہریرہ کے زمانے میں لوگوں نے ابوہریرہ کو بُرا جانا اور اُن کی حدیثیں سن کر اپنے کانوں پر ہاتھ دھرے۔ کیونکہ انھوں نے حدیثوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگا دیے اور ایسے نرالے ڈھنگ سے حدیثیں بیان کیں جس کی وجہ سے اُن کی حدیثوں میں شک و شبہ واجب و لازم تھا اسی وجہ سے لوگوں نے بالمشافہہ ان پر اعتراضات کیے اور اُن کی حدیثوں کی تعداد اور طرز بیان، کیفیت و کمیت دونوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی

---

[1] شرح نووی مطبوعہ برحاشیہ ارشاد الساری

ناپسندیدگی کا اظہار کیا، اس کا ثبوت خود ابو ہریرہ کا قول ہے جو انھوں نے بڑے کرب و الم اور بڑی مظلومیت کے انداز میں کہا تھا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ خدا اُن سے سمجھے نیز لوگ کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے مہاجرین و انصار ابو ہریرہ جیسی حدیث نہیں بیان کرتے"، خود ابو ہریرہ نے صراحت کردی کہ اُن کی حدیثوں کی تعداد اور کیفیت بیان، سبب انکار و ناپسندیدگی رہی۔ ابو ہریرہ نے لوگوں کو خدا اور قیامت کے دن کی دھمکی بھی دی یہ کہہ کر کہ خدا اُن سے سمجھے۔ بڑے دردناک اور دُکھ بھرے انداز میں یہ فقرہ انھوں نے کہا تھا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ ابو ہریرہ اگر شرعاً مکلف نہ ہوتے اور مذہبی حیثیت سے پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کرنا فرض نہ ہوتا تو کبھی وہ حدیث نہ بیان کرتے کیونکہ لوگ اُن کے متعلق اچھے خیالات رکھتے ہی نہیں۔ چنانچہ اسی حدیث کے آخر میں ابو ہریرہ کا یہ جملہ بھی ہے کہ اگر کلام مجید میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں تم سے کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا خداوند عالم کا ارشاد ہے ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللاعنون[1] جو لوگ ہماری نازل کردہ روشن آیتوں اور ہدایت کی باتوں کو ہمارے کتاب میں بیان کردینے کے بعد بھی چھپاتے ہیں وہ لوگ وہی ہیں جن پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں" غالباً اب اس کی صداقت میں کسی کو تامل باقی نہ رہے اُن کے اس قول ہی سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ لوگ ان کی حدیثوں کو ناپسند کرتے تھے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار ان کے مُنہ پر کردیتے تھے۔

اس سے واضح دلیل لوگوں کی ناپسندیدگی کی ابو رزین[2] کی وہ حدیث ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ ہماری طرف ابو ہریرہ آئے انھوں نے اپنی پیشانی پر

---

[1] صحیح بخاری کتاب البیوع [2] صحیح مسلم، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ کتاب اللباس

اٹھا دیا اور کہا تم لوگ کہتے ہو کہ میں پیغمبرؐ پر اتہام رکھتا ہوں اور اُن کی طرف سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتا ہوں تاکہ تم لوگ ہدایت پاؤ اور میں دین سے بھٹکا رہوں؟

اور جب یہ معاویہ کے ہمراہ جماعت والے سال عراق آئے اور اپنے استقبال کرنے والوں کے حجم غفیر پر نظر پڑی تو مسجد کوفہ کے اندر یہ دونوں گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور لگے اپنی کھوپڑی پر دوہتڑ مارنے تاکہ لوگ اُن کی اس حرکت پر متوجہ ہوں جب لوگ ان کی طرف مڑے اور ارد گرد مجمع اکٹھا ہو گیا تو یہ برس پڑے اور کہا "اے عراق والو! کیا تم لوگ یہ کہتے ہو کہ میں خدا و رسول پر جھوٹی تہمت دھرتا ہوں اور جھوٹی حدیثیں گڑھ کر بیان کرتا ہوں اور اپنے کو جہنم کا ایندھن بنا رہا ہوں" اور بھی بہت سی باتیں انھوں[1] نے کہیں اور بنی امیہ کی خوشامد و تملق میں امیر المومنینؑ کے خلاف جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

مختصراً یہ سمجھ لیجیے کہ اکثر صحابہ کبار انھیں جھوٹا سمجھتے تھے چنانچہ فاضل جلیل احمد امین مصری ابوہریرہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں[2]:۔

"بعض صحابہ نے ابوہریرہ کے اتنی افراط سے حدیثیں بیان کرنے پر بہت کڑی تنقیدیں کی ہیں اور اُن کی حدیثوں کو بحید مشکوک کہا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے" اس کے بعد احمد امین مصری نے صحیح مسلم کی دو حدیثیں ذکر کی ہیں جن سے ابوہریرہ پر لوگوں کا تنقید کرنا اور اُن کی حدیثوں میں شک کرنا مذکور ہے۔

فاضل جلیل القدر مصطفےٰ صادق رافعی مصری نے بھی ایک موقع پر ابوہریرہ کے تذکرہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "یہ تمام صحابہ سے زیادہ حدیثیں

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول ص ۳۵۹ طبع مصر [2] فجر الاسلام باب ۶ فصل ۲ ص ۲۶۲

بیان کرنے والے ابو ہریرہ ہیں - یہ صرف تین برس خدمت پیغمبر میں رہے اور اسی وجہ سے عائشہ، عمر، عثمان، علیؑ ان پر اعتراض کرتے اور انھیں متہم گردانتے تھے اور یہ اسلام میں پہلے راوی ہیں جو متہم سمجھے گئے۔ عائشہ تو سب سے زیادہ شدت سے ان پر اعتراض کرتی تھیں[۱]۔"

نظام[۲] نے کہا ہے "عائشہ، عمر، عثمان اور علیؑ ان میں سے ہر ایک نے ابو ہریرہ کو جھوٹا کہا"۔

ابن قتیبہ ابو ہریرہ کی حمایت میں نظام کے اعتراضات کا جب جواب دینے لگے تو انھیں بھی اس حقیقت کا بہرحال اعتراف کرنا ہی پڑا ہم ابن قتیبہ کی اصل عبارت (کا ترجمہ) ہی پیش کیے دیتے ہیں :-

ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ نظام[۳] نے ابو ہریرہ پر یہ جو طعن کیا ہے کہ عمر، عثمان، علی و عائشہ انھیں جھوٹا سمجھتے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ تقریباً ۳ برس پیغمبر کی صحبت میں رہے اور آپ سے بکثرت حدیثیں انھوں نے روایت کیں - لہذا جب انھوں نے اتنی روایتیں بیان کیں جتنی بڑے بڑے صحابہ اور سابقین اولین کی مجموعی تعداد نہ روایت کر سکی تو ان کبار صحابہ[۴] نے انھیں متہم قرار دیا اور ان سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کہا تم نے اتنی حدیثیں اکیلے کیسے سن لیں، تمھارے ساتھ اور کس نے ان حدیثوں کو سنا - ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ عائشہ تو سب سے زیادہ ان کی حدیثوں کی منکر تھیں کیونکہ عرصہ تک دونوں کا

---

[۱] آداب العرب جلد اول ص۲۸۲ مبحث الروایۃ بعد الاسلام [۲] کتاب تادیل مختلف الحدیث ابن قتیبہ ص۲۷ [۳] کتاب تادیل مختلف الحدیث ص۴۸ [۴] ابن قتیبہ نظام کی رد کرنا چاہتے تھے مگر تائید کر گئے - نظام نے صرف عائشہ، عمر، عثمان، علی کا نام لیا تھا انھوں نے اقرار کر لیا کہ تمام کبار صحابہ نے انھیں متہم قرار دیا -

ساتھ رہا - حضرت عمر بھی ایسے لوگوں کے بڑے شدید مخالف تھے جو کثرت سے حدیثیں روایت کیا کرتے یا کوئی ایسی حدیث بیان کرتے جس کا کوئی دوسرا شاہد نہ ہوتا الخ

ابن قتیبہ نے ابو ہریرہ کی حمایت کرتے ہوئے بھی اس بات کا اعتراف کر ہی لیا کہ کبار صحابہ ابو ہریرہ کی اس کثرتِ روایات پر برہم رہا کرتے اللہ کی شان کہ حق بات زبان پر آ ہی گئی - رہ گیا آگے چل کر ابن قتیبہ کا یہ کہنا کہ جب ان کبار صحابہ نے ابو ہریرہ کی سرزنش کی تو ابو ہریرہ نے ان لوگوں کو بتایا کہ پیغمبر کی بارگاہ میں مجھے بہت تقرب حاصل تھا - اور پیغمبر مجھ سے ایسی باتیں بیان فرماتے جو کسی اور سے نہ کہتے اسی وجہ سے میں نے اتنی حدیثیں بیان کیں اور ابو ہریرہ کی اس معذرت پر پھر کبار صحابہ نے اُن کے متعلق[۱] لب کشائی نہیں کی،، تو یہ ابن قتیبہ کی دھاندلی ہے کیونکہ کبار صحابہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ابو ہریرہ کی کیا قدر و قیمت تھی پیغمبرؐ کی نگاہوں میں لہذا ابو ہریرہ کا ان کبار صحابہ سے اپنی منزلت و تقرب جتانا فضول سی بات تھی اگر واقعًا ان کی کوئی منزلت پیغمبر کی نگاہوں میں ہوتی اور کبار صحابہ انھیں معزز و محترم جانتے ہوتے تو کبھی نہ انھیں جھٹلاتے نہ متہم کرتے خود ابو ہریرہ کا بیان اوپر گذر چکا ہے کہ میں منبر و حجرہ عائشہ کے درمیان (عہد پیغمبر میں) غش کے عالم میں گر پڑتا تھا، آنے والے آتے اور میری گردن پہ پیر رکھ کر چلے جاتے لوگ مجھے دیوانہ سمجھتے،، جب اتنی ذلیل نوبت آگئی تھی بعہد پیغمبر تو پھر ان کے معزز و محترم ہونے کے کیا معنی ؟

مختصر یہ کہ کبار صحابہ و تابعین کا انھیں ناپسند کرنا اور انھیں جھوٹا سمجھنا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں صحابہ و تابعین ہمیشہ ان سے بدگمان رہے اور انھیں جھوٹا کہنے میں کبھی ہرگز پرہیز نہیں کیا - یہ پرہیز تو بعد کی نسلوں نے کرنا شروع کیا

---

[۱] کتاب تاویل مختلف الحدیث صفحہ ۵

جب کہ انھوں نے یہ بات طے کرلی کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں اور اُن کے حالات
و کردار کا جائزہ لینا مناسب نہیں - اس چیز کو ان لوگوں نے اصول دین میں سے قرار
دے کر واجب التسلیم بنالیا اور لوگوں کی عقلوں پر پہرے بٹھا دیے، آنکھوں میں سلائیاں
پھیر دیں اور گوش و ہوش پر پردے ڈال دیے -

ائمہ اہل بیتؑ اس مفروضہ سے کوسوں دُور رہے، انھوں نے صحابہ کو ویسا
ہی سمجھا جیسا کہ خود صحابہ ایک دوسرے کو سمجھتے تھے[1] لہٰذا ابوہریرہ کے متعلق جو رائے
علی، عمر و عثمان و عائشہ کی تھی وہی رائے ان کی بھی رہی اور ان کی پیروی میں
امیر المومنینؑ کے عہد کے شیعوں نے بھی انھیں ویسا ہی سمجھا اور امیر المومنینؑ کے بعد
سے آج تک کے شیعیان اہل بیت ویسا ہی سمجھتے آ رہے ہیں اور غالباً فرقہ معتزلہ
کے اکثر افراد بھی ابوہریرہ کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں جو خود کبار صحابہ کی رائے

---

[1] فاضل جلیل احمد امین مصری فجر الاسلام ص ۲۵۹ پر لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ خود صحابہ کا
اپنے زمانے میں یہ دستور تھا کہ بعض صحابہ بعض کی نکتہ چینی کرتے تھے اور بعض کو بعض سے بہتر
جانتے تھے بعضوں کی تو یہ کیفیت تھی کہ جب اُن سے کوئی حدیث بیان کی جاتی تو وہ حدیث
بیان کرنے والے سے ثبوت کے طالب ہوتے بلکہ روایات سے تو اس سے زیادہ کا پتہ چلتا ہے
چنانچہ روایات میں ہے کہ ابوہریرہ نے کوئی حدیث بیان کی مگر ابن عباس نے قابل قبول نہیں سمجھا
بلکہ تردید کی اسی طرح انھوں نے کوئی حدیث بیان کی تو جناب عائشہ نے اس سے انکار کیا
اور ابوہریرہ کی تردید کی - فاطمہ بنت قیس صحابیہ نے کوئی حدیث اپنے اور اپنے شوہر کے متعلق
بیان کی تو حضرت عمر نے یہ کہتے ہوئے اس کی تردید کی کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر خدا جانے
وہ سچ کہتی ہے یا جھوٹ بولتی ہے، حافظ بھی اس کا ٹھیک ہے کہ بھول جایا کرتی ہے اپنے
پروردگار کی کتاب اور پیغمبرؐ کی سنت کو چھوڑ نہیں سکتے - جناب عائشہ نے بھی فاطمہ بنت قیس
کی تردید کی اور فاطمہ سے کہا تم خدا سے ڈرتی نہیں - اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں -

ان کے متعلق تھی۔ امام ابو جعفر اسکافی فرقۂ معتزلہ کے پیشوا کہتے ہیں" ابو ھریرہ
مدخول عند شیوخنا غیر مرضی الروایۃ۔ ابو ہریرہ ہمارے بزرگوں کے
نزدیک خبطی آدمی ہیں ان کی روایتیں ناپسندیدہ ہیں انھیں حضرت عمرؓ نے
درے مارے اور کہا کہ تم بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہو، میرا خیال ہے کہ
تم پیغمبر کی طرف جھوٹی حدیثیں منسوب کیا کرتے ہو" سفیان ثوری نے منصور
سے انھوں نے ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ علماء ابو ہریرہ سے
بس وہی حدیثیں لیا کرتے جو جنت و جہنم کے متعلق ہوتیں۔ ابو اسامہ نے اعمش
سے روایت کی ہے اعمش کہتے ہیں کہ ابراہیم حدیثوں کا صحیح علم رکھتے تھے۔ میں
جب کوئی حدیث سنتا تو اُن کے پاس آتا اُن سے اس حدیث کو بیان کرتا
چنانچہ ایک دن میں ان کے پاس ابو صالح کی چند حدیثیں لایا جنھیں ابو صالح
نے ابو ہریرہ سے سُن کر بیان کیا تھا۔ ابراہیم نے کہا ابو ہریرہ کی بات مجھ سے
دور کرو لوگ اُن کی اکثر حدیثیں ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ تمام لوگوں سے زیادہ جھوٹا یا زندوں میں سب سے
زیادہ پیغمبر کی طرف جھوٹی حدیثیں منسوب کر کے بیان کرنے والا ابو ہریرہ دوسی ہے۔

ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے کہا کہ ہمیں بہت سی ایسی
حدیثیں پیغمبرؐ کی معلوم ہوتی ہیں جو ہمارے قیاس کے مخالف ہوتی ہیں لہٰذا ایسے
موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ امام ابو حنیفہ نے کہا جب ان حدیثوں کو ثقہ لوگ
بیان کریں تو ایسے موقع پر قیاس چھوڑ کر انھیں حدیثوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ میں نے
پوچھا ابو بکر و عمر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا کیا کہنا اُن کا۔
بے شک اُن کی حدیثوں پر عمل کیا جائے گا۔ میں نے پوچھا علیؑ اور عثمان؟

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول ص ۳۶۰

انھوں نے کہا یہ بھی اُسی طرح - جب امام ابوحنیفہ نے دیکھا کہ میں ایک ایک صحابی کا نام لے کر پوچھتا جارہا ہوں تو انھوں نے بات مختصر کرنے کو کہا کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں سوا چند اشخاص کے انھیں چند اشخاص میں ابوہریرہ کا بھی نام لیا اور انس بن مالک کا۔"

میں کہتا ہوں کہ ہمیں تلاش سے خود بھی یہ نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب ابوہریرہ کی حدیثوں پر اس وقت کوئی توجہ ہی نہیں کرتے جب ابوہریرہ کی حدیثیں اُن کے قیاس سے معارض ہوجاتی ہیں۔ مثلاً ابوہریرہ کی ایک حدیث ہے جس میں انھوں نے اس گائے، اونٹ یا بکری کے متعلق جس کا دودھ کئی دن تک نہ دوہا جائے تھنوں ہی میں چھوڑ دیا جائے تاکہ خریدار کو خیال ہو کہ یہ جانور بہت دودھ دینے والا ہے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ایسا نہ کیا جائے اگر کوئی ایسا کرے اور خریدار دھوکہ میں آکر اس جانور کو خرید لے اور بعد میں پتہ چلے کہ اس جانور کا اتنا دودھ نہیں ہوتا جتنا خریدتے وقت معلوم ہوا تھا تو اس خریدار کو حق ہے کہ اس جانور کو اپنے پاس رکھے یا واپس کردے اور جتنا دودھ دوہا ہے اس کے بدلے میں ساڑھے تین سیر کھجور جانور کے مالک کو دیدے - اس حدیث پر امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم خیال افراد نے ذرہ برابر اعتنا نہیں کی اور انھوں نے کہا کہ ابوہریرہ کوئی فقیہ نہیں تھے اور اُن کی یہ حدیث تمام قیاسوں کے مخالف ہے اس لیے کہ دودھ دوہنا زیادتی ہے اور زیادتی کی تلافی یا تو اتنا ہی دودھ دے کر ہوسکتی ہے یا پھر اس کی قیمت کے ذریعہ، ساڑھے تین سیر کھجور نہ تو قیمت ہے نہ دودھ ہے[1]

اسی طرح امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کی متفقہ رائے ہے کہ نماز مطلقاً کلام کرنے کی وجہ سے باطل ہوجاتی ہے چاہے وہ بھول کر کلام کرے یا نادانستہ

[1] دیکھیے کتب فقہ حنفیہ نیز فجر الاسلام ص ۱۶۳

کی وجہ سے یا یہ سمجھ کر کرے کہ میری نماز تمام ہو چکی ہے۔ فقہ حنفی کا یہ کھلا ہوا مسئلہ ہے، سفیان ثوری بھی اسی مسلک پر تھے اور یہ ثبوت ہے اس کا کہ ان حضرات کے نزدیک ابوہریرہ کی حدیث کی کوئی وقعت نہیں کیونکہ ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے سہو فرمایا چار رکعتی نماز پڑھ رہے تھے مگر دوسری ہی رکعت میں سلام پھیر کر فارغ ہو گئے اور اپنی جائے نماز سے اٹھ کے حجرے میں آ گئے پھر وہاں سے جب پلٹے تو لوگوں نے کہا نماز قصر ہو گئی یا آپ نے بھول کر چار کے بجائے دو پر ختم کر دی؟ آں حضرتؐ نے فرمایا نماز نہ تو قصر ہوئی نہ میں بھولا ہی ہوں۔ لوگوں نے کہا، نہیں، آپ بھول گئے ہیں آپ نے دو ہی رکعت نماز پڑھی۔ اتنی بات چیت کے بعد پیغمبرؐ کو یقین ہوا کہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں آپ نے طے کر کے کہ میں نے دو ہی رکعت نماز پڑھی ہے باقی دو رکعتیں آپ نے تمام کیں، پھر سجدہ سہو کیا۔ اس حدیث کو امام شافعی و مالک و امام احمد و اوزاعی وغیرہ نے اختیار کیا اور فتویٰ دیا کہ جو شخص نماز میں بھول کر کلام کرے یا وہ شخص جو یہ سمجھ کر کہ میں نماز تمام کر چکا ہوں کلام کرے تو اس کلام کی وجہ سے اس کی نماز باطل نہیں ہو گی لیکن امام ابوحنیفہ نے ابوہریرہ کی اس حدیث کو قبول نہیں کیا اور انھوں نے فتویٰ[1] دیا کہ محض کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے چاہے وہ کلام بھول کر ہو یا غلط فہمی کی بنا پر۔

ابوہریرہ اور بعض صحابہ کے درمیان چند مزے دار چھیڑ یہیں ذکر کر کے ہم اس فصل کو ختم کرتے ہیں ان واقعات سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابہ کبار کی

---

[1] امام نووی نے ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری سے اس صورت میں نماز باطل ہو جانا نقل کیا ہے اور ان حضرات کے علاوہ دیگر حضرات سے صحت نماز نقل کی ہے ملاحظہ ہو حدیث ابوہریرہ شرح نووی جلد ۴ ص ۲۳۴ برحاشیہ شرح بخاری

نظروں میں ابوہریرہ کی کیا قدر وقیمت تھی۔

خود ابوہریرہ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر کو میری حدیثوں کی خبر ملی تو انھوں نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ فلاں روز جب ہم لوگ فلاں کے گھر میں بیٹھے تھے تو تم بھی ہم لوگوں کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا ہاں اور اسی دن پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر تہمت دھرے اور غلط بات میری طرف نسبت دے کر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔[1] یہ بیان ابوہریرہ کا ثبوت ہے کہ حضرت عمر کے سامنے ابوہریرہ حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے اور نہ یہ ان لوگوں میں تھے جنھیں حدیثیں بیان کرتے حضرت عمر نے دیکھا ہو۔ لوگوں کی زبانی انھیں ابوہریرہ کی حدیثوں کی خبریں ملیں اور حضرت عمر نے ان حدیثوں کی غرابت اور انوکھے پن کی وجہ سے انھیں جھوٹا سمجھا اور انھیں اپنے پاس ڈرانے دھمکانے کے لیے بلایا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر نے انھیں سرزنش کی اور کہا پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کرنا بند کر دو نہیں تو میں تمھارے گھر تمھیں سرزمین دوس (ابوہریرہ کا وطن) یا بندروں والی زمین کی طرف نکال باہر کر دوں گا۔[2]

ایک مرتبہ حضرت عمر پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے بکثرت حدیثیں بیان کرنے پر بیحد غضبناک ہوئے اور درّے سے مارا بھی یہ کہتے ہوئے کہ تم بہت کثرت سے حدیثیں بیان کرتے ہو میرا خیال ہے کہ تم یقیناً پیغمبرؐ کی طرف جھوٹی حدیثیں منسوب کیا کرتے ہو۔

انھیں حضرت عمر نے انھیں بحرین کی حکومت سے معزول کیا اور اتنا مارا کہ ان کی پیٹھ لہولہان ہو گئی اور ان سے دس ہزار روپے چھین کر بیت المال میں داخل کر دیے اور بہت سخت و سُست کہا جسے ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

---

[1] اصابہ حالات ابوہریرہ

[2] تاریخ ابن عساکر۔ کنزالعمال ج ۵ ص ۲۳۹ حدیث ۴۸۸۵

ابوہریرہ

ایک مرتبہ عہد پیغمبرؐ میں حضرت عمر نے انھیں اتنا مارا کہ چاروں شانے چت گر پڑے۔[۱]

حضرت علیؑ کو جب ابوہریرہ کی حدیثیں معلوم ہوئیں تو آپ نے فرمایا کہ تمام لوگوں میں سب سے جھوٹا یا زندوں میں سب سے زیادہ پیغمبرؐ پر جھوٹ بولنے والا ابوہریرہ دوسی ہے۔

ابوہریرہ حدیث بیان کرتے وقت کہا کرتے حدثنی خلیلی مجھ سے میرے دوست پیغمبر خدا نے بیان کیا رایت خلیلی میں نے اپنے دوست محمد مصطفےٰ کو دیکھا قال لی خلیلی مجھ سے میرے دوست محمد مصطفےٰؐ نے ارشاد فرمایا حضرت علیؑ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان سے پوچھا ابوہریرہ! پیغمبر تمھارے دوست کب ہوئے؟ چونکہ حضرت علی ابوہریرہ کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتے تھے[۲] اسی وجہ سے آپ کو ابوہریرہ کا یہ فقرہ ناگوار ہوا۔ علی کی ناگواری کوئی معمولی بات نہیں پیغمبرؐ کا ارشاد ہے علی کے متعلق علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض[۳]۔ علی مع الحق والحق مع علی یدور معہ کیف دار[۴] ظاہر ہے کہ یہ ناگواری خالصتہً لوجہ اللہ ہی ہو گی۔

حضرت عائشہ کو ابوہریرہ کی حدیثوں کی جب خبر ملی تو آپ نے انھیں بلا کر پوچھا یہ کیسی حدیثیں ہیں جنھیں تم پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا کرتے ہو کیا تم نے ہم سے زیادہ پیغمبرؐ کو دیکھا؟ ابوہریرہ نے کہا۔ مادر گرامی آپ کو تو آئینہ کنگھی چوٹی[۵] سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی آپ کہاں سے پیغمبرؐ کی حدیثیں سنتیں۔

۱؎ صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴ ۲؎ تاویل مختلف الاحادیث ص ۵۲ ۳؎ مستدرک امام حاکم اوسط طبرانی کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۳ حدیث ۲۵۲۵ ۴؎ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ پیغمبر نے فرمایا الحق مع ذا الحق مع ذا۔ حق ان کے ساتھ ہے حق ان کے ساتھ ہے پیغمبرؐ نے یہ کہتے ہوئے علی کی طرف اشارہ فرمایا۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۷ ۵؎ مستدرک جلد ۳ ص ۵۰۹ علامہ ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دے کر تلخیص مستدرک میں باقی رکھا ہے۔

ابوہریرہ نے ایک حدیث بیان کی کہ کتا، عورت، گدھا نماز پڑھنے والے کے سامنے سے اگر گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ جناب عائشہ نے سختی سے تردید کی اور کہا بارہا ایسا ہوا کہ پیغمبر نماز پڑھا کرتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے بیچ میں لیٹی رہا کرتی۔

ایک مرتبہ انھوں نے ایک حدیث بیان کی کہ ایک موزہ پہن کر چلنا منع ہے عائشہ کو اس کی خبر ملی تو وہ ایک موزہ پہن چلیں اور کہا میں ابوہریرہ کو جھٹلا کر رہوں گی[1]

ایک حدیث میں انھوں نے بیان کیا کہ جو شخص بحالت جنابت صبح کرے اس کا روزہ اس دن کا نہ ہوگا۔ عائشہ و حفصہ نے ان کی تردید کی ان کو سختی سے جھٹلایا اس پر ابوہریرہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اپنی بات واپس لے لی یہ عذر کرتے ہوئے کہ میں نے فضل سے سُنا تھا۔

دو شخص جناب عائشہ کے پاس آئے اور کہا کہ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا "شگون عورت میں ہے اور چوپایہ میں"[2] جناب عائشہ بپھر گئیں اور کہا خدا کی قسم ابوہریرہ نے جھوٹ کہا۔

ایک مرتبہ حجرۂ عائشہ کے پہلو میں بیٹھ کر ابوہریرہ حدیثیں بیان کرنے لگے عائشہ نماز میں مشغول تھیں فارغ ہونے پر جناب عائشہ نے کہا کیا یہ بات تعجب خیز نہیں کہ میرے پہلو میں بیٹھ کر اور مجھے سناتے ہوئے یہ شخص پیغمبر کی طرف منسوب کر کے حدیثیں بیان کرتا ہے اور میں نافلہ میں مشغول تھی بول نہیں سکتی تھی اگر میری فراغت کے وقت وہ اُٹھ نہ جاتا تو میں اس کی حدیثوں کی قلعی کھولتی۔

ابوہریرہ نے یہ حدیث بیان کی کہ آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص سو کر اُٹھے دھرتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنا ہاتھ دھو لے کیونکہ تمھیں کیا پتہ کہ سونے میں

---

[1] یہ سب حدیثیں کتا تاویل مختلف الاحادیث ص۲۶ میں ابن قتیبہ نے لکھی ہیں [2] تاویل مختلف الاحادیث ص۱۲۶

تھارا ہاتھ کہاں تھا۔ جناب عائشہ نے اس حدیث سے انکار کیا اور قابل اعتنا نہ جانا۔
ایک حدیث میں انھوں نے بیان کیا کہ جو شخص جنازہ اٹھائے وہ بعد میں وضو کرلے۔ ابن عباس نے اُن کی علی الاعلان تردید کی اور کہا کہ خشک لکڑیوں کے اٹھانے سے ہم پر وضو واجب نہ ہوگا۔

ابن عمر پیغمبرؐ کی یہ حدیث بیان کر رہے تھے کہ پیغمبرؐ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے سوا شکاری کتوں اور بکریوں، مویشیوں کی نگرانی کرنے والے کتوں کے۔ ابن عمر سے لوگوں نے کہا کہ ابوہریرہ تو کہتے ہیں کہ کھیت کی حفاظت کرنے والے کتے کو بھی پیغمبرؐ نے مستثنیٰ فرمایا ہے اسے بھی نہ مارنا چاہیے۔ ابن عمر نے ابوہریرہ کے اس قول کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور اُن کی تردید میں کہا کہ ابوہریرہ کا خود ایک کھیت تھا؛ اسی لیے کھیتی والے کتے کا انھوں نے اپنی طرف سے اضافہ کردیا ہے تاکہ اُن کا کتا بھی محفوظ رہے اور کھیت بھی۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔

اسی صحیح مسلم میں ابوہریرہ کی یہ حدیث بھی ہے کہ جس شخص نے کتا پالا، سوا مویشی کی حفاظت کرنے والے کتے یا شکاری کتے یا کھیت کی رکھوالی کرنے والے کتے کے اس کے اجر میں سے ہر دن ایک قیراط کم ہو جائے گا۔ لوگوں نے ابن عمر سے اُن کا یہ قول دُہرایا انھوں نے کہا خدا بھلا کرے ابوہریرہ کا قصہ یہ ہے کہ وہ کھیت رکھتے تھے اپنے فائدہ کی خاطر انھوں نے کھیتی والے کتے کا اپنی طرف سے اضافہ کردیا۔ سالم بن عبداللہ بن عمر نے بھی ان کی ایک حدیث میں انھیں متہم قرار دیا ہے۔

ابوہریرہ نے قنفذ (ساہی) کے متعلق جو حدیث بیان کی ہے ابن عمر نے کبھی اسے سچ نہ جانا برابر انھیں اس کی صحت کے متعلق شک ہی رہا۔

ابن عمر نے ابوہریرہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سُنا کہ جس شخص نے مشایعت جنازہ کی اسے ایک قیراط اجر ملے گا۔ ابن عمر نے کہا ابوہریرہ سے تو

حدیثوں کی انتہا کردی جب عائشہ سے دریافت کر کے تصدیق کر لی تب اس کی صحت کا اطمینان ہوا۔

اسی طرح عامر بن شریح نے جب ابوہریرہ کی یہ حدیث سنی کہ جو شخص لقائے الٰہی کا مشتاق ہوگا خدا بھی اس کا مشتاق ہوگا اور جو شخص لقائے الٰہی کو ناپسند کرے گا خدا بھی ناپسند کرے گا تو انھوں نے بھی جب تک جناب عائشہ سے اس کی تصدیق نہ کر لی اس حدیث کو سچ نہ سمجھا۔

اگر ہم ان واقعات و موارد کو ذکر کریں جہاں بزرگان سلف نے ابوہریرہ کی تردید کی تو "سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے" اتنے ہی پر ہم بس کرتے ہیں مختصراً یہ سمجھ لیجیے کہ حضرت عمر، عثمان، علی، عائشہ سبھی نے انھیں جھوٹا جانا اور اتفاقی طور پر یہ امر طے شدہ ہے کہ جب جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو جرح ہی مقدم سمجھی جائے گی۔ مزید براں یہاں تو جرح و تعدیل کا تعارض بھی نہیں خالی جرح ہی جرح ہے۔

رہ گیا یہ کلیہ کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں تو اس کی کوئی دلیل نہیں۔ صحابہ اس قاعدے کو جانتے بھی نہ تھے اگر بفرض محال اس قاعدے کو صحیح سمجھ بھی لیں تو پھر یہ قاعدہ اس صحابی کے متعلق جاری کیا جا سکے گا جس کا حال ہمیں معلوم نہ ہو لہٰذا خیال کر لیں گے کہ وہ عادل ہی ہوگا لیکن جیتی مکھی تو نگلی نہیں جا سکتی جب ہمیں کسی کے کیریکٹر کا بخوبی علم ہو جس کے متعلق ہمیں معلوم ہو کہ عمر و عثمان، علی و عائشہ اسے جھوٹا سمجھتے تھے تو اسے کیسے ہم سچا سمجھ لیں گے۔

ہم شیعہ صحابہ کو نہ تو حد سے زیادہ اونچا کرتے ہیں نہ نیچے گراتے ہیں ہماری رائے ان کے متعلق بیچوں بیچ کی ہے جو اچھا ہے اسے اچھا کہیں گے جو بُرا ہے اُسے بُرا کہیں گے نہ یہ کہ محض صحابی ہونے کی وجہ سے بُرے سے بُرے کو بھی اچھا کہنے لگیں۔

۱۵

اپنے جھوٹا سمجھنے والوں پر ابوہریرہ کا احتجاج

جو لوگ کہ ابوہریرہ کو جھوٹا کہتے ہیں انھیں متہم سمجھتے، انھیں قائل کرنے کے لیے ابوہریرہ کہا کرتے کہ "لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں حالانکہ خدا ہی سمجھنے والا ہے۔" نیز لوگ یہ کہتے ہیں کہ مہاجرین و انصار آخر ابوہریرہ جیسی حدیثیں کیوں نہیں بیان کرتے (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) میرے بھائی مہاجرین بازاروں میں خرید و فروخت میں مصروف رہا کرتے اور میرے بھائی انصار اپنی کھیتی گرہستی میں پھنسے رہا کرتے ہیں ایک مرد مفلس تھا ہر وقت پیغمبرؐ سے چپکا رہا کرتا تھا صرف پیٹ بھر کھانے کی طمع میں لہذا جب سب کے سب غائب ہوتے ہیں میں ہی حاضر رہتا اور جو چیزیں وہ لوگ سن کر بھول جاتے میں یاد رکھا کرتا۔" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۴ ۔ صحیح مسلم ۔ مسند احمد جلد ۲)

"ایک دن پیغمبرؐ نے فرمایا جو شخص میری اس گفتگو کے ختم ہونے تک اپنے لباس کو بچھائے رہے اور میرے فارغ ہونے پر پھر سمیٹ لے وہ کبھی میری زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی نہ بھولے گا میں نے اپنا کمبل جس کے سوا میرے بدن پر کچھ نہ تھا اتار کر بچھا دیا اور اس وقت تک بچھائے رہا جب تک کہ پیغمبرؐ کی تقریر تمام نہ ہوئی پھر میں نے اٹھا کر اوڑھ لیا خدا کی قسم پھر میں آج تک پیغمبرؐ کی اس دن کی تقریر کا ایک حرف بھی نہیں بھولا خدا کی قسم اگر کتاب الٰہی کی یہ آیت نہ ہوتی ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ جو لوگ کہ ہماری نازل کی ہوئی روشن آیات اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں" تو میں کبھی کسی سے

کچھ نہ کہتا نہ پیغمبرؐ کی کوئی حدیث بیان کرتا۔"

ابو ہریرہ نے اپنے ان جملوں سے ان لوگوں کو چپ کرنا چاہا ہے جو اُن کی حدیثوں کی بہتات اور طرز بیان پر لب کشائی کرتے ہیں، اسی لیے انھوں نے لوگوں کو قائل کرنے اور اپنی پاکیزہ نفسی کو جتانے کے لیے یہ حدیث پیش کی ہے مگر سچ پوچھیے تو خود ابو ہریرہ نے اپنا مذاق اڑایا ہے اور اُلٹے مخالفین کو انھیں کے ذریعہ حربہ ہاتھ آ گیا۔ بخدا حدیثیں گڑھنے والوں نے جتنی حدیثیں بنائی ہیں ابو ہریرہ کی اس حدیث سے زیادہ پھیکی اور پھُس پھُسی کوئی حدیث نہ ملے گی۔ میں ان کی اس حدیث کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا اگر بخاری و مسلم وغیرہ ایسے جمہور اہلسنت کے ائمہ حدیث نے اسے اپنے صحاح میں درج نہ کیا ہوتا۔ وہ چونکہ ہر صحابی سے عقیدت رکھتے ہیں لہذا ابو ہریرہ کی حدیثوں کو کیوں نہ سر آنکھوں پر رکھیں —— مگر یہ حدیث قطعاً باطل اور صراحۃً مہمل ہے کیونکہ

(۱) ابو ہریرہ نے بیان کیا ہے کہ مہاجرین خدمت پیغمبرؐ میں کم رہا کرتے کیونکہ خرید و فروخت کی مصروفیت رہا کرتی اور انصار اپنی کھیتی گرہستی میں پھنسے رہتے انھوں نے ایک ہی لاٹھی سے مہاجرین و انصار دونوں کو ہانکا ہے۔ انصاف فرمایئے خداوند عالم کا تو یہ ارشاد ہے رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله ایسے لوگ جنھیں خرید و فروخت ذکر خدا سے غافل نہیں کرتی۔ جو صریحی نص ہے کہ پیغمبرؐ کے ملنے والوں میں ایک تعداد ان خالص مومنین کی تھی جنھیں خرید و فروخت یاد خدا سے غافل نہ رکھتی تھی اور ابو ہریرہ بلا استثنا سبھی پر خدمت پیغمبرؐ سے غیر حاضری کا الزام لگاتے ہیں۔ کتاب خدا سے معارض ہونے کی صورت میں ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے علاوہ اور کسی قابل اُن کی یہ حدیث ہو سکتی ہے؟ ابو ہریرہ آخر تھے کون کہ خاص الخاص مومنین کے غائب ہونے پر بھی وہ حاضر رہا کریں اور جو چیز سب

بھول جائیں اسے یہ یاد رکھیں اس کھلے ٹھلے سے وہ اتنا بڑا دعوی کرتے ہیں نہ کسی سے ڈرتے ہیں نہ شرماتے ہیں، کیوں نہ ہو، اپنا راج تھا معاویہ کی حکومت تھی نہ عمر تھے نہ عثمان نہ علیؑ نہ طلحہ نہ زبیر نہ سلمان نہ مقداد نہ ابوذر نہ انھیں جیسے بزرگان صحابہ پھر ڈر کس کا تھا؟ ان کے اس دعوے کو صداقت سے دور کا بھی لگاؤ ہے؟ دنیا جانتی ہے کہ علی کو پیغمبر سے کتنی قربت و نزدیکی اور خصوصی منزلت حاصل تھی، علیؑ بچے ہی تھے کہ پیغمبرؐ نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا، کلیجہ سے لگایا، ساتھ کھلاتے ساتھ سُلاتے، انھیں اپنی خوشبو سونگھاتے، لقمہ مُنہ میں چبا کر کھلاتے کبھی انھیں جھوٹ بولتے، ہمل کام کرتے پیغمبرؐ نے نہیں دیکھا۔ رسول اللہ کی دودھ بڑھائی کے وقت سے خداوند عالم نے اپنے فرشتوں میں سے ایک جلیل القدر فرشتے کو آپ کا ہم نشین جلیس بنا دیا تھا جس کے ساتھ آں حضرتؐ دن رات، کل عالم کے اخلاق کریمہ و محاسن عظیمہ پر چلتے تھے اور علی جملہ حالات میں پیغمبرؐ کی پیروی اس طرح کرتے جیسے اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے ہوتا ہے۔ پیغمبر ہر روز اپنے پرچم اخلاق و علم مکارم کو علیؑ کے لیے بلند فرماتے اور انھیں اس کی پیروی کا حکم دیتے اور جب پیغمبر کوہ حرا میں مقیم ہوتے تو صرف علی (اور خدیجہ) ہی آپ کے پاس ہوتے۔ وحی رسالت کے نور کو دیکھتے اور خوشبوئے نبوت کو سونگھتے اور آگے چل کر مدینہ علم پیغمبرؐ کے دروازے تمام امت پیغمبرؐ میں سب سے بڑھ کر صحیح فیصلہ کرنے والے آپ کے رازوں کا خزینہ آپ کے جانشین آپ کے حکمت کے وارث آپ کی پریشانیوں کے دور کرنے والے اور "یاد رکھنے والے کان" ہوئے اور ومن عندہ علم الکتاب کے مصداق ٹھہرے۔

کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ علی پیغمبرؐ کی حدیثوں کو تو بھول جائیں اور ابوہریرہ یاد رکھیں، یا یہ کہ پیغمبرؐ ابوہریرہ کو رموز و اسرار سے آگاہ فرمائیں اور علیؑ سے پوشیدہ رکھیں۔ علاوہ اس کے صرف گنتی کے مہاجرین تھے جن کا

مشغلہ تجارت رہا کرتا تھا اور نہ ابوذر، مقداد، عمار اور ابو ہریرہ کے رفقاء اصحاب صفہ جو ستر کی تعداد میں تھے جن کی غربت کا عالم یہ تھا کہ خود ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ کسی شخص کے پاس ردا تک نہ تھی صرف تہبند ہوا کرتا یا چادر ہوتی جسے وہ گلے سے لٹکائے ہوتے۔ ان حضرات کا مشغلہ تو تجارت نہیں تھا۔ ان لوگوں نے کیوں نہیں ابو ہریرہ جیسی حدیثیں بیان کیں، حدیثوں کے ڈھیر لگانے میں یہ لوگ کیوں ابو ہریرہ سے پیچھے رہے کہ سب کی بیان کردہ حدیثوں کی مجموعی تعداد بھی ایک اکیلے ابو ہریرہ کی حدیثوں سے کہیں گھٹ کر ہے اسی طرح انصار بھی سب کے سب کھیتی گرہستی والے نہ تھے جیسا کہ ابو ہریرہ کا دعویٰ ہے مثلاً جناب سلمان فارسی ہی کو لیجیے جن کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا ہے سلمان منا اھل البیت سلمان ہم اہلبیت سے ہیں اگر دین ثریا پر بھی ہو تو سلمان پالیں (استیعاب) اور جناب عائشہ کا بیان ہے کہ سلمان کی ایک نشست پیغمبرؐ کے ساتھ تنہائی میں ہوا کرتی کوئی وہاں نہیں جا سکتا تھا ہم لوگوں سے بھی بڑھ گئے تھے۔ اسی استیعاب میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا "سلمان فارسی مثل لقمان حکیم کے ہیں جو اول و آخر کا علم رکھتے ہیں اور علم کا وہ چڑھتا ہوا دریا ہیں جو کبھی اترتا نہیں" کعب الاحبار کہا کرتے کہ "سلمان علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں"۔ اسی طرح ابو ایوب انصاری کے متعلق بھی دنیا جانتی ہے کہ ان کی گذر اوقات کا ذریعہ بہت مختصر تھا علم و عمل سے انھیں کوئی چیز روکنے والی نہ تھی، اسی طرح ابو سعید خدری، ابو فضالہ انصاری اور دیگر اجلہ انصار رضی اللہ عنہم۔

مزید براں حکیم اسلام خاتم النبیین پیغمبرؐ کے اوقات ایک جیسے نہ تھے بلکہ رات و دن میں ہر کام کے لیے حکیمانہ حیثیت سے اوقات مقرر تھے چنانچہ اصحاب کی تعلیم و تہذیب کے لیے بھی وقت مقرر تھا جو خرید و فروخت کے اوقات یا

کھیتی گرہستی کے اوقات سے ٹکراتا نہیں تھا، اس مقررہ وقت میں تو مہاجرین خدمت پیغمبرؐ سے غائب رہتے نہ انصار، ان سے بڑھ کر طلبگار علم کون ہوسکتا تھا۔

(۲) اگر ابو ہریرہ کا یہ کہنا کہ "پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ جو شخص اپنا کپڑا اس وقت تک بچھائے رہے جب تک میری تقریر نہ ختم ہو پھر اس کو سمیٹ کر سینہ سے لگالے وہ میری تقریر کبھی بھولے گا نہیں" صحیح مان لیا جائے تو یقیناً اصحاب پیغمبرؐ اس کی طرف دوڑ پڑتے سب کے سب اپنے کپڑے بچھادیتے بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی فضیلت ہاتھ آرہی تھی اس سے چوکتا کون؟ آخر کیوں نہیں اصحاب پیغمبرؐ نے اس فضیلت کو حاصل کیا کس چیز نے انھیں کپڑے بچھانے سے روکے رکھا اتنی بڑی منزلت و فضیلت اور ایسی گراں قدر نعمت!!! اور کسی نے بھی پروا نہ کی۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ تمام صحابہ علم سے اتنا پرہیز کرتے تھے اور پیغمبرؐ جس چیز کی طرف دعوت دیں اس چیز سے اتنے متنفر و گریزاں تھے؟ خدا کی پناہ یہ تو صحابہ کے ساتھ اچھا گمان نہیں اور نہ اُن کی اچھی تصویر ہے۔

(۳) اگر ابو ہریرہ کا یہ کہنا صحیح مان لیا جائے تو یقیناً صحابہ کی ندامت و حسرت بہت زیادہ ہوتی سبھی زندگی بھر کف افسوس ملتے رہے ہوتے کہ اتنی بڑی فضیلت، ایسی گراں قدر نعمت بیٹھے بٹھائے مل رہی تھی اور وہ موقع سے چوک گئے اور اُن کی ندامت و حسرت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ ہوتی بلکہ دنیا جانتی عالم کو خبر ہوتی وہ صحابہ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے چادر نہ بچھانے پر ایک دوسرے کو ملامت کرتے اور ابو ہریرہ کی قسمت پر رشک کرتے کہ اُن بیچارے کے پاس ایک کپڑا تھا اس ایک کپڑے کو انھوں نے بچھا دیا اور صحابہ جن میں سے ہر ایک کے پاس کم سے کم دو کپڑے ہوا کرتے تھے انھیں اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ ایک کپڑا ہی بچھا دیتے لیکن نہ تو صحابہ ہی کو پشیمانی ہوئی نہ انھیں رنج و افسوس ہوا

نہ انھوں نے ابوہریرہ کی حالت پر رشک کیا، کوئی بات ہی نہیں ہوئی لہذا ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ حدیث بھی ابوہریرہ کے پٹارے کی ایک حدیث ہے۔

(۴) اگر یہ بات سچ تھی تو یقیناً ابوہریرہ کے علاوہ دیگر اصحاب جن سے پیغمبرؐ نے کپڑا بچھانے کی فرمائش کی تھی وہ بھی اس حدیث کو بیان کرتے بلکہ اصحابہ وتابعین اس واقعہ کو علامات نبوت و آیات اسلام اور ادلہ دین سے شمار کرتے اور ہر زمانے کے لوگ کثرت سے بیان کرتے آتے اور دوپہر کے آفتاب کی طرح یہ حدیث شائع و ذائع ہوتی مگر ہائے افسوس کہ بیان کرنے والے صرف ابوہریرہ نکلے جس سے یہی سمجھنا پڑے گا کہ یہ بھی ان کے مزخرفات و جہلات سے ہے۔

(۵) اس قصہ میں خود ابوہریرہ کے بیانات ایک دوسرے سے برعکس ہیں کسی موقع پر کچھ کہا کسی موقع پر کچھ ایک بیان تو آپ مذکورہ بالا حدیث میں سُن چکے کہ پیغمبرؐ نے کہا جو شخص میری تقریر ختم ہونے تک اپنے کپڑے بچھائے رہے گا اور بعد ختم تقریر اپنے سینے سے لگا لے گا وہ میری تقریر کبھی نہ بھولے گا۔ میں نے اپنا کمبل جس کے علاوہ میرے پاس کوئی اور کپڑا نہ تھا بچھایا اور بعد ختم تقریر سمیٹ کر سینہ سے لگا لیا۔ خدا کی قسم اس کی برکت سے پھر کوئی چیز آج تک نہ بھولا۔ اور کبھی یہ بیان کیا (جیسا کہ مقبری نے روایت کی ہے) کہ "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کی حدیثیں سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ، میں نے چادر پھیلا دی۔ آپ نے مٹھیاں بھریں اُس چادر میں ڈال دیں (علم جیسے ستو، شکر جیسی چیز تھی کہ دونوں ہاتھ سے آپ نے اُن کی چادر میں ڈال دیا) پھر آپ نے فرمایا کہ اب سمیٹ لو، میں نے سمیٹ لیا پھر میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا۔" (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۴ باب حفظ العلم کتاب العلم)

ملاحظہ فرمائیے دونوں بیانات کو، پہلے بیان کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ

یہ قصہ پیغمبرؐ اور اصحاب کے درمیان کا ہے اور پیغمبرؐ نے خود پہل فرمائی اور چادر بچھانے کی فرمائش کی اور دوسرے بیان سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ صرف پیغمبرؐ تھے اور ابوہریرہ اور یہاں ابوہریرہ نے ابتدا کی کہ پیغمبرؐ سے کہا کہ میں حدیثیں سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔

نیز پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص چادر بچھاتا وہ صرف اس وقت کی تقریر کو کبھی نہ بھولتا، پیغمبرؐ کی سب حدیثیں نہیں بلکہ مخصوص اُس وقت کی تقریر اور آخری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی بات فراموش نہ ہوگی چاہے وہ حدیث ہو یا حدیث کے علاوہ باتیں۔ کیونکہ خود ابوہریرہ مدعی ہیں کہ پھر میں کوئی بات نہیں بھولا۔ اس منزل پر آکر صحیح بخاری کے شارحین عجیب مصیبت میں پڑگئے اور کوئی بات اُن کے بنائے نہ بن سکی۔ یہاں تک کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ کہہ دیا کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ایک مرتبہ اصحاب کے مجمع میں وہاں پیغمبرؐ نے صرف اس وقت کی تقریر کے متعلق نہ فراموش ہونے کا وعدہ کیا تھا اور دوسری مرتبہ تنہائی میں جب کہ کسی بھی چیز کے نہ فراموش ہونے کا وعدہ فرمایا۔ علامہ ابن حجر کی یہ تاویل جتنی بودی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ دو مرتبہ اس واقعہ کا پیش آنا تو بڑی بات ہے ایک مرتبہ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو ابوہریرہ کے علاوہ اور بھی صحابہ اس واقعہ کو بیان کیے ہوتے اور مسلمانوں کا بچہ بچہ اس واقعہ سے واقف ہوتا مگر ابوہریرہ کے سوا کسی بھی صحابی نے اس واقعہ کی روایت نہیں کی۔

مزید برآں امام مسلم نے یونس سے انھوں نے ابن مسیب سے اسی واقعہ کو تیسری طرح روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں ابوہریرہ روایت کرتے ہیں فما نسیت بعد ذالک شیئاً حدثنی به اس دن کے بعد پیغمبرؐ نے جو حدیث بھی مجھ سے ارشاد فرمائی میں بھولا نہیں" اس حدیث کا مفہوم پہلی روایت سے عام دوسری روایت سے

خاص ہے تینوں روایتوں کی ترتیب اب یوں قرار پاتی ہے :-

(۱) اس خاص دن کی تقریر کبھی فراموش نہ ہوئی ۔ (۲) کوئی بھی بات خواہ پیغمبرؐ کی حدیث ہو یا کچھ اور نہ فراموش ہوئی ۔ (۳) پیغمبرؐ کی حدیثیں فراموش نہ ہوئیں ۔

اب اتنے اختلافات کے ہوتے اور اتنی روایتوں کی موجودگی میں آپ ہی انصاف فرمائیے کس کو صحیح مانا جائے اور کس کو غلط ۔

ایک اور طرح سے حدیث ابن سعد کی ہے جو انھوں نے بسلسلہ اسناد عمرو بن مرداس ابن عبدالرحمان جندی سے انھوں نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے جس میں ابوہریرہ بیان کرتے ہیں قال رسول اللہ ابسط ثوبك فبسطته فحدثني النهار ثم ضممت ثوبي الى بطني فما نسيت شيئاً مما حدثني ۔ پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنا کپڑا بچھاؤ، میں نے بچھا دیا، پیغمبرؐ نے اس پورے دن مجھ سے حدیث بیان فرمائی پھر میں نے کپڑا سمیٹ کر پیٹ سے لگا لیا اس دن جو کچھ پیغمبرؐ نے بیان کیا میں نہیں بھولا " اس میں فحدثني النهار کا ٹکڑا ہے یہ صرف جندی والی حدیث میں مذکور ہے اور جتنی حدیثیں اس مضمون کی ابوہریرہ سے مروی ہیں ان میں یہ ٹکڑا نہیں ۔

ابویعلی نے بطریق ابی سلمہ ایک اور انوکھے طریقہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے جو سب سے نرالا اور ہر ایک کے مخالف ہے انھوں نے روایت کی ہے کہ " پیغمبرؐ کی بیماری میں ابوہریرہ عیادت کو آئے کھڑے کھڑے سلام کیا ۔ پیغمبرؐ علیؑ کے سینے کا سہارا لیے ہوئے تھے اور علی کا ہاتھ پیغمبرؐ کے سینے پر تھا اور پیغمبرؐ اپنی ٹانگیں پھیلائے ہوئے تھے، آں حضرتؐ نے فرمایا ابوہریرہ قریب آؤ ۔ وہ قریب گئے، آں حضرتؐ نے فرمایا اور قریب آؤ، وہ اور قریب گئے پھر آپ نے فرمایا کہ اور قریب آؤ، وہ اور قریب گئے یہاں تک کہ ابوہریرہ کی انگلیاں پیغمبرؐ کی

انگلیوں سے چھونے لگیں پھر آپ نے فرمایا بیٹھو وہ بیٹھ گئے آں حضرتؐ نے فرمایا اپنے کپڑے کا کنارہ میرے قریب کرو ابو ہریرہ نے اپنے کپڑے کو کھولا اور پھیلا کر پیغمبرؐ کے قریب کیا۔ آں حضرتؐ نے فرمایا ابو ہریرہ میں تمھیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں جب تک زندہ رہنا انھیں نہ چھوڑنا۔ ابو ہریرہ نے کہا آپ فرمائیں آں حضرتؐ نے فرمایا ہر جمعہ کو غسل کرنا اور نماز جمعہ میں شرکت کے لیے سویرے ہی سے نکلنا اور کبھی لغویات اور لہو لعب کے کام نہ کرنا اور ہر مہینہ کے تین دن روزے رکھنا کہ وہ زمانہ بھر کے روزے رکھنے کے برابر ہے اور دو رکعت نافلہ صبح کبھی ترک نہ کرنا چاہے رات بھر بھی عبادت کرتے رہے ہو کیونکہ صبح ہی کی دو رکعت میں مرادیں ہیں۔ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا پھر کہا اپنے کپڑے سمیٹ لو انھوں نے کپڑا سمیٹ کر سینہ سے لگا لیا۔

انھیں ابو یعلی نے (جیسا کہ اصابہ میں بسلسلہ حالات ابی ہریرہ مذکور ہے) بطریق ولید بن جمیع روایت کی ہے انھوں نے ابو ہریرہ سے، ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی چادر کھولو، میں نے چادر کھولی، پھر فرمایا کہ اب اسے سینے سے لگا لو، میں نے سینے سے لگا لی پھر اس کے بعد میں کوئی حدیث نہیں بھولا۔

نیز ابو یعلی نے (جیسا کہ اصابہ میں ہے) بطریق ابن عبید روایت کی ہے انھوں نے حسن بصری سے اور انھوں نے ابو ہریرہ سے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کون ہے کہ مجھ سے ایک کلمہ یا دو کلمے یا تین کلمے لے اور اپنے کپڑے میں اس کی گرہ باندھ لے اور لوگوں کو سکھلائے۔ میں نے پیغمبرؐ کے سامنے جبکہ آپ حدیث ارشاد فرما رہے تھے اپنا کپڑا کھول کر پھیلایا پھر سمیٹ لیا میں امید کرتا ہوں کہ پیغمبرؐ نے جو بھی حدیث بیان کی ہے نہ بھولوں گا۔

انگلیوں سے چھونے لگیں پھر آپ نے فرمایا بیٹھو وہ بیٹھ گئے آں حضرتؐ نے فرمایا اپنے کپڑے کا کنارہ میرے قریب کرو ابو ہریرہ نے اپنے کپڑے کو کھولا اور پھیلا کر پیغمبرؐ کے قریب کیا۔ آں حضرتؐ نے فرمایا ابو ہریرہ میں تمھیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں جب تک زندہ رہنا انھیں نہ چھوڑنا۔ ابو ہریرہ نے کہا آپ فرمائیں آں حضرتؐ نے فرمایا ہر جمعہ کو غسل کرنا اور نماز جمعہ میں شرکت کے لیے سویرے ہی سے نکلنا اور کبھی لغویات اور لہو لعب کے کام نہ کرنا اور ہر مہینہ کے تین دن روزے رکھنا کہ وہ زمانہ بھر کے روزے رکھنے کے برابر ہے اور دو رکعت نافلہ صبح کبھی ترک نہ کرنا چاہے رات بھر بھی عبادت کرتے رہے ہو کیونکہ صبح ہی کی دو رکعت میں مرادیں ہیں۔ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا پھر کہا اپنے کپڑے سمیٹ لو انھوں نے کپڑا سمیٹ کر سینہ سے لگا لیا۔

انھیں ابو یعلی نے (جیسا کہ اصابہ میں بسلسلہ حالات ابی ہریرہ مذکور ہے) بطریق ولید بن جمیع روایت کی ہے انھوں نے ابو ہریرہ سے، ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی چادر کھولو، میں نے چادر کھولی، پھر فرمایا کہ اب اسے سینے سے لگا لو، میں نے سینے سے لگا لی پھر اس کے بعد میں کوئی حدیث نہیں بھولا۔

نیز ابو یعلی نے (جیسا کہ اصابہ میں ہے) بطریق ابن عبید روایت کی ہے انھوں نے حسن بصری سے اور انھوں نے ابو ہریرہ سے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کون ہے کہ مجھ سے ایک کلمہ یا دو کلمے یا تین کلمے لے اور اپنے کپڑے میں اس کی گرہ باندھ لے اور لوگوں کو سکھلائے۔ میں نے پیغمبرؐ کے سامنے جبکہ آپ حدیث ارشاد فرما رہے تھے اپنا کپڑا کھول کر پھیلایا پھر سمیٹ لیا میں امید کرتا ہوں کہ پیغمبرؐ نے جو بھی حدیث بیان کی ہے نہ بھولوں گا۔

امام احمد نے بھی بطریق مبارک ابن فضا حسن بصری سے اسی مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔

ابونعیم اصبہانی نے عبداللہ ابن ابی یحییٰ سے انھوں نے سعید بن ابی ہند سے انھوں نے ابوہریرہ سے یہ روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ابوہریرہ تم اس مال غنیمت کا سوال نہیں کرتے جیسا کہ تمھارے اصحاب سوال کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضور میرا سوال یہ ہے کہ خدا نے آپ کو جو علوم تعلیم کیے ہیں مجھے بھی تعلیم فرمائیں پھر میں نے اپنی پیٹھ سے کمبل اتارا اور اپنے اور پیغمبرؐ کے درمیان بچھایا، میری نظروں میں وہ منظر آج تک ہے کہ جوئیں اس کمبل پر چل رہی تھیں آں حضرتؐ نے حدیث ارشاد فرمائی اور میں نے ایک ایک لفظ غور سے سُنا پھر آپ نے فرمایا اسے سمیٹ کر اپنے پاس باندھ رکھو چنانچہ پیغمبرؐ نے جو کچھ بھی بیان فرمایا اس کا ایک حرف بھی میرے ذہن سے کبھی نہ نکلا۔"

اس حدیث کو دیکھیے اور اوپر کی تمام حدیثوں سے ملائیے الفاظ بھی بدلے ہوئے ہیں اور معانی بھی، کسی حدیث سے اس کا میل نہیں۔

(۶) ابوہریرہ نے اس حدیث میں کہا ہے کہ میں نے اپنا کمبل اُتار کر بچھا دیا، اس کمبل کے علاوہ میرے پاس دوسرا کوئی کپڑا نہ تھا، ابوہریرہ کے ظاہری الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ ننگے ہو گئے ہوں گے۔ مگر قسطلانی اور زکریا انصاری نے اپنی شرحوں میں اس فقرے کی تاویل یہ کی ہے کہ انھوں نے پورا کمبل اُتار کر نہیں بچھایا ہو گا کہ برہنہ ہو جاتے بلکہ تھوڑا بچھایا ہو گا اور تھوڑے سے اپنا جسم لپیٹے ہوں گے۔

(۷) ابوہریرہ کی یہ حدیث خود اپنی جگہ پر من گڑھت کہانی قصوں کے مشابہ ہے اس میں اور یاوہ گویوں کی اختراعات میں کوئی خاص فرق نہیں، پیغمبرؐ کے معجزات میں اس کو شمار کرنا پیغمبرؐ کی طرف اس کو نسبت دینا کسی طرح مناسب نہیں

کیونکہ آں حضرتؐ کے معجزات تو ایسے روشن اور واضح ہوا کیے کہ ارباب عقل ششدر رہ گئے اور اس کے شان اعجاز کو دیکھ کر بڑے بڑے سرکشوں نے سر تسلیم خم کر دیے۔

جب پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے روانہ کیا ہے تو آپ نے علیؑ کے سینے پر ہاتھ مار کر دعا کی اللھم اھد قلبہ وسدد لسانہ خداوندا علی کے دل کی ہدایت کر ان کی زبان کو استواری دے"! اس دعا کا ایسا ہمہ گیر اثر ہوا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں فواللہ ما شککت بعدھا فی قضاء بین اثنین خدا کی قسم اس دعا کے بعد کسی دو شخص کے مقدمہ کا فیصلہ کرنے میں مجھے تردد نہیں ہوا۔

جب خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی وتعیھا اذن واعیۃ یاد رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان تو آں حضرتؐ نے علیؑ سے کہا میں نے خدا سے دعا کی ہے وہ تمھارے کان کو ایسا بنائے۔ علی کہتے ہیں کہ "میں پھر کوئی بات نہ بھولا اور میں بھولتا بھی کیسے"!

جب علیؑ نے بروز جنگ خیبر لشکر کا علم ہاتھ میں لیا تو پیغمبرؐ نے دعا فرمائی اللھم اکفہ الحر والبرد خداوندا اسے سردی و گرمی سے بچا۔ علیؑ کہتے ہیں فما اذانی بعدھا حر ولا برد پھر اس کے بعد نہ مجھے کبھی گرمی نے ستایا نہ سردی نے اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ آپ شدید سردی میں بھی ایک لنگ اور چادر اوڑھ کر نکلتے اور گرمی میں بھاری کپڑے اور روئی دار قبا پہن کر باہر نکلتے۔ پیغمبرؐ کے اس عظیم الشان معجزہ کو ظاہر کرنے کے لیے۔

جب جابر نے پیغمبرؐ سے اپنے باپ کے قرضے کی شکایت کی تو آں حضرتؐ جابر کے ساتھ اُن کے کھلیان میں گئے جہاں کھجور اکٹھا کر کے رکھی گئی تھی آپ اس ذخیرہ کے گرد گھومے اس میں برکت کے لیے دعا کی پھر وہیں بیٹھ گئے اور قرض خواہ سب آ گئے جس جس کا جتنا قرضہ تھا سب کے قرضے چکا دیے پھر بھی جابر اور

پیٹ بھر کھانے پر خوش رہنا، ان کے ہاتھ کا پیغمبرؐ کے ہاتھ میں ہونا اور پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ ہر جگہ جانا یہ ایسی باتیں ہیں جس کے خود ابوہریرہ مدعی ہیں اور اسکے ثبوت کے وہی ذمہ دار ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں[1] "میں مدینہ پہنچا، پیغمبرؐ اس وقت خیبر میں تھے میری عمر ۳۰ سے تجاوز کر چکی تھی میں پیغمبرؐ کے پاس ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپ نے رحلت کی اور آپ کے ساتھ ازواج پیغمبرؐ کے گھروں پر جاتا،[2] آپ کی خدمت بجا لاتا، آپ کی معیت میں جنگ کرتا اور حج کرتا[3] اور میں آپ کی حدیثوں کا سب سے بڑھ کر عالم تھا اور خدا کی قسم بہت سے لوگ میرے بہت پہلے سے صحبت پیغمبرؐ میں رہتے آرہے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ میں ہر وقت پیغمبرؐ سے چپکا رہتا ہوں وہ مجھ ہی سے حدیث پیغمبرؐ دریافت کرتے انھیں میں سے عمر ہیں، عثمان ہیں، علیؑ ہیں، طلحہ ہیں، زبیر ہیں۔"

غالباً ارباب عقل ابوہریرہ کی اس جسارت و جرأت پر حیرت کریں کہ انھوں نے ایسی بات بیان کی ہے جو واقع کے مخالف اور سچائی سے کوسوں دور ہے لیکن جو حضرات اصل حقیقت سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ ابوہریرہ اس قسم کے دعوے اکابر صحابہ کے زمانے میں کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اس قسم کی حدیثیں بیان کرنے کی جرأت تو انھیں جب ہوئی جب اکثر صحابہ ہو چکے تھے، شام و عراق، مصر و افریقہ، فارس اور دیگر ممالک مفتوح ہو چکے تھے صحابہ کی تعداد مختصر سے مختصر تر رہ گئی تھی اور نئے مسلمانوں کی کثرت تھی جن غریبوں کو عہد نبوت کے حالات کچھ معلوم ہی نہ تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد و اصابہ حالات ابوہریرہ [2] پیغمبرؐ کی غیرت و حمیت کو دیکھتے ہوئے اس قول کی تصدیق ناممکن ہے [3] یہ جملہ بتاتا ہے کہ ابوہریرہ نے پیغمبرؐ کی معیت میں پے در پے حج کیے حالانکہ پیغمبرؐ ہجرت کے بعد صرف ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے یعنی حجۃ الوداع اگر ابوہریرہ یہ کہتے کہ میں نے پیغمبرؐ کے ساتھ حج کیا تو کسی حد تک صحیح بھی سمجھا جا سکتا تھا مگر انکے جملے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کے ہمراہ انھوں نے متواتر حج کیے۔ ۱۲

پیٹ بھر کھانے پر خوش رہنا، ان کے ہاتھ کا پیغمبرؐ کے ہاتھ میں ہونا اور پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ ہر جگہ جانا یہ ایسی باتیں ہیں جس کے خود ابو ہریرہ مدعی ہیں اور اسکے ثبوت کے وہی ذمہ دار ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں[1] "میں مدینہ پہنچا، پیغمبرؐ اس وقت خیبر میں تھے میری عمر ۳۰ سے تجاوز کر چکی تھی میں پیغمبرؐ کے پاس ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپ نے رحلت کی اور آپ کے ساتھ ازواج پیغمبرؐ[2] کے گھروں پر جاتا، آپ کی خدمت بجالاتا، آپ کی معیت میں جنگ کرتا اور حج کرتا[3] اور میں آپ کی حدیثوں کا سب سے بڑھ کر عالم تھا اور خدا کی قسم بہت سے لوگ میرے بہت پہلے سے صحبت پیغمبرؐ میں رہتے آرہے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ میں ہر وقت پیغمبرؐ سے چپکا رہتا ہوں وہ مجھ ہی سے حدیث پیغمبرؐ دریافت کرتے انھیں میں سے عمر ہیں، عثمان ہیں، علیؑ ہیں، طلحہ ہیں، زبیر ہیں"

غالباً ارباب عقل ابو ہریرہ کی اس جسارت و جرأت پر حیرت کریں کہ انھوں نے ایسی بات بیان کی ہے جو واقع کے مخالف اور سچائی سے کوسوں دور ہے لیکن جو حضرات اصل حقیقت سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ ابو ہریرہ اس قسم کے دعوے اکابر صحابہ کے زمانے میں کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اس قسم کی حدیثیں بیان کرنے کی جرأت تو انھیں جب ہوئی جب اکثر صحابہ مر چکے تھے، شام و عراق، مصر و افریقہ، فارس اور دیگر ممالک مفتوح ہو چکے تھے صحابہ کی تعداد مختصر سے مختصر تر رہ گئی تھی اور نئے مسلمانوں کی کثرت تھی جن غریبوں کو عہد نبوت کے حالات کچھ معلوم ہی نہ تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد و اصابہ حالات ابو ہریرہ [2] پیغمبرؐ کی غیرت و حمیت کو دیکھتے ہوئے اس قول کی تصدیق ناممکن ہے [3] یہ جملہ بتاتا ہے کہ ابو ہریرہ نے پیغمبرؐ کی معیت میں پے در پے حج کیے حالانکہ پیغمبرؐ ہجرت کے بعد صرف ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے یعنی حجۃ الوداع اگر ابو ہریرہ یہ کہتے کہ میں نے پیغمبرؐ کے ساتھ حج کیا تو کسی حد تک صحیح بھی سمجھا جا سکتا تھا مگر انکے جملے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کے ہمراہ انھوں نے متواتر حج کیے۔ ۱۲

ابوہریرہ اور سارے جھوٹے اس وقت اپنے کو اور ہی دنیا میں پاتے تھے جس دنیا میں دور اول کی کوئی بات ہی پائی نہیں جاتی تھی اُن کی آج کی دُنیا ایسی تھی کہ اُن کی زبان سے نکلا ہوا ہر حرف سچا سمجھا جاتا، اُن سے ہر سُنی ہوئی بات پر خوشی خوشی عمل کیا جاتا تھا کیونکہ یہ لوگ اس نئی دنیا والوں کی نظر میں اصحاب پیغمبر کے باقیات الصالحات میں سے تھے پیغمبر کی سنتوں کے امین اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے ذمہ دار، اموی قہر و غلبہ نے بھی ان لوگوں کی تائید میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر ڈالیں اور انھیں اسباب سے اب ابوہریرہ اور انھیں جیسے لوگوں کے لیے کھل کر موقع ملا کہ واہیات سے واہیات عجیب سے عجیب تر حدیثیں بیان کریں اور ہر ایسی بات کو قول و عمل پیغمبر ظاہر کریں جو نہ شرعاً جائز نہ عقلاً ممکن۔ غرضکہ ہر بیہودہ و مہمل بات جس سے اُن کے کام نکلیں یا ظالم و جابر ارباب حکومت کے مقاصد کی تکمیل ہو ان لوگوں نے پیغمبر کی طرف نسبت دے کر بیان کرنے میں کمی نہیں کی۔ یہ جھوٹے اور مفتری افراد غاصب و ظالم ارباب حکومت کے متوسلین میں سے تھے تقرب و خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے میں انھوں نے ذلت و دنائت کی حد کر دی اور ارباب حکومت نے اس کے صلہ میں ایک طرف تو انھیں اپنی بخششوں سے مالامال کر دیا دوسری طرف اُن کی تائید و حمایت میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں اس لیے کہ یہ جھوٹے لوگ ان غاصبین و ظالمین کے لیے بہترین آلۂ کار بلکہ اُن کی زبان اور آنکھوں کے درجے پر تھے۔

مجھے تو خدا کی قسم بخاری و مسلم اور امام احمد جیسے اشخاص پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اتنی سمجھ بوجھ والے ہو کر بھی اندھے، بہرے اور عقل سے کورے ہو کر ابوہریرہ اور ان کے ہم رنگ اشخاص کی تقلید کرتے ہیں۔ کیا کسی صورت سے ابوہریرہ کے اس قول کی تصدیق ہو سکتی ہے؟ "کیا صحابہ ان سے احادیث پیغمبر پوچھا کرتے تھے

کوئی بتا سکتا ہے کہ علیؑ و عمر، عثمان و طلحہ و زبیر وغیرہ نے کب ان سے پیغمبرؐ کی حدیث پوچھی، سوتے میں پوچھا، جاگتے میں پوچھا، یا عالم خیال میں پوچھا، کون سی حدیث پوچھی، اور ان کے پوچھنے کا کوئی شاہد بھی ہے، ابو ہریرہ کے علاوہ اور بھی کسی سے منقول ہے، کون سے مورخ نے کس عالم نے ان کبار صحابہ میں سے کسی ایک کے متعلق اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس نے ابو ہریرہ سے ایک بھی حدیث پوچھی تھی[۱]؟ یہ حضرات ابو ہریرہ کی حدیثوں پر کان کب دھرتے تھے؟ ہم نے تو کہیں نہیں دیکھا کہ ابو ہریرہ نے ان کبار صحابہ میں سے کسی صحابی کے سامنے کوئی روایت بیان کی ہو کوئی حدیث بیان کی ہو ان کے سامنے ابو ہریرہ کو حدیث بیان کرنے کی ہمت ہوتی بھی کیسے جبکہ وہ انھیں انتہائی ذلیل سمجھتے، انتہائی جھوٹا جانتے تھے جیسا کہ ہم مفصلاً اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

اب ہم پھر استیعاب ابن عبد البر کی عبارت کی طرف پلٹتے ہیں۔ ابن عبد البر کا یہ فقرہ کہ ابو ہریرہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ حافظ حدیث تھے" یہ بھی ابو ہریرہ ہی کی حدیث سے ماخوذ ہے جس میں انھوں نے کہا ہے وکنت اعلم الناس بحدیثه میں احادیث پیغمبرؐ کا سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔

یہ فقرہ کان یحضر مالا یحضر سائر المھاجرین والانصار ابو ہریرہ پیغمبر کی خدمت میں اس وقت بھی حاضر رہا کرتے جس وقت مہاجرین و انصار غائب رہا کرتے" یہ ابو ہریرہ کی اس حدیث سے ماخوذ ہے جس میں انھوں نے

---

[۱] امام حاکم نے حالات ابو ہریرہ کے سلسلہ میں اُن تمام صحابہ کے نام ذکر کیے ہیں جنھوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے وہ کل ۲۸ کی تعداد میں ہیں ان میں نہ حضرت امیر المومنین ہیں نہ عمر، عثمان، طلحہ، زبیر دوسرے صحابہ نے اُن سے جو روایتیں کیں بھی تو شرعی مسائل کے متعلق نہیں بلکہ جنت نار و اخلاق و فضیلت علم وغیرہ کے متعلق۔

کمبل بچھانے کا تذکرہ کیا ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

یہ فقرہ کہ پیغمبر نے ان کے متعلق گواہی دی ہے کہ وہ علم حدیث کے حریص تھے یہ انھیں ابوہریرہ کے اس قول سے مستنبط ہے قلت یا رسول اللہ من اسعد الناس بشفاعتك قال لقد ظننت ان لا یسالنی عن هذا الحدیث احد اولی منك لما رایت من حرصك علی الحدیث میں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ حضور آپ کی شفاعت سے مستفید ہونے میں سب سے نیک بخت کون ہے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا میرا پہلے ہی سے گمان تھا کہ تم سے بہتر کوئی شخص اس بات کو مجھ سے نہیں پوچھے گا کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم حدیث کے کتنے حریص ہو۔" (صحیح بخاری و اصابہ حالات ابوہریرہ)

ابوہریرہ کے دیگر فضائل جنھیں حالات صحابہ لکھنے والوں میں سے سبھی نے لکھا ہے "مزود" (توشہ دان) ہے جس سے ابوہریرہ نے دو سو وسق کھجوریں کھائی تھیں، اُن کا بھاگا ہوا غلام جسے ابوہریرہ نے راہِ خدا میں آزاد کیا ان کا دو ظرف بھر حدیثیں یاد رکھنا جس میں ایک ظرف تو انھوں نے لوگوں پر ظاہر کیا دوسرا مخفی رکھا، پیغمبرؐ کا ان کے اور ان کی ماں کے لیے دعا کرنا۔ ان کا پانی کی سطح پر اتنی دور تک چلنا کہ ایک پوری خلیج طے کر گئے اور ان کا پیر تر نہ ہوا وغیرہ وغیرہ اسی قسم کی مہملات و مزخرفات ہیں جو بیک وقت ہنساتے بھی ہیں اور رُلاتے بھی۔

۱۷

ابوہریرہ کے عجیب عجیب لطیفے

امام احمد نے ابوہریرہ کی ایک حدیث محمد بن زیاد سے روایت کی ہے ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ مروان جن دنوں عہد حکومت معاویہ میں مدینہ کا حاکم تھا وہ جب کبھی مدینہ سے باہر جاتا تو انھیں اپنا قائم مقام بنا کے جاتا پس ابوہریرہ اپنے

دونوں پیر مار کر کہتے کہ راستہ صاف کرو امیر آرہے ہیں، امیر آرہے ہیں!! یعنی میں ابوہریرہ آرہا ہوں۔ (مسند احمد ج ۲ صفحہ ۴۳۰)

ابن قتیبہ دینوری نے معارف صفحہ ۹۴ میں بسلسلہ حالات ابوہریرہ ابورافع سے روایت کی ہے کہ مروان ابوہریرہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا کرتا تھا۔ ابوہریرہ گدھے پر سوار ہو کر نکلتے، اپنے دونوں پیر نیچے لٹکا دیتے اور کہتے راستہ صاف کرو امیر آرہے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بچے کھیل رہے ہوتے اور وہ اُن کی باتوں پر دھیان بھی نہ دیتے تو یہ خود اُن کے بیچ میں پہنچ جاتے اور اپنے پیر مارتے۔ (علامہ ابن سعد نے بھی طبقات جلد ۴ قسم ثانی میں بسلسلہ حالات ابوہریرہ متعدد اسناد سے یہ حدیث درج کی ہے)

ابونعیم اصبہانی نے ثعلبہ بن ابی مالک قرظی سے روایت کی ہے کہ "ابوہریرہ بازار میں لکڑی کا گٹھر اٹھائے آتے نظر پڑے وہ ان دنوں مروان کے قائم مقام تھے انھوں نے کہا اے ابن ابی مالک امیر کے لیے راستہ کو کشادہ کرو۔ میں نے کہا اتنا راستہ کافی ہے، تو انھوں نے کہا امیر کے لیے راستہ کشادہ کرو کہ لکڑیوں کا گٹھر بھی اس پر ہے۔" (حلیۃ الاولیاء ج ۱ صفحہ ۳۸۲)

انھیں ابونعیم نے بطریق احمد بن حنبل یہ بھی روایت کی ہے کہ "ابوہریرہ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے اور کہتے جاتے بُرا ہو میرے اس پیٹ کا جب میں اسے بھر لیتا ہوں تو دم لینا دوبھر ہو جاتا ہے اور اگر بھوکا رہتا ہوں تو مجھے گالیاں دیتا ہے۔"

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ صفحہ ۳۸۲)

زمخشری کی ربیع الابرار میں ہے کہ ابوہریرہ یہ دعا مانگا کرتے کہ خداوندا مجھے چبانے اور پیسنے والا دانت، خوب ہضم کرنے والا معدہ اور پاخانہ پھرنے والا

مبرز عنایت کرے۔"[1]

اسی ربیع الابرار میں یہ بھی ہے کہ ابو ہریرہ کو مضیرہ (ایک قسم کی غذا جو پھٹے ہوئے دودھ سے بنائی جاتی ہے) بہت پسند تھا چنانچہ معاویہ کے دسترخوان پر یہ مضیرہ بھی کھانے کو ملتا تھا اور جب نماز کا وقت آتا تو بڑے شوق سے علیؑ کے پیچھے نماز پڑھنے آتے اگر کوئی پوچھتا کہ یہ کیا ؟ تو کہتے کہ معاویہ کا مضیرہ زیادہ روغن دار ہوتا ہے اور علی کے پیچھے نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے اسی وجہ سے لوگ انھیں شیخ المضیرہ کہا کرتے۔"[2]

ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ کچھ لوگوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے جب کسی جگہ لوگوں نے قیام کیا تو کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا اور لوگوں نے ابو ہریرہ کو جو نماز پڑھ رہے تھے بلانے کو آدمی بھیجا تو انھوں نے کہلا بھیجا میں روزے سے ہوں لوگ کھانے لگے کھانا جب قریب ختم ہوا تو ابو ہریرہ پہنچے اور دسترخوان پر بیٹھ کر یہ بھی کھانے لگے، لوگوں نے اس

---

[1] ربیع الابرار سے اس واقعہ کو بہت سے علماء و مصنفین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے منجملہ ان کے شیخ قمی دام مجدہ ہیں جنھوں نے اپنی کتاب الکنیٰ والالقاب میں حالات ابو ہریرہ میں نقل کیا ہے [2] مضیرہ ایک قسم کی غذا ہے جو پھٹے ہوئے دودھ سے بنائی جاتی ہے۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو ہریرہ جنگ صفین میں موجود تھے جہاں ان کی دورنگی شان تھی کبھی ادھر کبھی ادھر۔ شام و عراق کے درمیان صفین سے قریب ایک جگہ مقام ابی ہریرہ کے نام سے مشہور ہے۔ بہت سے لوگوں نے بیان کیا کہ جنگ صفین کے دنوں میں ابو ہریرہ نماز جماعت حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ پڑھتے اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے اور لڑائی جب گھمسان کی ہوتی تو قیام پہاڑ پر فرماتے۔ اور جب ان سے اس کے متعلق پوچھا جاتا تو کہتے علی سب سے بڑھ کر عالم ہیں اور معاویہ کا کھانا سب سے زیادہ روغن دار ہوتا ہے اور جان بچانے کیلئے سب سے محفوظ جگہ پہاڑ ہے۔

آدمی کی طرف دیکھا جو بلانے گیا تھا۔ ابوہریرہ نے کہا اس آدمی کی طرف کیا دیکھتے ہو لوگوں نے کہا کہ اس آدمی نے تو اگر ہم لوگوں کو بتایا کہ آپ روزے سے ہیں۔ ابوہریرہ نے کہا ہاں اس نے سچ کہا تھا۔ میں نے پیغمبر سے سُنا ہے کہ رمضان کا روزہ اور ہر مہینہ تین دن روزہ رکھنا یہ گویا سال بھر روزہ رکھنا ہے اور میں مہینہ کے تین روزے شروع ہی میں رکھ چکا ہوں لہذا میں روزہ دار بھی ہوں اور بے روزہ بھی"
(حلیۃ الاولیاج ا ص۳۸۵)

بخاری نے محمد بن سیرین سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابوہریرہ کے پاس تھے وہ خز (ایک قیمتی کپڑے) کا لباس پہنے ہوئے تھے، ناک صاف کرنے کی ضرورت ہوئی تو انھوں نے انھیں خز کے کپڑوں سے ناک صاف کی اس کے بعد خود اپنے سے مخاطب ہو کر کہا کیا کہنا تمھارا ابوہریرہ آج تم خز کے کپڑے میں ناک صاف کرتے ہو اور کل تمھارا یہ حال تھا کہ منبر رسولؐ اور حجرۂ عائشہ کے درمیان غش کے عالم میں پڑے رہتے تھے، آنے والے آتے اور تمھاری گردن پر پیر رکھ کر چلے جاتے اور سمجھتے تھے کہ دیوانہ ہو حالانکہ میں دیوانہ نہیں تھا، میرا تو بھوک کے مارے یہی حال رہا کرتا تھا" (صحیح بخاری ج ۴ ص۱۷۵ آخر کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ و حلیۃ الاولیاج ا ص۳۷۹)

ان کے عادات و خصائل میں سے ایک یہ ہے کہ یہ سدّر سے کھیلا کرتے علامہ ابن اثیر نہایہ میں لفظ سدّر کی تحقیق میں لکھتے ہیں اُن کی عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے "بعض راویوں کا بیان ہے کہ میں نے ابوہریرہ کو سدّر کھیلتے ہوئے دیکھا سدّر ایک کھیلنے کا آلہ ہے جس سے جوا کھیلا جاتا ہے اس کی سین کو زیر بھی بولتے ہیں اور پیش بھی یہ لفظ فارسی ہے اور معرب بنایا گیا ہے" اسی سدر کے متعلق لسان العرب میں بھی بعینہ وہی عبارت ہے جو نہایہ کی ہے البتہ اتنی زیادتی لسان العرب میں ہے

"ومنه حدیث یحییٰ ابن کثیر السدر ھی الشیطانة الصغری اسی سدر کے متعلق یحییٰ بن کثیر کی ایک حدیث ہے کہ سدر چھوٹا شیطان ہے یعنی شیطان کے حکم سے ہوتا ہے"۔

علامہ دمیری نے حیواۃ الحیوان میں بسلسلہ لفظ عقرب شطرنج کے کھیل کا ذکر کیا ہے۔ علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ صعلوکی نے عمر بن خطاب، ابی الیسر اور ابو ہریرہ سے شطرنج کا جائز ہونا روایت کیا ہے" پھر دمیری لکھتے ہیں کہ ابو ہریرہ کا شطرنج کھیلنا کافی مشہور اور فقہ کی ہر کتاب میں مذکور ہے۔ علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ اُجری نے انھیں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کی طرف سے گذرو جو چوسر اور شطرنج کھیلتے ہوں ان پر سلام نہ کرنا"۔

۱۸

ابو ہریرہ کا انتقال اور اُن کے پسماندگان

ابو ہریرہ اپنے عقیق والے مکان میں مرے،[1] وہاں سے اُن کی میت مدینہ لائی گئی، چونکہ ابو ہریرہ حضرت عثمان سے خاص عقیدت[2] رکھنے والوں میں سے تھے اس لیے عثمان کے لڑکے اُن کے جنازے کو عقیق سے کاندھا دیتے ہوئے قبرستان بقیع تک لے گئے۔ ان کی نماز جنازہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان معاویہ کے بھتیجے نے پڑھائی۔ مروان ان دنوں معتوب[3] بارگاہ تھا، اس کی جگہ ولید حاکم مدینہ تھا۔ ولید نے ابو ہریرہ کی عظمت بڑھانے کے لیے لوگوں کو عصر کی

---

[1] اصابہ، استیعاب، مستدرک حالات ابو ہریرہ [2] طبقات ابن سعد ج ۴ قسم ۲ ص ۶۳
[3] اصابہ، استیعاب، طبقات، مستدرک حالات ابو ہریرہ۔

نماز پڑھانے کے بعد اُن کی نماز جنازہ پڑھی حالانکہ اور جلیل القدر مقدس اصحاب پیغمبر موجود تھے جیسے ابو سعید خدری، ابن عمر وغیرہ۔

ولید نے اپنے چچا معاویہ کو ابو ہریرہ کے انتقال کی خبر لکھ بھیجی معاویہ نے جواب میں لکھا "ابو ہریرہ کے پسماندگان کا خاص خیال رکھو اور اُن کے ورثہ کو دس ہزار درہم پہنچا دو اور اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ اور نیکی و احسان سے کام لو کیونکہ یہ عثمان کے مددگاروں میں سے تھے اور وقت محاصرہ اُن کے ساتھ گھر میں تھے۔" (مستدرک امام حاکم طبقات ابن سعد، اصابہ ابن حجر وغیرہ)

ان کا انتقال ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ ہجری میں ہوا جبکہ ان کی عمر ۷۸ برس کی تھی۔

ان کے پسماندگان میں صرف ان کے لڑکے محرر ابن ابی ہریرہ اور اُن کی لڑکی کا پتہ ہمیں ملتا ہے جس سے ابو ہریرہ کہا کرتے کہ "قولوا ابی ابی ان یحلینی الذھب یخشی علی حرا اللھب کہو کہ میرے باپ انکار کرتے ہیں اس سے کہ مجھے سونے کا زیور پہنائیں وہ آتش جہنم کی حرارت سے ڈرتے ہیں" محرر کے ایک لڑکے نعیم کا بھی پتہ ملتا ہے۔ اسی نعیم نے اپنے دادا ابو ہریرہ کے متعلق روایت کی ہے کہ "ابو ہریرہ کے پاس ایک دھاگا تھا جس میں دو ہزار گرہیں تھیں وہ جب تک دو ہزار گرہوں پہ تسبیح نہ پڑھ لیتے سوتے نہیں"

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ صفحہ ۳۸۰ و صفحہ ۳۸۳)

نعیم نے ابو ہریرہ ہی سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر سے پوچھا میں کس چیز کی تجارت کروں؟ آپ نے فرمایا کہ کپڑے کی تجارت کرو کہ بزاز کو یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ لوگ اچھی حالت میں رہیں اور نئے لباس میں رہیں۔

محرز کے حالات ابن سعد نے طبقات ج ۵ ص ۱۹۸ میں لکھے ہیں اور سلسلۂ نسب بھی جو دوس سے جا کر ملتا ہے ذکر کیا ہے۔ نیز یہ کہ محرز عمر ابن عبدالعزیز کے زمانۂ حکومت میں فوت ہوا اور یہ قلیل الروایۃ تھا۔

خاتمہ کتاب

ہم اس کتاب کو پیغمبرؐ کے دو فقرے ذکر کرکے ختم کرتے ہیں جو ابوہریرہ سے متعلق ہیں جنھیں پیغمبرِ خداؐ نے اپنے عجیب انداز میں جو بعض کج رو افراد کی کج روی ظاہر کرنے کے لیے آپ اختیار فرمایا کرتے تھے ارشاد کیا ہے:-

پہلا فقرہ وہ ہے جس میں ابوہریرہ، رجال بن عنفوہ اور فرات بن حیان[۱] تین شخص شریک ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایک دن آپ کے پاس سے اُٹھ کر باہر چلے تو حضرت نے اُن کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ لضرس احدکم فی النار اعظم من احد و ان معہ لقفا غادر، تم میں سے ایک کی ڈاڑھ آتش جہنم میں کوہ احد سے بزرگ تر ہے اور اُس کی پشت ایک غدار شخص کی ایسی ہے"۔ ابوہریرہ اور فرات اس کے بعد کہتے تھے کہ اس[۲] حدیث کے بعد ہم اُس وقت تک مطمئن نہیں ہوئے جب تک کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا کہ رجال مرتد ہو گیا اور مسیلمہ کذاب کے ساتھ قتل ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں نے اس طرح حدیث کے معنی یہ قرار دیے کہ یہ حکم اُن تین میں سے صرف ایک کے بارے میں تھا جس کی تعیین نہ کی گئی تھی اور جب رجال بعد وفات رسولؐ جا کر مسیلمہ سے مل گیا اور بحالت ارتداد

---

[۱] و [۲] استیعاب ص ۵، اصابہ حالات فرات۔

قتل ہوگیا تو اُس ایک کی تعیین ہوگئی کہ اُس ایک سے رجال ہی مراد تھا۔ حالانکہ حدیث میں جو احدکم کی لفظ ہے اُس کی نظیریں ہمارے سامنے ہیں اور اُن نظائر کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس لفظ کے ساتھ جو حکم ہوتا ہے وہ بہت افراد میں سے صرف کسی ایک شخص کے متعلق نہیں ہوتا بلکہ اُن متعدد افراد میں سے ہر ایک کے لیے ثابت ہوتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے یود احدکم ان تکون لہ جنۃ تم میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کے پاس ایک گھنا ہوا باغ ہو" یود احدھم لو یعمر الف سنۃ ان میں ہر ایک کی یہ تمنا ہے کہ کاش وہ ہزار برس کی عمر پائے" واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلاً جب اُن میں کسی ایک کو خبر دی جاتی ہے اُس کی جو اُس نے اللہ کے لیے تجویز کی ہیں (یعنی لڑکیاں) واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ مسوداً وھو کظیم جب اُن میں سے کسی ایک کو لڑکی کے پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے تو چہرہ کا رنگ رنج و غم سے سیاہ ہو جاتا ہے"۔ قرآن اور حدیث اور کلام عرب میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ روزمرہ کی گفتگو میں عرب کی مقام مدح میں کہا جاتا ہے کف احدھم تمطر ذھباً اُن میں سے ایک کا ہاتھ سیم و زر کی بارش کرتا ہے" اور قلب احدھم یفیض حناناً اُن میں سے ایک کا دل مہر و محبت سے لبریز ہے" اور مذمت میں کہا جاتا ہے وجہ احدھم عنوان الوقاحۃ اُن میں سے ایک کا چہرہ بے حیائی کا سائن بورڈ ہے" اور قلب احدھم اقسیٰ من الصلد اُن میں سے ایک کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے" ان تمام جملوں میں کہیں پر "ایک" سے مراد کوئی خاص ایک شخص نہیں ہوتا بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اُن میں کا ہر ایک ایسا ہی ہے۔ لہٰذا حدیث میں بھی یہی معنی مراد ہوں گے اور یہی معنی اس سے ذہن میں آتے ہیں کہ اُن تین آدمیوں میں ہر ایک کی

صفت ہے نہ یہ کہ کسی ایک کی جس کا اظہار نہیں کیا گیا۔

اور اگر حضرت کا مقصود کوئی ایک ہی شخص ہوتا تو اُسے کسی نہ کسی قرینہ کے ذریعہ سے متعین فرما دیتے اس لیے کہ ایسے مقام پر توضیح و اظہار کا ترک کر دینا انبیاء کی شان کے شایاں نہیں اس لیے کہ اُس میں عقلاً خرابی ہے اور وہ یہ کہ جو بے گناہ ہیں اُن کے لیے بھی شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مشکوک بن جاتے ہیں کیونکہ جب معلوم ہو گیا کہ ان میں کا کوئی ایک یقیناً غدار اور جہنمی ہے اور وہ ایک معلوم ہے نہیں تو نتیجہ یہ ہے کہ تینوں درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائیں اور کسی ایک پر بھی اُن میں سے بھروسا نہ کیا جائے اور اصول اور فروع کے کسی شعبہ میں بھی اُن کے قول کی پرواہ نہ کی جائے اور اُن کی حدیث حجت میں نہ پیش کیا جا سکے اور کسی مقدمہ میں اُن کی گواہی قابل قبول نہیں اور مسلمانوں کا کوئی عہدہ اُن کے سپرد نہ کیا جائے اور کوئی ایسی چیز جس میں وثاقت و اعتبار کی ضرورت ہے اُن کے حوالہ نہ ہو اور اسی طرح وہ اسلام کے تمام تمدنی حقوق سے محروم ہو جائیں اور امت پر لازم ہو کہ وہ اُن سے تمام ایسے امور میں جہاں عدالت کی ضرورت ہے پرہیز ضروری سمجھے اس لیے کہ شبۂ محصورہ میں کہ جہاں کسی چیز کا وجود چند چیزوں کے اندر یقینی ہو اور وہ یقینی طور پر معلوم نہ ہو عقل کا قطعی فیصلہ یہی ہے کہ سب ہی پھر پرہیز کے قابل ہو جاتے ہیں اور احتیاط ان سب ہی کے بارے میں لازم ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ اس مقام پر یہی ہے کہ تینوں میں ہر شخص درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے۔ اب اگر واقعاً وہ غدار اور جہنمی بس ایک تھا تو ان دو بیچاروں نے کیا قصور کیا تھا کہ وہ اس طرح ہمیشہ کے لیے مشکوک اور ناقابل اعتبار بنا دیے جائیں۔

بھلا حضرت خاتم الانبیاء کے ایسے محل شناس و رفرض شناس کیلئے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ آپ دو ناکردہ گناہوں کو ذلیل کر دیں اور اُن کو زندگی بھر کے لیے غدار اور جہنمی شخص کے حکم میں چھوڑ دینے اور پھر بغیر اس کی توضیح کے آپ دنیا سے تشریف لے جائیں آخر اس میں کیا امر مانع تھا کہ آپ اُس خاص شخص ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما دیتے کہ اس شخص کی ڈاڑھ جہنم میں کوہ احد سے بڑی ہو گی۔

غیر متعین طور پر فرمانا اُسی وقت میں درست ہو سکتا ہے کہ جب وہ تینوں آپ کی نظر میں یکساں حیثیت رکھتے ہوں۔

اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبرؐ نے صرف فرد واحد کے جہنمی ہونے کی صراحت فرمائی تھی اور وہ فرد واحد ابتداءً مجمل تھی تفصیلی طور پر معلوم نہ تھا کہ ابوہریرہ مقصود ہیں کہ فرات یا رحال لیکن جب رحال مرتد ہو گیا تو اس فرد واحد کی بھی تعیین ہو گئی اس صورت میں نہ کوئی اجمال باقی رہتا ہے نہ کوئی اشکال ہی۔

تو ہم کہیں گے کہ جس طرح ارشاد الٰہی واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم (جب اُن میں سے کسی ایک کو لڑکی کے پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے تو چہرے کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے) میں کوئی فرد خاص مقصود نہیں بلکہ ایک ایک فرد مراد ہے اسی طرح ارشاد پیغمبر ضرس احدکم فی النار بھی ابوہریرہ، فرات اور رحال تینوں کو شامل ہے کوئی خاص فرد مقصود نہیں بلکہ یہ مذمت تینوں کے تینوں کے لیے ہے لہذا شخص جہنمی کے غیر معین ہونے اور رحال کے مرتد ہونے کے بعد اس کے معین ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ پیغمبرؐ نے تینوں ہی کے متعلق فرمایا تھا ضرس احدکم فی النار اعظم من احد۔

دوم یہ کہ جس طرح انبیاء کرام کے لیے یہ ممکن نہیں کہ توضیح و صراحت کی

احتیاج ہونے پر بھی توجیہ نہ کریں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ جس وقت صراحت کی احتیاج ہو اُس وقت صراحت نہ فرمائیں اور یہ آپ جانتے ہیں کہ جس وقت پیغمبرؐ نے ان تینوں میں سے کسی کے جہنمی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تھی اسی وقت فوری ضرورت تھی کہ آپ وضاحت بھی فرما دیتے کہ تینوں میں سے کون جہنمی ہے تاکہ رحال کے مرتد ہونے کے وقت تک یہ جس خلجان میں مبتلا رہے جتنی سراسیمگی ان کو لاحق رہی اس سے محفوظ رہتے اور مسلمانوں کو ان کے متہم و مشتبہ ہونے کی وجہ سے جو بیزاری ان سے تھی وہ بیزاری نہ رہتی مگر قیامت یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے مرتے مرتے بھی وضاحت نہ فرمائی حتیٰ کہ رحال کے مرتد ہونے کے بعد بھی تینوں کو اسی حکم میں باقی رکھا اور اُن کے جہنمی ہونے کا جو اعلان فرمایا تھا اس میں فرد واحد کی تعیین کر کے دو کی گلو خلاصی کی سبیل نہیں پیدا کی۔

سوم یہ کہ فرات بن حیان مشرکین کا جاسوس اور رسول اللہ اور مسلمانوں کے درمیان ابوسفیان کا خفیہ رپورٹر تھا پیغمبرؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ فرات کو قتل کر ڈالیں تو جان بچانے کے لیے اس نے اسلام قبول کر لیا چنانچہ اسی موقع پر پیغمبرؐ نے فرمایا کہ[1] "تم لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کی تالیف قلب

---

[1] استیعاب و اصابہ حالات فرات، امام حاکم نے مستدرک ج ۴ ص ۳۶۶ کتاب الحدود میں یہ حدیث درج کی ہے جس میں فرات کا تذکرہ ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ یہ ابوسفیان کا حلیف اور جاسوس تھا۔ رسالتمآبؐ نے اس کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا اس کا گذر انصار کی ایک جماعت کی طرف سے ہوا اس نے ان لوگوں سے کہا کہ میں مسلمان ہوں بعض انصار نے پیغمبرؐ سے جا کر یہ خبر پہنچائی کہ حضور وہ اپنے کو مسلمان بتاتا ہے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں میں اُنھیں کے ایمان کے حوالے کرتا ہوں انھیں میں سے فرات بن حیان بھی ہے" امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اسے باقی رکھا ہے۔

کی جارہی ہے تاکہ اسلام کو وہ کوئی گزند نہ پہنچا سکیں انھیں میں سے فرات بن حیان بھی ہے۔" (اصابہ واستیعاب حالات فرات)

لہذا یہ فرات ابن حیان اپنی بدکیشی کی وجہ سے رحال کے سرسبر مشابہ تھا۔ جس طرح رحال مرتد ہو کر جہنمی ٹھہرا اسی طرح فرات بھی اپنی منافقت کی وجہ سے مستوجب جہنم تھا لہذا جب دونوں کا حال یکساں تھا دونوں کے کردار برابر کے تھے تو رحال کا مرتد ہو جانا کیونکر قرینہ اس امر کا قرار پا سکتا ہے کہ پیغمبرؐ نے جس کے جہنمی ہونے کی خبر دی تھی وہ یہی رحال تھا نہ کہ کوئی اور کیونکہ جس طرح رحال کا مرتد ہونا قرینہ قرار پا سکتا ہے جہنمی ہونے کا اسی طرح فرات کی منافقت بھی تو قرینہ ہو سکتی ہے، اس کے جہنمی ہونے کی۔ نیز ابوہریرہ کے لیے بھی تو اسی قسم کا قرینہ موجود ہے از روے حدیث پیغمبرؐ کہ من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار، جو شخص میری طرف جھوٹی حدیث منسوب کر کے بیان کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

دوسرا فقرہ وہ ہے جس میں ابوہریرہ اور سمرہ بن جندب فزاری اور ابو مخذورہ جمحی مشترک ہیں ایک دن پیغمبر خدا نے انھیں متنبہ کرتے ہوے فرمایا تھا کہ اخرکم موتا فی النار، تمھارا آخری شخص آگ کی موت مرے گا۔ (استیعاب واصابہ حالات سمرہ)

شریعت اسلام اور عامہ مسلمین کے امور کو منافقین کی دخل اندازیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے حکیم اسلام نے انتہائی حکیمانہ انداز میں یہ فقرہ ارشاد فرمایا تھا چونکہ عالم و خبیر پیغمبرؐ ان تینوں کی باطنی کیفیتوں سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے آپ نے یہ جملہ فرما کر چاہا کہ امت والوں کو ان سے ہوشیار و متنبہ فرما دیں تاکہ مبادا کوئی ان کی صحابیت سے مرعوب ہو کر انھیں نگاہ عقیدت سے دیکھے

اسی لیے آپ نے صاف صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا کہ ان تین شخصوں میں سے آخری مرنے والا آگ میں دم توڑے گا۔ لیکن اس موقع پر بھی سابق کی طرح آپ نے نام لے کر نہیں فرمایا بلکہ اپنے جملہ کو تینوں کے متعلق مجمل رکھا تاکہ یہ پیشین گوئی تینوں میں دائر رہے ۔ زندگی کی آخری سانسوں تک بھی آں حضرتؐ نے اس اجمال کی کوئی تصریح نہیں کی نام لے کر اس شخص کا نہیں بتادیا جس کے نصیب میں آگ کی موت مقدر تھی یہ اسی لیے تاکہ امت اسلام کے ارباب عقل ان تینوں ہی سے بیزاری و کنارہ کشی اختیار کریں۔

علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں بسلسلہ حالات سمرہ لکھتے ہیں کہ "اس کی وفات بزمانہ خلافت معاویہ ۵۸ھ ہجری میں بصرہ میں ہوئی اس طرح کہ وہ ایک کھولتے ہوئے پانی کی دیگ میں گر پڑا اور جل کر مرگیا اسے کوئی بیماری ہوئی تھی جس کے علاج کے طور پر وہ گرم پانی میں بیٹھا کرتا تھا اسی غرض سے ایک دن پانی گرم کیا گیا اتفاقاً اس میں وہ گر پڑا اور مرگیا ، اس طرح آں حضرتؐ کی پیشین گوئی صحیح نکلی جو آپ نے سمرہ ، ابوہریرہ اور ایک شخص کے متعلق فرمادیا تھا آخرکم موتا فی النار ، تم میں سے آخری شخص آگ میں مرے گا۔"

علامہ ابن عبدالبر نے محض حمایت ابوہریرہ میں یہ بات بنائی ہے اور پیغمبرؐ کی پیشین گوئی کو صرف سمرہ کے سر منڈھنے کی کوشش کی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبرؐ کا ارشاد تینوں ہی کے متعلق تھا نہ کہ صرف سمرہ کے متعلق یہی وجہ تھی کہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر یقین رکھتے تھے کہ پیغمبرؐ نے ہمارے ہی بارے میں پیشینگوئی فرمائی ہے ہمیں مراد و مقصود پیغمبرؐ ہیں ۔ اسی وجہ سے ان تینوں میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ اپنے باقی دو ساتھیوں سے پہلے مرجاؤں تاکہ آخر میں بچ کر آگ کی موت نہ نصیب ہو جیسا کہ ان تینوں کے اقوال و اعترافات سے ظاہر ہے۔

مزید براں سمرہ کا اپنے دونوں ساتھیوں کے بعد مرنا بھی قطعی طور پر معلوم نہیں۔ خود علامہ ابن عبدالبر کی تحقیق کے بنا پر سمرہ کا آخر میں مرنا تو اور غلط ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ سمرہ ۵۸ھ میں مرا اور ابو ہریرہ کے متعلق بے شمار مورخین و محدثین مثلاً واقدی، ابن نمیر، ابن عبید، ابن اثیر، ابن جریر وغیرہ کا بیان ہے کہ وہ ۵۹ھ میں مرے اسی ۵۹ھ میں ابو محذورہ بھی مرا۔ لہذا علامہ ابن عبدالبر کی یہ موشگافی کہ سمرہ ۵۸ھ میں گرم پانی سے جل کر مرا اور اس کے مرنے پر پیغمبر کی پیشین گوئی پوری ہوئی جتنی مہمل ہے وہ ظاہر ہے۔ پیغمبرؐ کی پیشین گوئی کسی ایک کے متعلق نہ تھی بلکہ تینوں مخاطب تھے اور تینوں ہی کے سوء عاقبت کی پیغمبرؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان

صفحہ	عنوان
	کیفیت حدیث ابوہریرہ
۵۴	(۱) خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا
۵۵	دو غور طلب باتیں
۶۱	(۲) خداوند عالم کا بروز قیامت مختلف شکلوں میں دکھائی دینا
۶۳	کچھ رویت خدا کے متعلق
۷۰	(۳) جہنم اس وقت تک نہ بھرے گا جب تک خداوند عالم اس میں اپنا پیر نہ ڈال دے
۷۲	(۴) خداوند عالم کا ہر شب آسمان دنیا پر اُترنا
۷۴	(۵) جناب سلیمانؑ کا اپنے پدر بزرگوار جناب داؤدؑ کے فیصلہ کو توڑ دینا
۷۶	اس حدیث کو اختراع کرنے کی وجہ کیا ہوئی
۸۰	تفسیر آیہ وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث
۸۱	(۶) جناب سلیمان کا ایک شب میں سو عورتوں کے پاس جانا
۸۴	(۷) جناب موسیٰ نے ملک الموت کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں
۸۶	(۸) پتھر کا جناب موسیٰ کے کپڑے لے بھاگنا اور جناب موسیٰ کا اس کے پیچھے دوڑنا اور بنی اسرائیل کا جناب موسیٰ کو مادر زاد برہنہ دیکھنا
۹۰	(۹) لوگوں کا بروز قیامت جناب آدم ونوح وابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کی پناہ ڈھونڈھنا، اُن کی شفاعت وسفارش کی توقع میں
۹۵	گران حضرات کا خود اپنے بارے میں غلطاں وپیچاں ہونا
۱۰۲	(۱۰) انبیاء کا شک کرنا

عنوان	صفحہ

عنوان | صفحہ

عنوان	صفحہ

ابوہریرہ

اور

دفتر اصلاح کی دیگر مطبوعات

حسب ذیل پتوں سے مل سکتی ہیں :-

(۱) دفتر اصلاح کھجوا (بہار)

(۲) مذہبی کتب خانہ مسجد دیوان ناصر علی صاحب مرحوم باغ قاضی لکھنؤ

(۳) سید محمد حسین صاحب بی اے، ۲۸۷ جی، آر، ڈبلیو لائنس روڈ کراچی